جہاں سورج نہیں ڈھلتا

قائدین کی کثرت میں قیادت کا فقدان

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں، جدید علم کی بہتات نے انسان کو پریشان کر دیا ہے اور وہ ایک فیشن کے طور پر ان کی تحصیل میں مصروف ہے۔ ہر آدمی اس Marathon Race یا دھکا پیل میں شریک ہے لیکن اس کو اپنی منزل کی خبر نہیں ہے۔ ہماری رفتار از حد تیز ہے لیکن سفر بہت آہستہ ہے۔ ہم تیزی سے راستے سر کرنے کی فکر میں سرگرداں ہیں لیکن فاصلے برابر بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہمارا کرب یہ ہے کہ ہمیں قائدین کی کثرت نے قیادت سے محروم کر دیا ہے۔ ہم مذہب کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اکثریت کو اپنے مذہب کی آگہی حاصل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے آس پاس مذہب سے برگشتہ لوگوں کا ایک ہجوم ہے جو موجودہ زمانے کی تعلیم سے تو آراستہ ہے لیکن وہ مذہب کی حقیقی روح سے مکمل آشنائی نہیں رکھتا ہے۔ مذہب کے اس واجبی علم نے آج کے انسان کو از حد پریشان کر رکھا ہے کیونکہ وہ اپنے محدود سائنسی اور دنیوی علم، تعلیمات اور مشاہدات سے اپنے دین اور اپنے اللہ کا عرفان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ ایک مضحکہ خیز بات ہے کہ ہم ایک غیر معمولی چیز کو معمولی علم سے پانے کی سعی کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں حقیقت اشیاء کا علم نہیں ہے حالانکہ انبیاء اور صوفیا کو ہمیشہ اشیاء کا حقیقی ادراک حاصل کرنے کی آرزو رہی ہے۔ انسان کا اپنی نفسیات کے اعتبار سے ہر دور میں یہ المیہ رہا ہے کہ وہ جس چیز کی حقیقت کو سمجھنے کی استعداد اور اہلیت نہیں رکھتا تھا، اس بات کا بلا تامل اور بلا توقف ارتداد وانکار کر دیتا تھا۔ فلسفۂ دین اور خدا کے عرفان کے حوالے سے یہ نکتہ تو آج کل فیشن کی حد تک عام ہو گیا ہے۔ ہر شخص جو دو چار جماعتیں یا دو چار کتابیں پڑھ جاتا ہے اور چند سائنسی نظریات اور فلسفیانہ تصورات جانتا ہے قرآن، مذہب اور خدا سے برگشتگی کا ضرور اعلان کرتا ہے۔ اس نفسیاتی نکتے کا پس منظر یہ ہے کہ وہ ایسی اوٹ پٹانگ، بے بنیاد اور بے تکی باتیں کر کے اپنے آپ کو پڑھا لکھا، ترقی یافتہ اور جدید نظریات وتصورات کا حامل شخص ثابت کرنا چاہتا ہے۔ دراصل مغربیت کی ہوا نے ہمیں فکری اور علمی مفلسی کا شکار بنا دیا ہے اور ہم شیشہ گران فرنگ کے ذہنی طور پر غلام بن کر نہ صرف اپنے غیر معمولی مذہبی علمی ورثے سے آشنائی اور استفادہ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے ہیں بلکہ ہم نے مغرب کی جانب سے آنے والے نظریات وتصورات اور فلسفے کو اپنے لیے توقیر کی علامت بنا لیا ہے۔ اکبر الہ آبادی نے یقیناً اسی بد

روش سے بچنے کے لیے یہ دعا مانگی تھی۔

برق کے لیمپ سے آنکھوں کو بچائے اللہ
روشنی آتی ہے اور نور چلا جاتا ہے

آج اکثریت کی یہی حالت ہے یعنی چند ڈگریاں اور مروجہ محدود معاشرتی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہم نے روشنی تو حاصل کر لی ہے لیکن ہمارے اندر کا نور گم ہو گیا ہے اور ہم واقعی اشیاء کی حقیقت دیکھنے اور سمجھنے سے عاری ہو گئے ہیں۔ بقول اقبال

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا ہے

کسی غیر معمولی شے کی قطعی حقیقت سمجھنے کے لیے مسلسل شدید جستجو، شوق اور اضطراب کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک خاص خلوص، لگن اور انہماک کے بغیر قرآن و حدیث کی ندرتیں، فلسفۂ دین کی نزاکتیں اور خدا اور رسولؐ کے عرفان کی لطافتیں شعور انسانی میں نہیں آ سکتی ہیں۔ اس بلند تر مقصد کے حصول اور لطیف نکتے کے ادراک کے لیے نہ صرف پیچ و تاب رازی کی ضرورت ہے بلکہ سوز و ساز رومی بھی ضروری ہے۔

اسی ادق نکتے کی تفہیم کے لیے ممتاز مذہبی دانشور پروفیسر احمد رفیق اختر ایک زمانے سے مخلصانہ کوشش کر رہے ہیں۔ ان کا مدعا یہ ہے کہ فلسفہ یا فلسفۂ مذہب اور خدا کا عرفان اس قدر آسان نہیں ہے کہ ہر Tom Dick and Harry جس کو اپنے وجود کی ابتدا اور انتہا کا بھی صحیح ادراک نہیں ہے اور جو اس خاص فیلڈ کا نہایت محدود علم رکھتا ہے، وہ خدا، قرآن، حدیث اور فلسفۂ مذہب کا ناقد، مفسر اور شارح بن جائے۔ ان کا کہنا ہے کہ مذہب کے ساتھ مذہب کے پیروکاروں نے انصاف نہیں کیا۔ انہوں نے مذہب کو اس کا صحیح مقام حاصل ہونے نہیں دیا۔ اگر مذہب کو اس کا حقیقی مقام عطا کر دیا جاتا تو آج مذہب پر اتہام رکھنے والوں کی تعداد اور شدت اس قدر زیادہ نہ ہوتی۔ وہ مذہبی سلسلہ جو یہودیت اور عیسائیت کی وادیوں سے ہوتا ہوا اسلام کی آخری منزل تک پہنچتا ہے مذہب کے ٹھیکے داروں اور پیروکاروں نے اس کی حالت اور شکل کو مسخ کر دیا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا اور مذہب کو ایک فطری تسلسل اور دیانتدارانہ ربط اور تواتر کے ساتھ آگے بڑھنے دیا جاتا تو آج مذہب کی حقیقی روح کا عرفان حاصل کرنا از حد مشکل نہ ہوتا اور مذہب جو خدا کا بھیجا ہوا اور بتایا ہوا طریقہ، انداز اور فلسفہ ہے اس میں غیر معمولی اور غیر حقیقی فکری اور عملی تناقض ہرگز نہ ہوتا۔ خدا جو قرآن میں اعلان کر رہا ہے کہ تمام لوگ ازل سے موحد تھے لیکن انسانوں نے مجرمانہ فکری غفلت سے رفتہ رفتہ اس میں شرک کا عنصر شامل کر دیا اور مخلوق خدا کو مختلف خانوں، رنگوں اور متضاد نظریات و افکار میں تقسیم کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سائنس جو تحقیق و جستجو اور مشاہدات و تجربات کا ایک دیانتدارانہ تسلسل ہے اور اس میں برابر ایک مخلصانہ تواتر اور بدلتے ہوئے لمحات اور اوقات کے مطابق جدید تبدیلیوں اور اضافوں کو قبول کرنے کا حوصلہ اور ظرف بھی پایا جاتا ہے۔ اس طرح مذہب میں بددیانتی اور عدم واقفیت کی بناء پر ایسا ہونے نہیں دیا گیا ہے حالانکہ یہ وقت اور تاریخ کی اہم ضرورت تھی کہ سائنسی نقطۂ نظر اور مزاج کی طرح مذہبی آسانی تبدیلیوں اور ضرورتوں کو بھی قبول کیا جاتا لیکن بدقسمتی سے مذہب کے حوالے سے ایسا نہیں ہوا اور مختلف

مذہبی گروہوں نے مذہب کی جدید ترین اور ترقی یافتہ صورت کو ابھرنے اور پنپنے کا قدرتی اور فطری موقع عطا نہیں کیا۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ مذہب ایک جامد سی شے بن گیا ہے اور اس میں انسانی سوچوں کے من پسند، غیر حقیقی عناصر شامل کر دیے گئے ہیں اور خدا نے جو ہر زمانے کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق مذہب کی صورت میں اپنا ایک اخلاقی، فکری اور نظریاتی نظام دیا تھا، اس کا عملی فروغ ممکن نہیں ہو سکا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آنے والے زمانوں میں Anti-religion لوگ مذہب کے درمیان پائے جانے والے ان اختلافات کا فائدہ اٹھا کر مذہب کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ اس عالم میں مذہب کا دفاع کرنے کے لیے جن لوگوں کو پیش کیا گیا، وہ تحقیق و جستجو اور علم و آگہی سے مکمل عاری تھے اور وہ مذہب کی حقیقی نمائندگی کا ہرگز حق نہیں رکھتے تھے لیکن بدقسمتی سے دشمنان مذہب نے ان نام نہاد نمائندگان کی کم فہمی اور کم علمی پر ماتم کرنے کے بجائے خواہ مخواہ مذہب کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور ان لوگوں کے افکار اور تصورات میں پائے جانے والے ابہام، انقاص اور اختلافات کو مذہبی رطب و یابس قرار دیا ہے۔ اس حوالے سے پروفیسر احمد رفیق اختر کا یہ مؤقف ہے کہ ایسی تحریف شدہ مذہبی کتابوں میں شامل تمام واقعات کو خدا کے عطا کردہ مذہب کا حصہ قرار نہ دیا جائے بلکہ خدا ایسی فرسودہ فکری اور نظریاتی چیزوں کو اب Own نہیں کرتا ہے جو عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید سے تعلق رکھتی ہیں۔ اب ان کی حیثیت مشکوک اور متروک ہو چکی ہے۔ اب اگر خدا کی بات کا ادراک حاصل کرنا ہے تو پھر خدا کے اس اعلان کو بھی سمجھنا پڑے گا کہ اب قرآن ہی میری آخری کتاب ہے۔ میں نے اپنے نظریات و تصورات کو اس کتاب میں مکمل کر دیا ہے۔ اب یہی کتاب میری اجتماعی سوچ کی نمائندگی کرتی ہے اور میں اب اس کتاب میں بیان کیے گئے اپنے افکار اور نظریات کا ذمہ دار ہوں۔ اگر اس قرآن میں بیان کردہ میرے نظریات، انکشافات اور تصورات میں کہیں اختلاف، تناقض، ابہام اور فرسودگی پائی جاتی ہے تو پھر چیلنج انکار اور اعتراض کی بات کرو۔ پروفیسر احمد رفیق اختر نے قرآن کے ان اعلانات کو اس زمانے کے سائنس دانوں کے لیے ایک کھلے چیلنج کے طور پر پیش کیا ہے کہ خدا کہتا ہے کہ میں نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ پہاڑ بھی مسلسل چل رہے ہیں اور زمین و آسمان پہلے ایک تھے اور پھر ہم نے ان کو پھاڑ دیا ہے اور زمین ان میں سے ایک ٹکڑے کی حیثیت رکھتی ہے۔ سائنس دانوں کو اگر اپنے علم پر ناز ہے اور وہ اپنے علم کو قرآن سے اعلیٰ اور ہمہ گیر تصور کرتے ہیں تو پھر اس طرح کے اعلانات اور نظریات کے ابطال کا ثبوت فراہم کریں یا قرآن کے اس اعلان سے پہلے ان حقائق کو سائنس کی تحقیق ثابت کریں۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے ہیں تو پھر تحقیق، تفتیش اور کائنات کے گہرے مطالعے کے بغیر خدا اور اس کے نظریات کی ہرگز نفی نہ کریں اور اگر وہ قرآن اور خدا کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر پیش کرنا چاہتے ہیں تو پھر وہ جس طرح سائنس کی تحقیق و جستجو میں سال ہا سال تک مخلصانہ اور بے تابانہ غور و فکر، لگن اور تپسیا کا مظاہرہ کرتے ہیں، بالکل اسی طرح قرآن کی تفہیم پر بھی کامل یکسوئی اور مکمل تحقیق کا حق ادا کریں کیونکہ قرآن پر وہی شخص اعتراض کرنے کا حق رکھتا ہے جو اس پر غور و فکر کرے، تدبر کرے، تحقیق کرے اور اس کا گہرا مطالعہ کرے۔ اللہ خلوص کے ساتھ غور و فکر اور اعتراض والے ہر شخص کی پذیرائی اور حوصلہ افزائی کی ضمانت بھی دیتا ہے اور اس کے تمام شک، گمان، ظن اور تخمین اللہ دور کر دیتا ہے لیکن تحقیق کے بغیر اس کتاب کے بارے میں محض فیشن کے طور پر رائے دینا، قرینِ انصاف نہیں ہے۔ اسی لطیف نکتے کی تفہیم کے لیے پروفیسر احمد رفیق اختر ایک طویل مدت سے لوگوں کو لیکچر دے رہے ہیں اور انہیں یہ تلقین کر رہے ہیں کہ وہ اپنے آدرش،

نصب العین اور اپنی ترجیح اول یعنی اپنے اللہ کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد قرار دیتے ہوئے اسے پانے کے لیے دل و جان سے آمادہ ہوں۔ اس بلند تر مقصد کے حصول کے لیے پروفیسر صاحب پورے ملک میں مختلف موضوعات پر لیکچرز دیتے ہیں۔ یہ کتاب ”جہاں سورج نہیں ڈھلتا“ پروفیسر صاحب کے ان ہی لیکچرز کا انتخاب ہے۔ اس کتاب میں شامل تمام لیکچرز کے خیالات، نظریات اور تصورات، درحقیقت اس بسیط کائنات کے ان فکری جہانوں کا پتا دیتے ہیں، جہاں کبھی بھی سورج غروب نہیں ہوتا ہے یعنی یہ وہ الوہی مقام ہے جہاں ابدی اب (Ultimate Now) کے آفاق پر پھیلے ہوئے عرفان آمیز رنگوں کو دوامی زندگی کا منفرد اعزاز حاصل ہے۔

میرے نزدیک، ”جہاں سورج نہیں ڈھلتا“ قرآنی فلسفے اور تصورات کے مطابق صحیفہ کائنات کی نقاب کشائی بھی کرتی ہے اور اس کا ہر راز اور بھید ہمارے ادراک سے ہم کلام ہوتا ہے اور ہم کامل آگہی کے ساتھ مذہب کو اپنے خارج اور باطن کی فطری ضرورت سمجھتے ہوئے قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور ایک خاص قسم کی محبت، لگن اور جستجو ہمیں اپنے خالق حقیقی اور حسن مطلق کو پانے کے لیے بے تاب اور بے چین کر دیتی ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جو حقیقی مومن کی زندگی کی شہادت ہے۔

میں نے اس کتاب کی وساطت سے پروفیسر احمد رفیق اختر کے خیالات عالیہ کو آپ تک پہنچانے کی دیانتدارانہ کوشش کی ہے لیکن اگر اس پورے عمل میں کہیں بھی کوئی کجی، کمی اور نقص رہ گیا ہو تو میں اس کے لیے سراپا معذرت ہوں۔

اب میں آخر میں اپنے دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے قدم قدم پر اپنے بے پایاں خلوص اور تعاون سے سرفراز کیا اور میں اس کتاب کی تالیف اور ترتیب کے مشکل مرحلوں سے بامراد گزرا ہوں۔ میرے ان دوستوں میں محمد آصف اور ظہیر عباس سرفہرست ہیں۔ رب جلیل اپنے حبیبؐ کے صدقے میں ان کو اجر جزیل عطا فرمائے اور میری اس مسعات کو لمحوں کی توقیر بھری جھولی میں معتبر اور مقبول فرمائے۔ (آمین)

مؤلف
پروفیسر سید نسیم نقی جعفری
شعبہ اردو
سرور شہید (نشان حیدر) گورنمنٹ کالج گوجر خان

نظریۂ رحمتِ پروردگار

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا○

(الاسراء آیت ۸۰)

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس دعا سے پرہیز دے جو قبول نہ ہو، اس نفس سے پرہیز دے جو کبھی سیر نہ ہو، اس دل سے پرہیز دے جس میں خشیتِ الٰہی نہ ہو، اس خیال سے جس میں محبتِ الٰہی نہ ہو اور اس علم سے یقیناً پرہیز دے جس میں نہ اس کے اپنے لیے نفع ہو نہ کسی دوسرے کے لیے نفع ہو۔

خواتین و حضرات! رحمتِ پروردگار کا موضوع اس لحاظ سے انوکھا ہے کہ جستہ جستہ، جملہ جملہ، اشارۃً کنایۃً یہ موضوع زندگی، علم، ادب، خیال اور عمل میں متعدد بار اس کا ذکر ہوتا رہا ہے مگر اس کی نوعیت کیا ہے اور رحمت کا مطلب کیا ہوسکتا ہے؟ اس کا حقیقی اور وسیع تر پس منظر کیا ہے، اس پر کم ہی توجہ دی گئی ہے۔ رحمت کا مطلب صرف مہربان ہونا ہے۔ رحمت ایک نظام ہے، ایک شعبہ ہے اور اس پر دو اسمائے الٰہیہ رحمٰن اور رحیم کی حکومت ہے۔ رحمٰن و رحیم کی اہمیت کیا ہے؟ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسمِ اعظم کو سورۂ بقرہ اور سورۂ طٰہٰ میں تلاش کرو۔ غور کیجیے ان دونوں سورتوں میں صرف دو بڑے اسماء پائے جاتے ہیں۔

”والٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمن الرحیم“ (البقرۃ: آیت ۱۵۹)

خواتین و حضرات! سورۂ طٰہٰ میں صرف ایک ہی اسمِ اعظم پایا جاتا ہے۔ ”و عنت الوجوہ للحی القیوم“ (طٰہٰ: آیت ۱۱۱) پروردگارِ عالم فرماتے ہیں کہ اسمِ رحمٰن و رحیم کے تحت میں نے کائنات کی تخلیق شروع کی ہے۔ جب زمین و آسمان میں کوئی شے بھی نہ تھی اور زمین و آسمان کچھ بھی نہ تھے، جب صرف اللہ کی ذاتِ گرامی موجود تھی، دیکھنا یہ ہے کہ جو تصورِ تخلیق ہوا وہ تصورِ انسان ہے یا تصورِ کائنات، تو اس آیت سے وضاحت ہوتی ہے کہ کائنات پہلے بنائی گئی، زمین و آسمان پہلے تخلیق کیے گئے، بادلوں اور ہواؤں کو پہلے مسخر کیا گیا، مگر کس لیے؟ تاکہ اہلِ عقل آیاتِ الٰہی کے ذریعے سوچیں، سمجھیں، اور تصورِ خدا کی طرف مائل ہوں۔ اللہ اور بندے کے درمیان رحمت کے رشتے کے تصور کو جاننے کے لیے اپنے سے پست تر مخلوق کو لیجیے، جانوروں کے اندازِ زندگی کو دیکھیے۔ کیا ہم ان کی نامعقول حرکتوں کو برداشت نہیں کرتے؟ کیا ہم جانوروں کی غلط حرکتوں پر انہیں سزا دیتے ہیں یا قتل کرتے ہیں؟ کبھی نہیں۔ ایک بنیادی اصول یاد رکھیے کہ عالم، کبھی کم علم

کو سزا نہیں دیتا کیونکہ اس کو حدودِ علمیہ کا ادراک ہوتا ہے جب ایک کم تر ذہن میں ایک بڑی اخلاقی بات سمجھنے کی اہلیت نہ ہوئی جب ایک جانور کو جس کے Brain کی مقدار محدود ہے اور جس کے پاس اخلاقی اقدار سمجھنے کی کوئی قوت و طاقت نہیں ہے تو پھر آپ اس کو کیوں سزا دیں گے؟ اگر دیکھا جائے تو خواتین و حضرات! ہم رب کریم کے نزدیک ویسے ہی ہیں اور یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ ہمیں ہماری کم علمی ہی کی وجہ سے معاف کر دے۔

خواتین و حضرات! حدیثِ قدسی ہے کہ ایک شخص گناہ کرے گا پھر اس پر توبہ اور آہ و زاری کرے گا۔ اللہ کی طرف رجوع کرے گا تو اللہ تعالیٰ جبرائیل سے فرمائیں گے دیکھو اس شخص نے ایک گناہ کیا ہے کیونکہ اس کو علم ہے کہ کوئی بخشنے والا ہے تو جاؤ اس کو کہہ دو کہ میں نے تجھے بخش دیا ہے۔ اس آدمی کو بخش دیا جاتا ہے۔ کچھ عرصے بعد وہ پھر گناہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جبرائیل دیکھو اس شخص نے پھر گناہ کیا ہے کہ اس کو پتا ہے کہ کوئی بخشنے والا ہے تو جا اس کو کہہ دے کہ میں نے اسے بخش دیا ہے۔ جبرائیل اسے پھر بخشش کی خوشخبری سنائیں گے۔ وہ آدمی پھر گناہ کرے گا اور پھر توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کہیں گے اے جبرائیل اس کو تو کامل یقین ہے کہ میں بخشنے والا ہوں تو اس سے کہہ دے کہ تمہارے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کیے۔

خواتین و حضرات! بخشش کا یہ تصور ناقابلِ فہم ہے اور ہمارے ادراک میں نہیں آتا ہے کیونکہ ہم نے ناحق اللہ کا خوف اپنے اوپر طاری کر رکھا ہے حالانکہ وہ اپنے بندوں سے بے انتہا محبت کرتا ہے اور جب اتنی محبت کرنے والی ذاتِ گرامی موجود ہو تو پھر آدمی گناہ کیوں نہ کرے۔ مگر خواتین و حضرات! اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تعلیم و تربیت کے کچھ اور ہی ڈھنگ ہیں۔ فرض کرو اگر اس کو منظور ہے کہ آپ کے ہاتھ گناہ نہ کریں اور اس نے آپ کو بخشش بھی عطا کر دی ہو تو دیکھنا کہ کہیں وہ آپ کے ہاتھ ہی نہ لے لے کیونکہ وہ جس کو بخش دے گا اس سے خطا کی Capacity ہی چھین لے گا تا کہ آپ اس وجہ سے بار بار کسی System کی Annoyance کا باعث ہی نہ بنیں۔ یقین جانیے کہ مسلمان پر جتنے بھی مشکل مرحلے آتے ہیں جتنا اس پر آسمان، بیماریوں، بھوک و افلاس اور معیشت کی تنگی کی صورت میں جو جبر و تشدد روا رکھتا ہے اس کی محض ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ پروردگارِ عالم اسے اس کے اسی مزاج میں جس مزاج میں وہ گناہ میں ملوث ہوتا ہے، جس میں وہ خدا کے احکامات کی خلاف ورزی کر رہا ہوتا ہے اسے آگے بڑھنے سے روک دیتا ہے۔

اگر تم ہماری یاد والے ہو اور ایمان والے ہو تو اللہ شکر قبول کرتا ہے ظلم قبول کرتا ہے۔ یہاں ایک بہت بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خواتین و حضرات! اگر اللہ کی رحمت کا مفہوم یہی ہے تو پھر دوزخ کیا ہے؟ اور یہ بے شمار مخلوقات جن کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ 999 دوزخ میں جائیں گے اور یہ یاجوج و ماجوج میں سے ہوں گے اور ایک جنت میں جائے گا۔ اتنی بڑی تعداد کو دوزخ میں ڈالنے سے تصورِ رحمتِ پروردگار مجروح ہوتا نظر آتا ہے۔ ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آخر اتنی کڑی سزائیں بھی تو انسان کے لیے رکھی ہیں مگر خواتین و حضرات! اس میں صرف ایک نکتہ قابلِ غور ہے۔ صرف ایک نکتہ کہ کوئی پناہ مانگنے والا اس اتھارٹی کو تو پہچانے جو اسے پناہ دینے والی ہے۔ کوئی مغفرت مانگنے والا اس اللہ کو جانے تو سہی جو اس کو مغفرت دینے والا ہے۔ جب آپ اس اتھارٹی ہی کو نہیں مانتے، جب آپ اس سے کچھ طلب ہی نہیں کرتے، جب آپ اس کے قریب تر ہونے کی کوشش ہی نہیں کرتے، جب آپ اس کی رحمت کی تلاش اور طلب ہی

نہیں رکھتے اور آپ خود ہی غفار ہیں تو پھر بھلا وہ آپ کو کیونکر معاف کر دے؟ کفار کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ جب یہ جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اے اللہ ہمیں ایک چانس اور دے دے۔

خواتین و حضرات! ایک واقعہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں کھڑے تھے کہ ایک نمازی نے دعا مانگی کہ اے اللہ مجھ پر رحم کر اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحم کر اور ہمارے علاوہ کسی اور پر رحم نہ کر۔ وہ بار بار یہی دعا مانگے جاتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرا اور اس نمازی سے کہا ارے! تو نے اللہ کی بے پایاں رحمت کو کیوں تنگ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں اگر میں رحمت انسانوں کے حوالے کر دیتا تو انہوں نے سوائے اپنے گھر کے کسی اور کو نہیں بانٹنی تھی۔ خدا قرآن میں کہتا ہے کہ انسان بخیل ہے اور آپ کو ایک بات کا پتا ہونا چاہیے کہ رحمٰن، رحیم اور رؤف بخیل نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ مسلمہ بات ہے کہ مغرب کبھی کمزور پر رحم نہیں کرتا ہے۔ وہ اس قسم کے نظریے سے نا آشنا ہے۔ مغربی اقوام کا جتنا بھی تجزیہ کیا جائے، ان کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ کمزور پر رحم نہیں کرتے ہیں۔ اگر آپ ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جائیں، منت سماجت کریں، آقایانِ مغرب سے درخواستیں پیش کریں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں تو اپنے لیے ہی ہم پر رحم کرو تو پھر بھی آپ پر رحم نہیں ہو سکتا۔ یہ صفات بکل مغرب آشکارا ہیں اور آپ تک اب بہت زیادہ پہنچ چکی ہیں۔ اس لیے اللہ کہتا ہے کہ اگر میں اپنا رحمت کا Institution کسی انسان کے حوالے کر دیتا تو یقیناً یہ رحمت بہت محدود ہو جاتی۔ گلی محلے کی نکڑ تک ہی رہ جاتی مگر خواتین و حضرات! میں سوچتا ہوں اس نظریہ رحمت سے کچھ ایسا تاثر تو ضرور ابھرتا ہے کہ کبھی تو اللہ نے چاہا ہوگا کہ میں زمین پر آؤں۔ سوچا ہوگا کہ میرے طرزِ عمل کو انسان دیکھے۔ اپنے ربِ رحیم، ربِ کریم اور ربِ رحمٰن کا غور سے مشاہدہ کرے۔ اور اس کے افعال اور کردار کا جائزہ لے سکے اور وہ اپنے باری المصور کو دیکھے مگر اسے حجاب بھی رکھنا تھا اور سراپا رحمت بھی دکھانا تھا لہٰذا وہ اپنے نمائندوں کو مختلف ادوار میں مختلف حکمتوں سے نواز کر بھیجتا رہا اور آخر کار اپنی صفات کی مکمل شکل میں محمد عربی خاتم النبیین اور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انسان کی فلاح و بہبود کے لیے بھیجا اور فرمایا، اے پیغمبر! تجھ سے لوگ یہ جانیں گے کہ رحمٰن و رحیم کیا ہے۔ تجھ سے لوگ جانیں گے اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو رحمت اللعالمین ہے میں رب العالمین ہوں، مجھے اپنی اس صفت پر زیادہ فخر ہے کہ میں رب العالمین ہوں مگر میری رحمت تیری ذات سے اجاگر ہوئی اور لوگ جانیں گے...... رحمت دو عالم کی مثال دیں گے کہ میرا خیال تھا کہ میں آگ کے ایک گڑھے کے قریب کھڑا ہوں بہت بے چین اور بے قرار ہوں۔ میرے گرد شعلوں کا حصار ہے، میں ان کی تندی و تیزی سے محصور ہوں اور سوچتا ہوں کہ کوئی موقع ملے کہ میں اس آگ میں گر جاؤں پھر ایک دستِ غیب مجھے کمر سے کھینچ لیتا ہے، اپنے ہاتھ جھلساتا ہے اور اپنے آپ کو ملوث کرتا ہے۔ اس کو اپنی جان کی پرواہ ہی نہیں یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میری امت میرے لوگ آگ کے گڑھوں کے گرد جمع ہیں اور اس میں اس طرح گرنے کی کوشش کر رہے ہیں جیسے پروانے شمع پر نثار ہوتے ہیں اور میں ان کو کمر سے کھینچ کھینچ کر پیچھے کر رہا ہوں۔ رحمت عالم کی جزئیات تو بے شمار ہیں۔ چرند، پرند، شجر اور حجر سب اس کی بے پایاں رحمت سے مستفید ہیں مگر میں آج صرف آپ کو اس کی چنداں آفاقی صفات کی طرف اشارہ کروں گا کہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کتنی عظیم اور لازوال سوچ تھی اس ذاتِ محترم کی کہ جو زمان و مکاں کی قید سے آزاد تھی۔ خواتین و حضرات غور کیجیے آپ انسان کو کتنا یاد رکھ سکتے

ہیں، ہم اپنے آبا وَاجداد کی کتنی نسلیں یاد رکھتے ہیں، ہم کتنا عرصہ ان کے لیے دعا و سلام کرتے ہیں، کتنا عرصہ ان کو ثواب پہنچاتے ہیں۔ بہت ہوا تو ایک دادا سے پوتے تک یا ذرا اور آگے بڑھ جائیں تو پڑدادا تک کون ایسا ہے جو اپنے مستقبل اور اپنی ان اولادوں کی فکر کرتا جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئیں، اور جن کو اس کے چہرے کی شناسائی تک حاصل نہیں ہے۔ اس حوالے سے مجھے زندگی میں پہلی بار یہ محسوس ہوا کہ وہ ذات گرامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے جن کی بے پایاں رحمت زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہے۔ ان کی رحمت دیکھیے آج لوگ اگر کہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ اللعالمین وفات پاگئے ہیں اور اب ان سے ہمارا تعلق نہیں ہے، ہم ان سے وہ Advantage نہیں لے سکتے ہیں جو اس زمانے کے لوگوں نے ان سے لیا ہے تو پھر آپ اس حدیث کو دیکھیے کہ فرمایا اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ تو اصحاب بہت پریشان ہوئے اور ڈرے اور فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے کوئی گستاخی ہوئی ہے۔ فرمایا نہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو کیوں آئے ہیں۔ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ مجھے ان لوگوں کا خیال آگیا ہے جو میرے بعد، صدیوں کے بعد آئیں گے، انہوں نے مجھے دیکھا ہوگا نہ میری باتیں سنی ہونگی اور نہ ہی کچھ میرے بارے میں ان کا کوئی گمان ہوگا مگر وہ تمہاری ہی طرح مجھ پر ایمان لائیں گے اور تمہاری ہی طرح مجھ سے انس و محبت رکھیں گے۔ خواتین و حضرات! مجھے کوئی ایسا طریقہ بتادیجیے۔ میں یہاں آپ کو ایک پیغمبر ہی کی مثال دیتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن میں اللہ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں، اے اللہ! جب تک میں جیتا تھا، میں نے ان لوگوں کو دیکھا تھا، میں نے ان لوگوں کو تیری ہی دی ہوئی تعلیم دی تھی۔ اب جب کہ میں زندگی سے گزر گیا ہوں اور اب مجھے پتا بھی نہیں ہے کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے اور کیا کچھ اس تعلیم میں ملا دیا ہے جو میں نے انہیں دی تھی۔ اب تو جانے اور یہ جانیں۔ اب میرا ذمہ نہیں رہا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی بات کیوں نہیں کی ہے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پندرہ سو برس بعد آنے والے گناہ گاروں کے لیے، آپ کے لیے اور میرے لیے رو رہے ہیں۔ اصحاب نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا وہ لوگ ہماری طرح ہوں گے، جواب دیا نہیں ان کی کچھ عادات تمہاری طرح ہوں گی۔ اس طرح زمان و مکان کو سمیٹتی ہوئی رحمت کا یہ تصور کسی اور پیغمبر کی زندگی میں نہیں پایا جاتا ہے یہ تخصص صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ یقیناً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ اہمیت کسی قیمت پر بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی ہے۔ یہی وہ رحمت ہے جس کی مثال دینے کے لیے خداوند کریم نے اللہ کے رسول کو زمین پر بھیجا ہے اور انہی کے توسل سے اللہ کے Behaviour پر ہماری نگاہ جاتی ہے۔ انہی کی وجہ سے ہمیں خدا کی عادات سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ جب طائف کے معرکے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گئے تو ظالموں نے سنگ و خشت سے ان کا استقبال کیا تھا۔ ظلم و ستم کی خونی روایات زندہ کی تھیں۔ پیغمبر خدا کو سرتاپا مجروح کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ان کا خون پونچھتے تھے۔ اس عالم میں جبریل امین حاضر ہوئے اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم ہو تو اس بدتمیز اور نا اہل قوم کو تباہ و برباد کر دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ہرگز نہیں۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹی سی دعا مانگی ہے اور اس دعا کی بڑی خصوصیت اور اہمیت ہے

کیوں کہ یہ دعا خلاصہ نظریہ رحمت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقویٰ کا یہ عالم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا ہوں تب ان لوگوں نے میرے ساتھ ظلم کو روا رکھا ہے تو دعا میں فرمایا، اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے کہ اگر تو مجھ پر اب بھی رحم کی نظر رکھتا ہے تو مجھے اس تمام مصیبت اور ابتلاء کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اگر تو اس مصیبت اور ابتلاء میں میرے ساتھ ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں اور میں ان لوگوں کے لیے ہرگز بددعا نہیں مانگتا۔ کیونکہ کیا پتا کہ ان کی آنے والی نسلوں سے ایسے لوگ اٹھیں جو اللہ کو مانیں اور اس کے رسول کو مانیں تو میں ان کے لیے بددعا نہیں کر سکتا۔

خواتین و حضرات! اس مقام پر مجھے اس بات کا جواب دیجیے کہ جب رب العالمین اور رحمت اللعالمین آپ سے کبھی مایوس نہیں ہوتے تو آپ کیوں ان سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ مجھے کوئی ایسی وجہ بتایئے ایسی Reason دیجیے۔ آپ کون سے اتنے بڑے کمال کے گناہ گار ہیں کہ فتنہ آخر الزمان ہو چکے ہیں آپ کونسا گناہ کرتے ہو مگر آپ ایک گناہ ضرور کرتے ہو اور وہ گناہ آپ کی ساری افسردگی کا باعث ہے۔ اس پہ اللہ تعالیٰ تھوڑے تھوڑے گناہ معاف کرتا آگے چلا آتا ہے۔ تھوڑے تھوڑے یعنی آپ کو اس نے اچانک پوری رحمت کی خبر نہیں سنائی آدم کی خطا معاف کی، زمین پہ بھیجا۔ فرمایا ''انما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ'' (البقرۃ: آیت ۱۷۳) کہ میں نے چار چیزیں حرام مطلق قرار دی ہیں۔ ''فمن الضطر غیر باغ و لا عاد'' (البقرۃ: آیت ۱۷۳) اگر تمہاری جان اضطراب میں چلی جائے تو کوئی حرج نہیں تھوڑا سا اگر تم حرام بھی حلال میں Mix کر لو تو کوئی حرج نہیں فلا اثم علیہ اس لیے کہ میں بخشنے والا ہوں۔ ''ان اللہ غفور الرحیم'' (البقرۃ: آیت ۱۷۳) ہوں میں تمہیں بخش دوں گا۔ میں تمہیں ضرور بخشوں گا۔ اگر تم نے جان کے اضطراب کی وجہ سے کوئی خطا کی ہے تو میں تجھ پر کسی قسم کی سزا وارد نہیں کروں گا۔

خواتین و حضرات! یہ رعایتیں اور آگے چلتی ہیں اور آگے جا کر پروردگار فرماتے ہیں، یہاں اس وقت تھوڑا سا لچ کرتا ہے اور کہتے ہیں کہ دیکھو اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو تو میں تمہارے چھوٹے گناہ ضرور بخش دوں گا۔ اس بخشش کا مطلب ہے کہ چھوٹے موٹے گناہ جو میں نے تمہارے نصیب میں لکھے ہوئے ہیں، وہ تو تم کرو گے لیکن میں تمہیں اس بات کی گارنٹی دیتا ہوں کہ چھوٹے موٹے گناہوں کو میں بالکل mind نہیں کرتا مگر بڑے گناہ سے اجتناب کرنا۔

اب رحمت کا مفہوم اور وسعت پاتا ہے اور اچانک برٹش گورنمنٹ کے Magna Carta جیسا اعلان ہوتا ہے یعنی اس کائنات کی گورنمنٹ کا میگنا کارٹا Announce ہوتا ہے۔ ''قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمة اللہ'' (الزمر: آیت ۵۳) اے میرے پیغمبر! میرے بندوں کو خبر دو اور خبر بھی تو رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے رہے ہیں۔ کیا پتا آپس میں صلاح مشورہ ہوا ہو اللہ نے کہا ہو کہ اے پیغمبر، اے رحمۃ اللعالمین میرے بندوں کو اسراف کی خبر دو جتلایا ہے تھوڑا آدم کے وقت سے تم اسراف کر رہے ہو۔ آدم کے وقت سے ''ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین'' (الاعراف: آیت ۲۳) تمہارا باپ دادا خسارے والا۔ تھوڑا سا طعنہ ضرور دیا۔ اسرفوا علی انفسھم تم نے اپنی جانوں پر اسراف کیا۔ اسراف خواتین و

حضرات، گناہ کی Technical Definition ہے۔ اللہ تعالیٰ گناہ کو Technically اسراف سے نمایاں کرتا ہے۔ اسراف کا مطلب ہے وہ صفات جو جائز مقاصد کے حصول کے لیے ایک مخصوص اور مقررہ حد سے بڑھ جاتی ہیں۔ جب ان کو Overspend کرو گے تو آپ کا پلڑا خالی ہو جائے گا۔ آپ کا Bank Balance خراب ہو جائے گا، آپ کی زندگی محدود اور مختصر رہ جائے گی۔ تو اسرفوا علی انفسہم کا مطلب یہی ہے کہ تم لوگوں نے اپنی صفات کو، اپنی Qualities کو، اپنے کمالات کو بے جا صرف کیا۔ تمہیں کہا گیا تھا کہ ایک ہی نظر ڈالو مگر تم صد نظریں ڈال کر گزر گئے۔ تمہیں کہا تھا بھئی حلال کے تھوڑے سے پیسے کماؤ مگر تم نے زیادہ کا لالچ کیا۔ تم نے جتنا بھی یا اسراف کیا ہے اس کا نقصان مجھے نہیں تمہیں ہوگا۔ جب اسراف کرو گے تو خسارہ ہوگا۔ ابن عباس نے کہا ''لاخیر فی الاسراف'' اسراف میں کوئی خیر نہیں ہے۔ اللہ میاں گارنٹی دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ چاہے تم بہت برے ہو، چاہے تم بہت جاہل ہو، چاہے تم Totally Unscientific ہو لیکن یہ سب سے بڑی غلطی اور جہالت نہ کر بیٹھنا، دیکھو میں تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونا کیونکہ تمہیں پتا ہے کہ میں نے خفیہ نہیں اعلانیہ اصول کتاب میں لکھ دیا ہے کہ "ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا" یعنی بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے۔

یہاں کی رہی نہ بیشی اور نہ صغیرہ رہے نہ کبیرہ رہے۔

اور اللہ کہتا ہے لاتقنطوا من رحمۃ اللہ میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔

خواتین کے لیے اللہ نے رحمت کے Chapters الگ رکھے ہیں اور خواتین کے لیے علیحدہ معاہدہ کیا ہے۔ اس معاملے میں مردوں سے ہٹ کر عورتوں سے بہت مفصل معاہدہ کیا ہے کہ دیکھو اے رسول اگر تیرے پاس مسلمان عورتیں آئیں اچھی عورتیں آئیں۔ وہی امت وہی ہم وہی تم۔ پھر پریشان ہوتے ہیں کہ اے پروردگار اب بھی میں اپنی امت کے کچھ لوگ دوزخ میں دیکھتا ہوں اور تیرا وعدہ، فلمی وعدہ تو نہیں تھا۔ یہ سن کر اللہ فرماتے ہیں کہ اپنی عزت و جلال کی قسم ہم اپنا وعدہ ضرور پورا کریں گے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاؤ اور اب جو باقی لوگ دوزخ میں ہیں ان کو بھی تو نکال کے لے آ۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر جاتے ہیں۔ اب خدا کا قہر و جلال دیکھیے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبتِ امت دیکھیے۔ یہ رحمۃ اللعالمین کے سوا اتنی رحمت کوئی شخص Imagine نہیں کر سکتا۔ ملائکہ سربسجود ہیں۔ خوف سے لرزاں ہیں۔ چیزیں ساکت و صامت ہیں۔ اوپر سے مسلسل آواز آ رہی ہے۔ کون ہے وہ صاحب اقتدار، کون ہے وہ متکبر، میں اللہ ہوں۔ جب اتنے جبر و قہر سے خدا کی آواز آ رہی ہو تو جرأت مجال کس کو ہو، مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں رہ سکتے ہیں اور آپؐ نہیں رہے۔ آپ چوتھی مرتبہ جاتے ہیں کہ اے مالک القدوس اپنا وعدہ یاد کر۔ ہو سکتا ہے اللہ میاں تنگ آ جائے کہ بار بار وعدہ یاد کراتے ہو۔ یوں تو اللہ کے رسول نے نمازوں کے حوالے سے ایسا نہیں کیا تھا جب نمازیں کم ہو کر پانچ رہ گئیں تو حضرت موسیٰؑ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر چلے جائیے۔ فرمایا اب مجھے مزید رعایت کے لیے اللہ کے حضور جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اب پانچ ہی ٹھیک ہیں مگر اس دن نہیں آئے گی جب امت کے لیے رحمت مانگنی ہو گی۔ فرق دیکھیے کہ زندگی میں نماز کے معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خیال آ گیا تھا کہ بار بار جو اللہ سے رعایت مانگنے جاتا ہوں تو یہ ٹھیک نہیں ہے مگر اس رحمتِ عالم کو دیکھیے کہ قیامت میں جب خوف و وحشت کا شدید عالم ہو

کتاب وہ نہیں سمجھ رہے ہیں اور اس وقت تک اللہ کے حضور گستاخ ہوتے رہے، جب تک اللہ یہ نہیں فرماتا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب روز قیامت میں تیری امت کا کوئی شخص نہیں مگر یہ کہ جس کو کتاب نے روک رکھا ہے

خواتین و حضرات! کتاب کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو بظاہر مسلمان ہیں اور جنہوں نے ہمیشہ دین کو ظاہری اعتبار سے سمجھا اور بڑے بڑے دعوے کیے مگر در اصل انہوں نے خدا کو کوئی اہمیت دی ہے اور نہ رسولؐ کی محبت کو ضروری سمجھا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے مذہب کو ایک مذاق سمجھا ہے اور اپنی عقل کو اللہ سے بڑا تصور کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مذہب کو تضحیک کا نشانہ بنایا ہے۔ ہمارے اللہ نے فرمایا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب روز قیامت میں صرف وہی لوگ ہیں جنہیں قرآن نے روک رکھا ہے۔ اب اس روز قیامت میں تیری امت میں سے کوئی شخص نہیں ہے

خواتین و حضرات! دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سارے لوگ جذباتی ہوتے ہیں۔ بہت سارے لوگ خواہ مخواہ ہمارے مخالف ہو جاتے ہیں۔ ہمارے اندر سے چند علما اٹھیں گے۔ تخت زبردست پر بیٹھیں گے۔ چوب منبر ہاتھ میں لیں گے اور لوگوں کو عذاب کے قصے سنانے شروع کریں گے۔ بھلا آج تک آپ نے کسی مولوی صاحب سے پوچھا کہ آپ ہمیں جو اتنی عذاب کی باتیں بتا رہے ہو، آپ کس سے کہہ سکتے ہو کہ آپ جنت میں جاؤ گے۔ کسی کو عذاب سنانا تو بہت آسان ہے لیکن اس کے بارے میں فیصلہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ یہ کام خدا کا ہے۔ دیکھیے کہ قرآن کفار کے بارے میں اترا یا اگر آپ قرآن میں عذاب کی آیات دیکھیں اور قرآن میں رحمت کی آیات دیکھیں تو محسوس ہوتا ہے کہ تمام آیات قرآنی قریش مکہ پر اتریں۔ مگر یہ آج تک وعید، آج سرزنش، مناقشہ و جدال کس کا نظارہ اللہ نے بار بار قرآن میں کیا ہے۔ کبھی آپ نے سوچا کہ مکہ میں کتنے کافر پیدا ہوئے کتنے کافر مرے۔ کتنے لوگ اللہ کے قہر و غضب کا شکار ہوئے۔ اس رب کریم کی شان کی بات یہ ہے کہ جن کو عذاب سنایا اور مسلسل سناتا رہا جن کو زجر و توبیخ کرتا رہا، جن کی تمام مذمت آئی قرآن میں ان میں سے سوائے چار پانچ یا آٹھ لوگوں کے کوئی شخص بھی عذاب والا نہ ہوا۔ تمام اللہ کے بندے ہوئے تمام جنتی ہوئے تمام اللہ کی رحمت سے ہمکنار ہوئے۔

خواتین و حضرات! اس قسم کا خدا ہے جو اتنا ڈرا ڈرا کے بعد میں پھر وہی ایک ہی داستان سناتا ہے کہ صرف ایک کام کرو۔ یہ تمام عذاب کفار کے لیے ہے۔ وہ لوگ جو ایک قادر مطلق کو نہیں پہچانتے۔ خواتین و حضرات! فرض کریں کہ ایک بندہ بڑا نیک ہے۔ بڑے کار خیر کرتا ہے، اس نے ایک مسجد بنائی ہے، اس نے بڑی بڑی خدمات کی ہیں مگر ایک بات مجھے سمجھ نہیں آتی کہ روز حساب پروردگار کی محکمہ عدل میں جب موصوف ہوتیں دنیا کے دور سے رخصت ہو رہے ہوں گے اور مالک پرسش احوال کے لیے آئیں گے کہ لاؤ تمہارے پاس کیا ہے یا مانگتے ہو۔ کوئی کوائف ہیں کوئی Claim ہے۔ لاؤ کتنے لائیں گے کوئی 125 [illegible] تمام تبلیغ۔ یہ یاقت ہے۔ مالک بے چارے کیا کریں۔ جتنی ان سے مانگتے ہو جاؤ ان کے پاس جاؤ ان کے پاس۔ تو یہ وہ فیصلہ کن لمحہ ہے، جس میں رحمت کسی ایسے شخص کو نہیں جا سکتی۔ جو ایسے کو جو خدا کو رحمت کا نام مانتے ہی انکار کرے۔ آپ کو عقل و معرفت اس لیے دی گئی کہ اس رحمٰن و رحیم کو پہچانو۔ اگر آپ جینے کے مرحلے سے گزر رہے ہو تو تم اس کی شناخت تو تمہیں اس ذات پاک سے ہو جس سے آپ طلب کرنے جا رہے ہو۔ اسی لیے پروردگار نے فرمایا کہ نبی عبادی انی انا الغفور الرحیم (الحجر: آیت ۴۹) کہ میرے

بندوں کو کرامت عطا ہو اور پریشان نہ ہو کہ خطا و نسیان عمومی ہیں اور میں تمہیں ہر حال میں بخشنے والا ہوں مگر اگر تم مجھے جانتے ہی نہیں ہو اگر تم مجھے پہچانتے ہی نہیں ہو اگر تم راہ ہی نہیں ہے تو پھر یقین کرو کہ "وان عذابی ھو العذاب الالیم" (الحجر آیت ۵۰) اور ہمارا عالم کو اس کی رحمت عام تھا۔ سید رحمۃ للعالمین تھا۔ ہم از کم ہم اس Institution کے حصول قدر کے بڑے حریص ہیں۔ میں اور آپ اس Institution کے فضائل کے بڑے حریص ہیں۔ ہماری طرف سے ایک درخواست ہے آج کے دن کہ خداوند کریم آپ ہی رحمٰن اور رحیم ہیں۔ آپ ہی رب کریم ہیں ھو اللہ ھو یا رحمٰن و رحیم

ہم آپ سے اجتماعی طور پر ایک درخواست کر رہے ہیں کہ اس ملک اور اس کے باشندوں کو کسی کی نظر لگ رہی ہے اس ملک کو جو آپ کے رحم و کرم اور محبتوں سے تخلیق ہوا ہے، اس کو حاسدوں کی بُری نظریں لگی ہوئی ہیں اب اے رحمٰن و رحیم و کریم تو اپنے خصوصی اختیار اور قوت سے ہر اس بندے کا انجام اس ابلیس لعین کی طرح کر جو تیرے اس رحم و کرم کو جو تو نے ہمیں پاکستان کی صورت میں عطا کیا ہے کو نظر بد اور بری نیت سے دیکھے۔ اور اے مالک کریم ہمیں اپنی زندگی کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے میں مدد دے۔ ہمیں تعلیم دے، تربیت دے اور ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ رحمت کے وقت "ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب O" (آل عمران آیت ۸)

یا وہاب تو نے ہمیں جو رحمت بخشی ہمیں جو شناخت بخشی اور ہمیں جو عزت کا خاص بخشا اس کے صدقے میرے بھائیوں اور میرے دوستوں کی مخلصانہ درخواست یہ ہے کہ آج ہم سب بار بار اور رو رو کر اپنی خصوصی رحمت کا نزول فرما۔ اگر تجھے ناپسند ہیں تو ہم تیرے در سے لیں گے تجھے بخشنے کا وعدہ توقع دیں گے۔

میرے مالک اے کریم و رحیم، ہمارے ان گناہوں کی سزا میں تم نے ہمارا یہ ملک نہ چھین لینا۔ جو تم نے پہلے سے ہم پر رحمت نوازش کی ہے، اس کو نقصان نہ پہنچے اور اے اللہ اس کے حاسدوں کو انجام تک پہنچا۔ اس کے دشمنوں کو نیست و نابود کر۔ اے بادلوں کے برسانے والے، اے لشکروں کو بھگانے والے، اے کتاب کے نازل کرنے والے ہمارے دشمنوں کو ہمارے چہرے سے دور فرما اور ہمیں ان کے اس غلبے سے نجات دے۔ اپنی رحمت سے ہمارے دلوں کو تقویت دے، ہمارے ایمانوں کو سادہ اخلاص عطا فرما تا کہ ہم تیرے فضل و کرم سے اس قابل ہو جائیں کہ تیرے دشمنوں کے ہر حملے کا جواب لمبا ہاتھ کر کے دے سکیں، ہم ان کی ہر زیادتی اور ظلم کا حساب چکا دیں گے، کیونکہ اللہ نے ہمیں بدلہ بدلہ لینے کی اجازت دے رکھی ہے مجھے پورا یقین ہے کہ پاکستان کے عوام کے علاوہ اللہ کی محبت و رحمت کی یہ تلاش دوسری اور ملک کے عوام میں موجود نہیں ہے۔ اللہ کو ماننے والے بہت ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنے والے بہت کم ہیں جو صرف رسالت دل سے محبوب کی طرح اور خلوص سے چاہنا پاکستان کے لوگوں کی میراث ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے۔ اے اللہ ہمیں بخش دے۔

"رب اغفر وارحم وانت خیر الرحمین" (المومنون آیت ۱۱۸)

وما علینا الا البلاغ

سوالات وجوابات

دین کا عرفان عطا ہے یا کوشش؟

سوال: اللہ جسے چاہتا ہے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے تو پھر مسلمان کا کیا کمال ہے اور اس میں کافر کا حساب کیوں ہوگا؟

جواب: خواتین و حضرات بنیادی سوال یہ ہے کہ اللہ جیسا چاہتا ہے ویسا کرتا ہے مگر وہ اللہ ایسا نہیں چاہتا۔ اللہ بتاتا ہے کہ اس کے اختیارات کیا ہیں اور وہ کیا نہیں کرتا۔ اللہ کہتا ہے کہ بندوں پر میرا مکمل کنٹرول ہے۔ ان کی موت وحیات پر میرا مکمل کنٹرول ہے۔ ان کے کردار و افعال پر میرا مکمل کنٹرول ہے۔ اگر تمہارا رب چاہتا تو زمین و آسمان میں کوئی اس کا انکار کرنے والا نہ ہوتا لیکن ہم نے ایسا نہیں چاہا۔ ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ ہم لوگوں کو امتوں اور قوموں میں بانٹ دیں۔ ہم نے خیال کیا کہ ہم لوگوں کو اختیار دیں گے۔ ہم اگر ایسا نہ کرتے تو یہ بات محدود ہوتی۔ قرآن کی بعض آیات Inherent Power Of God کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور اس کے اختیار کی طرف نہیں کرتیں اور یہی بات تو یہی ہے کہ Inherent Power میں خدا کی کسی قسم کی بھی کمزوری یا اشارہ یا شہادت کا قطعی کوئی احتمال تک نہیں۔ اس لیے ان باتوں میں کہ آپ کہو گے کہ ایسے ہم کہیں گے۔ ہاں ایسی ہی بات ہے جس طرح جب آپ Practical Attitude اور جہاں جہاں Relaxation Create کرتا ہے تو آپ کو سمجھنا پڑے گا کہ Inherrent Power میں اور Power Excercise میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

کیا کبھی مذہب بھی حاوی رہا؟

سوال: مذہب اور سائنس کے تقابل سے یوں لگتا ہے کہ سائنس آج کی دنیا میں حاوی ہے۔ آپ کے خیال میں کیا کسی زمانے میں مذہب حاوی رہا ہوگا؟

جواب: خواتین وحضرات! مذہب تو ہمیشہ حاوی رہا ہے۔ چہ آپ ایک اور دیکھیے جس سے مذہب کا حاوی ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اسی سے ظاہر ہوگا کتنے مذہبی ہیں جو سائنسدان ہیں بہت کم۔ مگر کتنے سائنسدان ہیں جو مذہبی ہیں بہت زیادہ تو مذہب ہی حاوی ہوا۔ اصولاً جیسے مذہب کی Dominance کی نوعیت اور ہے اور سائنس بھی حاوی نہیں ہوئی۔ صرف یہ ہوا کہ سائنس Intoxicate ہوئی۔ سائنس کا قانون یہ نہیں تھا کہ وہ اپنے نشے میں مست ہو جائے۔ سائنس کو معروضی ہونا چاہیے تھا۔ Objective ہونا چاہیے تھا۔ حقائق مل جانے کے بعد اس کو غافل ہو جانا چاہیے تھا کہ اسے اپنے لیے کیا چاہیے اور کیا نہیں چاہیے۔ مگر بدقسمتی سے سائنس نے بزعم خود یہ اعلان کر دیا ہے کہ سائنس سب سے بڑی سچائی ہے۔ چنانچہ اگر آپ کوپرنیکس اور گلیلیو سے لے کر ہابل تک چلے آئیں تو آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ مذہب کا

بنیادی شعور بالکل نہیں بدلا طریقہ ہائے سائنس بدلتی چلی آئی ہیں۔ مذہب نے اگر کہا کہ خدا ایک ہے تو آج تک یہی کہہ رہا ہے کہ خدا ایک ہے طریقہ سائنس نے کہا کہ زمین ساکت ہے تو کوپرنیکس نے کہا نہیں سورج ساکت ہے گلیلو نے یہ کہا اور دوسرے نے وہ کہا حتیٰ کہ یہ طریقہ ایک فرق ضرور پڑا کہ سائنس کا تواتر جاری رہا اور اس میں آنے والوں نے پچھلے لوگوں کی تذلیل نہیں کی۔ آج کا وائٹکس اور پاکٹز لیبٹو کی اتنی ہی عزت کرتا ہے جتنی وہ اپنی کرتا ہے مگر مذہب کا پچھلا آنے والے کے آتے ختم ہو گئے اور اس کی ذمہ داری قوم یہود پر ہے کہ اتنی بد باطن اور بد اخلاق جاہل قوم بھی لوگ نہیں سمجھتے ہیں یہ بالکل غلط بات ہے۔ اتنی کم فہم کم عقل اور کم ذوق قوم نہیں دیکھی کہ جنہوں نے خدا کے کائنات کو اپنے اتنے بڑے ظرف کو محدود کیا اسے گروہی کر دیا اسے اپنا بنا لیا اور دوسرے لوگوں کا خدا ماننے سے انکار کر دیا اس لیے انہوں نے عیسائیت سے انکار کر دیا۔ اس لیے انہوں نے اسلام سے انکار کر دیا اگر تواتر سے ماننے کا عمل مذہب میں بھی جاری رہتا سائنس کی طرح ان کو بھی تسلیم کیا جاتا تو یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آج دنیا کے علم مختلف ہوتی۔ آج مذہب کو صرف Dominance نصیب ہوتی بلکہ مذہب پوری کائنات کو احاطہ کر رہا ہوتا اور پوری نسل انسانی کو اپنا شامل کیا ہوتا بد قسمتی سے قوم یہود کی اس تقسیم نے اسلام تک آتے آتے طرح طرح کے جھگڑے پیدا کر دیے اختلافات کی صورت یہاں تک پہنچی کہ اب مذہبوں میں مفاہمت کی کوئی صورت باقی نہ رہی سوائے اس کے کہ آپ امید کریں کہ یہ تمام جاہل آج بھی اسلام کو تسلیم کریں گے خدا کے واحد کا مذہب سمجھیں گے کائنات کا مذہب سمجھیں گے۔ آفاق کا مذہب سمجھیں گے۔

خدا کی عطا کا حقیقی مفہوم!

سوال: کیا اخلاص ہماری اپنی خوبی ہوتا ہے یا خدا عطا کرتا ہے اگر اپنی خوبی ہوتا ہے تو مجھے کیا اس پر فخر کرنا چاہیے۔ اگر خدا عطا کرتا ہے تو سب کو کیوں نہیں نوازتا؟

جواب: مولانا صاحب عطا تو دراصل اللہ ہی کی ہوتی ہے اور وہ کچھ دیکھ کر عطا کرتا ہے جیسے رسالت اس کی سب سے بڑی عطا ہے اس کے بارے میں کہا کہ اللہ کو اچھی طرح پتا ہے کہ رسالت کے اس اعلیٰ منصب پر کس کو فائز کرنا ہے، کس کے اندر صلاحیتیں ہیں۔ بحث میں ہم پڑیں کہ وہ صلاحیتیں بھی تو اللہ کی دی ہوئی ہیں۔ ٹھیک ہے اپنی جگہ پر وہ بات لیکن جیسے میں صلاحیتوں کو دیکھ کر اور رجحان کو دیکھ کر کہ میں وہ چاہتا بھی ہوں کہ نہیں جیسے پروفیسر صاحب رحمت کے بارے میں فرما رہے تھے کہ رحمت میں چاہتا بھی ہوں یا کہ نہیں۔ نوح علیہ السلام پر جب انتہا ہو گئی ان کی قوم نے بہت سی باتیں کیں کہ تجھے ہی یہ رحمت ملنی تھی یہ رحمت تو اللہ نے ان کی طرف جواب دیا کہ تم میری رحمت کو پسند نہیں کرتے میری رحمت چاہتے نہیں ہو تو مجھے کیا ضرورت پڑی کہ میں زبردستی تم پر اپنی رحمت مسلط کروں۔ میں نہیں کروں گا۔ پہلے تم چاہو اس کے لیے تمہارے اندر کچھ صلاحیتیں ہوں پھر تمہیں ملے گا۔

انسان کی کریٹیو یا ڈیول سیلف کیا ہے؟

سوال: انسان کی کریٹیو یا ڈیول سیلف سے آپ کی کیا مراد ہے؟

جواب   سیلف کی جبلتوں کا بڑا پیچیدہ سلسلہ ہے جس میں بہر صورت دو پارٹیاں بن جاتی ہیں۔ ایک سیلف تو حیوانی خصلتوں پر قائم ہے۔ Barbaric ہے Animalist ہے اور اپنی خصلت چھوڑنے میں کبھی بھی راضی نہیں ہوتا دوسرا جو اس کا Counter ہے، وہ ایک حساس سیلف ہوتا ہے جو کہ تحقیق کی جستجو، نئے علم کے لیے ہر حال میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور ہوتا تو وہ سیلف ہی ہے ابتدا ہی سے اس کی اپنے حیوانی سیلف سے اس لیے جنگ چھڑ جاتی ہے کہ وہ حیوانی سیلف سے زیادہ شفیق و بالغ ہے۔ وہ اس حیوانی سیلف کو اپنے رستے کی رکاوٹ سمجھتا ہے۔ مگر جو لوگ سیلف سے مکمل نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان کا اصول ہی کچھ اور ہے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ بنیادی طور پر سیلف کی کوئی صورت بھی اللہ کو قبول نہیں کیوں کہ جو اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس نے ہر حال میں اپنے سیلف کی اپنے نفس کی مخالفت کی۔ ہوا کی مخالفت کی۔ اشتہائے زائد کی خواہش کی۔ تو خداوند کریم کے لیے اگر کوئی شخص جد و جہد کرے تو اس کے ان دونوں Selves کے بیچ میں ایک تیسرا نگران سیلف جو ان دونوں کی پروا نہیں کرتا جو اپنی خوبیوں کی بھی پروا نہیں کرتا اپنی خرابیوں کی بھی پروا نہیں کرتا مگر صرف رضائے الٰہیہ کے لیے دونوں کی سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کرتا رہتا ہے اور میری مراد اس تیسرے سیلف سے ہے جو بہت معزز، اعلیٰ اور محترم ہے۔

دور جدید میں ثقافت اسلامیہ کی تشکیل نو

غالب کا شعر ہے کہ

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

تو مجھے لگتا ہے کہ دلی اور لاہور کے قبرستانوں میں جو صورتیں زمانہ قدیم میں پنہاں ہو گئی تھیں، وہ ہری پور کی سنگلاخ سرزمین میں ان نوجوانوں کی صورت میں دوبارہ اُگ آئی ہیں جو تشنگی، ادب، علم، روایتیں اور جو تحقیق کا شوق یہ جاتی پیش کر رہا ہے۔ آپ یقین جانیے اس سرزمین میں داخل ہوتے ہوتے تشکیک سے دل لرزتا ہے۔ ان نوجوانوں کے تجسس کو دیکھتے ہوئے اور ان کے شوقِ معلومات کو دیکھتے ہوئے ایک نئے کلچر کا شائبہ سا ذہن میں ابھرتا ہے کہ جہاں بھی Rigidity بڑھتی ہے، جہاں بھی علم میں تنگی اور رویوں میں تشدد پیدا ہوتا ہے، جہاں بھی ایسے سسٹم کی صورت ہوتی ہے یا یہ کہ آپ فکر کو تالا لگاتا ہے، جو Question اور سوال سے گریز کرتے ہیں وہاں ضرور ایک باغیانہ روش پیدا ہوتی ہے جو بالآخر کلچر کی بنیاد ہے۔

کلچر اور آپ اسے Define کریں تو ذہن کا ارتقاء ہے۔ کلچر ہر اس جرأت کو کہیں گے، ہر اس خیال کو کہیں گے، ہر اس ندرتِ بیان کو کہیں گے کہ جو اپنے پیٹرن سے جدا ہو کر اپنا ایک علیحدہ تشخص وجود قائم کرتا ہے اور اپنے لیے... طلب کرتا ہے۔ کلچر کبھی بھی اپنی آغوشِ مادر میں نہیں پنپتا اور کلچر کی آغوشِ مادر تہذیب کو کہتے ہیں۔ Civilization کلچر کو اس بڑھتے ہوئے بچے کی طرح تربیت کرتی ہے جس کی جرأتوں سے اس کا امن خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اسی لیے ہر تہذیب میں جب کسی ثقافتی پہلو سے کوئی جدت آتی ہے تو اس کا اس لیے برا منایا جاتا ہے کہ وہ بظاہر ایک مستحکم قائم شدہ روایت کی تکنیکی مخالفت ہو رہی ہوتی ہے اور اگر آپ کو یاد ہو تو مذہب میں آپ نے دیکھا کہ علماء خاص طور مذاہب سے یہ بات کہی ہوئی کہ "کل بدعة ضلالة" (مسند احمد، دارمی، ابن ماجہ) کہ "تمام بدعت ضلالت ہے۔ تمام بدعت گمراہی ہے۔" اگرچہ بعد میں مذہبی مفکرین نے بدعت سیئہ اور حسنہ کو جدا جدا کیا مگر آپ غور کیجیے تو بدعت اور کلچر ہم معنی ہیں۔ کسی بھی معاشرے میں کلچر ہی بدعت ہے اور بدعت ہی کلچر ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کلچر کے آفاق کن چیزوں سے متعین ہوتے ہیں۔ کلچر کیا ایک ذاتی کیفیت ہے یا کسی گروہ کے ماحول میں ایک انقلاب آفرین جرأت ہے یا کسی Individual کی شہرت کی طلب ہے یا کسی گروپ کی Projection اور پاور کی Lust ہے یا دفعتاً کسی تہذیب کو آگے بڑھانے کے لیے کسی مفکر کا ایسا خیال ہے جو اس معاشرے کے ذہنی، خلاقی اور قدری معیار کو بلند کرتا ہے۔

خواتین و حضرات! پچھلے کئی برسوں سے دیکھنے میں آیا ہے کہ مسلمان تمام سرزمینِ اسلام پر اپنا کلچر کھو چکا ہے۔ وہ اس ذہنی تصادم کے لیے تیار نہیں ہے اس ذہنی جد و جہد اور گفتگو کے لیے تیار نہیں ہے۔ وہ اس Dialectical بحث کے لیے تیار نہیں ہے جو کسی بھی کلچرل Aspect کا ایک خاصہ ہوتا ہے۔ جب اسلام آیا تو وہ بت پرستی کی تہذیب میں ایک Cultural Revolution بھی تھا اور اس کی شدید ترین مخالفت اس وقت کی Prevalent مقتدر اور متعین Civilization نے کی مگر ہر کلچر کے پاس ایک دلیل ہوتی ہے اور اسلام کے پاس انتہائی مضبوط دلیل تھی اور سب سے بڑی مضبوط دلیل جو اسلام کے پاس تھی کہ یہ لوگ اہل عقل نہیں ہیں۔ "ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون" (الانفال ۸ - ۲۲) اور قرآن میں ان آیات کا تواتر دیکھیں جو اس نئی Religious کلچر کی بنیاد تھا تو خداوند خدا جل و علا بار بار پروردگار عالم ایک چیز کی افادیت اس معاشرے میں اجاگر کر رہا تھا اور بار بار اسی بات پر غور کرنے کی دعوت دے رہا تھا کہ میں نے اے انسان تجھے جو نعمت عقل بخشی ہے اسے روایت اور تقلید میں ضائع نہ کر تو بار بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے کافر کو کہا جا رہا ہے کہ اگر تم اپنے آبا و اجداد کی تقلید نہ کرتے ہوتے اور تم اپنے غور و فکر کے معیار استعمال کرتے تو یقیناً تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ جاتے۔

خواتین و حضرات! اسلام کے کلچر سے ایک بہت بڑا اصول واضح ہوتا ہے جو ابتدائے اسلام ہی سے اسلام کے کلچر میں رکھا گیا ہے اور وہ اصول یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو تحقیق و تجسس کا شائق ہے، ہر وہ شخص جو مطالعہ النفس و آفاق کا شائق ہے، جب وہ تدبر و تفکر کرے گا، جب وہ تجسس کرے گا، جب وہ تحقیق کے رستوں کو اجاگر کرے گا تو اس کی تگ و دو کا انجام صرف ایک ہے اور وہ شناختِ ذات اور شناختِ خداوند ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی تمام عبادت کے باوجود اپنی محنت، مشقت اور تحقیق کے باوجود اگر خدا تک نہیں پہنچ رہا تو اس کو پلٹ کے دیکھنا ہوگا کہ اس کی تحقیق کہاں ناقص ہو گئی، اس کا تجسس کہاں کم تر پڑ گیا، کہاں اس کے ذاتی اور Selfish Concepts میں اس نے اس کی Wider اور اعلیٰ ترین آفاقی تحقیق میں کہاں خلل اندازی کر کے اس کو منزل تک پہنچنے نہیں دیا۔ اسلامی کلچر کی بنیاد ایک متعین حد میں رہتے ہوئے ایک ایسے تجسس کو فروغ دیتا ہے، ایک ایسی تحقیق و تجسس کو فروغ دیتا ہے جس کا انجام صرف اور صرف اللہ کی شناخت ہے۔

خواتین و حضرات! آپ کسی بھی کمپیوٹر سے ایک سوال پوچھیں کہ علم کا مقصد کیا ہے تو آپ کو تمام سوالات ایک جواب کی طرف جاتے ہوئے ملیں گے کہ تمام علمی تحقیق کا مقصد ذات کی شناخت ہے۔ سوائے اسلام کے کہ جس میں انسانی علمی تجسس اور تحقیق، شناختِ ذات سے آگے بڑھ کر شناختِ خداوند کو جاتی ہے اور تمام معاشروں میں جتنی ترقی پذیر سوسائٹیز ہوتی ہیں اور جتنے ترقی پذیر معاشرے تصور ہوتے ہیں، وہ اپنی اپنی منازل کے تعین سے فروغ پاتے ہیں۔ اگر کسی معاشرے میں سائنس کی حاجت ترقی کا خیال ہو تو تمام معاملات فوراً سائنس کی طرف جاتے ہوئے ملیں گے۔ اگر کسی معاشرے میں مال و دولت ہی مطمح نظر ہو تو اس معاشرے کا کلچر مال و دولت کی حرص اور آز کی طرف لپکتا ہوا ملے گا۔ سوائے اسلامی معاشرے کے جو اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول کو تعلیمی منزل بناتا ہے۔ اور اللہ کی طرف بڑھتا ہوا پایا اسلامی معاشرہ و کلچر کی اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ جہاں جہاں بھی مسلمان اپنا معاشرہ اور کلچر لے کر گیا ہے وہاں ایک نمایاں تبدیلی واقع پذیر ہوئی ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ اگر وہ مالدیپ میں اترا ہے تو وہاں اس نے آثار چھوڑے ہیں، اگر مالابار کے

ساحلوں پہ اترا ہے تو وہاں اس نے آثار چھوڑے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک روپ اور ایک خیال انڈونیشیا میں اترا ہے تو دیکھتے ہی دیکھتے سارا انڈونیشیا مسلمان ہو گیا ہے۔ حیرت کی بات لگتی ہے کہ مسلمان اپنے ساتھ کیا چیز لے کے نکلا تھا۔ یا دلیل لے کے نکلا تھا۔ کیا خیال لے کے نکلا تھا کہ وہ جس جس معاشرے کو آگے بڑھا ہے، ایک انقلاب برپا کر دیا ہے آپ مصر کی مثال لیں۔ وہاں جو معاشرہ قائم تھا ایک مہذب اور مضبوط معاشرہ تھا۔ اس کا مضبوط کلچر تھا۔ اس کے رسم و رواج پائیدار تھے مگر جب مسلمان مصر میں پہنچتا ہے تو اتنا مضبوط کلچر لے کے جاتا ہے، اتنا مضبوط نقطہ نظر لے کے جاتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد اور Convincing Power اتنی زیادہ ہے کہ تمام کا تمام ملک مسلمان ہو جاتا ہے یا اسلام قبول کر لیتا ہے

خواتین و حضرات! آج کے دور میں جب ہم ایک شخص کو تبلیغ یا خدا کے دین کے لیے کام کرتا دیکھتے ہیں تو ہمیں اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ وہ تین Basic اصول جو قرآن نے تبلیغ کے بتائے ہیں، کیا وہ ان کی اہلیت کو پورا کرتا ہے یا نہیں

The Culture of Islam depends on the way you present your culture.

اسلامی ثقافت کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ ایک وحی الٰہی اور دوسری اس کے Mystic Experience پر ہے۔ کیا وہ وحی الٰہی کی Presentation کے لیے اپنے زمانے کے مطابق اس کی Proper Advertising کرتا ہے یا نہیں؟ آپ یہ دیکھنے کا کام ہے کہ یہ کس زمانہ میں ہم رہ رہے ہیں یہاں ذرائع ابلاغ میں سب سے زیادہ موثر ذریعہ ابلاغ سمجھا جاتا ہے جو کسی بھی پراڈکٹ کی بہترین انداز میں تشہیر کرتا ہے۔ اگر آپ اپنی Choices کو دیکھیں، اپنی کلچرل Choices کو دیکھیں، اپنی زندگی کے ان معاملات کو جہاں آپ ایک بلیڈ کا انتخاب کر رہے ہیں، جہاں آپ چاولوں کے رنگ کا انتخاب کر رہے ہیں، جہاں آپ رومی اور الکرم میں انتخاب کر رہے ہیں تو آپ کو محسوس ہوتا کہ Invertedly ان کلچرل Choices کے پیچھے Advertisement ہے، اشتہار ہو رہا ہے۔ جب یہی جنگ اعلیٰ ترین خیالات کو جاتی ہے تو آپ کا واسطہ ایک طرف پورے سیکولر کلچر اور دوسری طرف Religious Approches سے پڑتا ہے مگر میں آپ کو معذرت کے ساتھ یہ کہہ رہا ہوں کہ جہاں بھی ہمارے اس Present religious culture کا مقابلہ ایک Open western کلچرل سے پڑتا ہے تو مذہبی کلچر ہمیشہ شکست کھا جاتا ہے۔ یہ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مذہب کے پاس... Openness کشادگی اور دلائل نہیں ہیں جو سیکولر کلچر اپنی سپورٹ میں پیش کرتے ہیں۔ ساری ثقافت سیکولر میں اتنی کشش ہوتی ہے اور وہ اتنی Advertisement کے نئے Methods اور Means رکھتا ہے کہ عام شخص کو وہ بہت Please کرتی ہے اور جب وہ اپنے مذہبی کلچر کو دیکھتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ مذہبی اجارہ دار اس کے تجسس کو مار کر اسے ایک ہی پیٹرن اپنانے کے لیے Insist کرتے ہیں۔ جب ان سے کسی افادیت کے اصول پر Discussion کرنے کو کہا جائے تو اس کے جواب میں آپ کو ایک ایسا منکر مذہب سمجھا جاتا ہے جس پر ضرور کوئی نہ کوئی فتویٰ صادر ہو جاتا ہے۔

خواتین و حضرات! ہمیں یہ سوچنا پڑے گا کہ کیا وہ مذہب جو اس کلچر کی بنیاد تھا اور جس نے بارہ سو برس تک

جدت خیال اور ندرت الفاظ بخشی ہے، جس نے ہمیں ابن سینا اور رازی بخشے ہیں، جس نے ہمیں ابن ہیثم بخشا ہے، جس نے یوسف الخوارزمی بخشا ہے، جس نے اشاعرہ جیسے مفکر بخشے ہیں، جس نے جنید بغدادی، عبدالقادر جیلانی اور علی بن عثمان بخشا ہے۔ لیکن یہ جو ہو رہا ہے وہ فکری اعتبار سے اس قدر مفلوج اور ذہنی طور پر اپاہج ہو گیا ہے کہ عصر جدید کے مفکرین کے جواب دینے سے بھی قاصر ہے مگر یہ تو خدا اور اسلام کا اپنا Criterion ہے اور اسلام تو انہی بنیادی خیالات اور افکار کی جنگ جیت کے نکلا ہے۔ اسلام تو شروع ہی جنگ وجدل فکر سے کرتا ہے۔ اس دنیا میں سب سے پہلا مذہب جو دلیل اور منطق دیتا ہوا پایا گیا وہ اسلام ہے۔ اسلام تو اپنا آغاز ہی تقلید اور جہالت کے خلاف کرتا ہے اور غور و فکر کی اہمیت اجاگر کرتا ہے۔ لیہلک من ھلک عن بینۃ وہ تو یہ کہہ رہا ہے۔ لیہلک من ھلک عن بینۃ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور یحییٰ من حی عن بینۃ (الانفال ۸:۴۲) اور جو زندہ ہو وہ دلیل سے زندہ ہو۔ اب مجھے بتائیے کہ اس اللہ کا کیا حق ہے کہ وہ اپنے آپ کو بغیر دلیل کے منوائے۔ جو بار بار آپ کے عقل و شعور کو آواز دیتا ہے، جو آپ کے تجسس کو ہوا دیتا ہے اس اللہ کا کیا حق ہے؟ کہ وہ اپنا آپ بغیر دلیل کے منوائے۔ کیوں آپ کو جرأت سوال نہیں ہوتی؟ اس پر وہاں کے عالم سے پوچھنے لگے کہ جب آپ خود یہ کہتے ہو۔ لیہلک من ھلک عن بینۃ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو۔ ویحییٰ من حی عن بینۃ جو زندہ ہو وہ دلیل سے زندہ ہو تو اے مالک عقل، اے حکیم، اے علیم بتا وہ دلیل کہاں ہے؟ کہ جس سے ہم عصر حاضر کے تشکک سے لڑ سکیں۔ ان اعتراضات عصر حاضر کو Face کر سکیں مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عصر حاضر کے پاس کیا ہے۔ یہاں سے آپ عام یا کوئی دانا بچہ بھیجیں، اداس یا کوئی خوش انسان بھیجیں، عجیب سی بات ہے کہ مغربی دنیا میں جا کر اس کی کایا پلٹ جاتی ہے وہ ایک عام اپنے آپ کو آزاد محسوس کرتا ہے۔ وہ معاشرہ اسے آزادی کا احساس دیتا ہے۔ یہ معاشرہ دانش اور حسن کا احساس پیدا کرتا ہے۔ ایک بار جب میں Housten کی جامع مسجد میں تقریر کرنے کھڑا ہوا تو میرے پاس مسجد کے ایک عالم تشریف رکھتے تھے۔ انہوں نے کہا پروفیسر صاحب یہ آپ کے سامنے جو لوگ بیٹھے ہیں، یہ ایک خاص قسم کی فکر کے حامل ہیں۔ کوشش کیجیے گا ان کو یہ باتیں نہ کہیے گا۔ تو میں نے کہا کہ آپ نے مجھے بات جو کرنی ہے اس لیے بلوایا ہے کہ میں آپ کے Dictated خیالات پیش کروں تو یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ آپ کو ایک چیز کا حق ہے صرف مجھے سننے یا انکار کر دیجیے

And then I said what I wanted to say

میں نے وہی بات کی جو میں نے کہنی تھی۔ لہٰذا وہاں بیٹھے ہوئے تمام لوگ اپنے خیالات کے برعکس میری گفتگو سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ میں امریکہ میں رہتا تو شاید

نذرانہ نہیں سود ہے پیرانِ حرم کا
ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن

والی کیفیت پیدا ہو جاتی اور مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ میں امریکہ سے بہت بڑا مہاجن ہو کے نکلوں گا۔

خواتین و حضرات! میں نے ان سے ایک سوال کیا کہ پورے کا پورا امریکہ Concept of liberty پہ قائم ہے اور Statue of liberty کے زیر سایہ سانس لے رہا ہے۔ آپ مسلمان ہیں اور اتنی دور سے آئے ہوئے

مہمان کو بھی جرأت اظہار نہیں دیتے۔ اپنے گروپ سے ہٹ کر آپ کسی شخص کی بات سننے کے روادار ہیں اور نہ کہنے کے روادار ہیں۔ تمام اہلسنت والجماعت یا دوسرے حضرات جو Inclusive ہیں، کہتے ہیں کہ ہم چاروں اماموں کے قائل ہیں۔ ہم ابوحنیفہ کے قائل ہیں۔ ہم احمد بن حنبل کے قائل ہیں۔ ہم محمد بن ادریس الشافعی کے قائل ہیں۔ ہم امام انس بن مالک کے قائل ہیں مگر آج تک آپ نے کسی حنفی کو کسی حنبلی کا فتویٰ قبول کرتے دیکھا ہے؟ آج تک کسی اہل حنابلہ میں سے کسی شخص کو امام مالک، امام ابوحنیفہ کی تعریف کرتے سنا ہے۔ یہ لوگ ہمارے چار امام ہیں جو آپ لوگوں کے ہیں۔ آپ تو اتنے فلسفہ لوگ ہیں، اتنے قیود و حدود میں ہیں کہ اپنے مسلک سے ایک لمحے کے لیے رجوع کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ آپ اس وقت اور آج کا کلچر دیکھیے تو آپ کو ایک واضح فرق محسوس ہو جائے گا۔

Distance was the cause of division of Aaimma

اور کوئی وجہ نہیں تھی۔ فاصلے اتنے زیادہ تھے کہ کوفہ میں رہنے والا ایک شخص امام ابوحنیفہ کی بات ماننے کے سوا کوئی آپشن نہیں رکھتا تھا۔ اسی طرح مکہ و مدینہ کے کسی شخص کے پاس کسی بات کو جاننے اور سمجھنے کے لیے امام انس بن مالک کے سوا کوئی ہستی نہیں تھی۔ یعنی فاصلے اتنے زیادہ تھے کہ اگر کوئی مسلمان Second Opinion طلب بھی کرتا تو اس کے لیے مکہ یا مدینہ چھوڑ کر دمشق، بصرہ یا کوفہ جانا ناممکن تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جہاں جہاں آئمہ متعین ہوتے وہاں ان کی Finality ہوتی۔ اگر کوئی حنفی ہو گیا تو حنفی، مالکی ہو گیا اور اصولاً ایسا ہی ہونا چاہیے تھا مگر کیا آج یہاں بھی یہی صورت حال ہے؟ اگر آپ غور کریں تو آپ اس دور میں رہ رہے ہیں جو زیادہ Decadent نہیں تو زیادہ ترقی یافتہ بھی نہیں، جس کے ذرائع مواصلات بھی اتنے زیادہ نہیں، جس کے اذہان تو ماشاءاللہ شگفتہ تر و تازہ اور برق رفتار اور عقل مند و بیدار رہتے ہیں مگر جہاں تک ان کے Sources ہیں وہ اتنے کم ہیں کہ وہ اپنی زندگی کی الجھنوں کو اپنی جہتوں سے استوار نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود اگر آپ یہاں بیٹھے ہوئے کسی بھی امام زمانہ کا فتویٰ ڈھونڈنا چاہیں، تو پلک جھپکنے میں آپ کو پہنچ سکتا ہے۔ جب مواصلات اتنی Brisk ہو جائیں کہ اس زمانے کی Inventions، آرٹ اور لٹریچر ہمارے کلچر کا حصہ بن جائے تو آپ اس کلچر سے استفادہ کیے بغیر اپنی Religious Representation نہیں کر سکتے۔ لیکن بہت افسوس کی بات ہے کہ ہمارا تمام Religious طبقہ اسی کلچرل جدیدیت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور تمام جدید ترین Methodology، ذرائع ابلاغ اور ذرائع اظہار استعمال کرتا ہے مگر اپنے نفس مضمون پر کسی تنقید کو گوارا نہیں کرتا۔

خواتین و حضرات! زمانے میں صرف اور صرف وہی مسلک اور نظریہ زندہ رہتا ہے جو زمانے کے تقاضات سے گزر جاتا ہے۔ زمانے سے بہتر کسی نظریے اور کلچر کا کوئی ٹیسٹ نہیں ہے اور اسلام واحد مذہب ہے جو اپنی افادیت کو چودہ سو برس سے اپنی جدیات کے ذریعے بچاتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے اور رب کعبہ کی قسم ہے کہ اسلام کو اپنے دشمنوں کے بجائے اپنے دوستوں سے خطرہ ہے۔ ان لوگوں سے جو اسلام کا صبح و شام نام لیتے ہیں اور جو اسلام کو Represent کرتے ہیں۔ ان کی نمائندگی اس درجہ پست ہے کہ Advertising کی دنیا میں میں نے ہمیشہ ایک افسوس کا اظہار کیا ہے کہ تو اس کائنات میں Best of the product ہے مگر تجھے بدترین Advertiser ملا ہے۔ کیا ہے بدترین Advertisers ہیں جو اللہ کو کسی طور بھی علی بابا کے کانسیپٹ سے آگے بڑھنے نہیں دیتے۔ ان کے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ

مکمل ہے نہ حکمت تمام ہے۔ نہ وہ بلین بلین نوری سال Distances کی Galaxy کا مالک ہے۔ نہ وہ کوانٹم اور Relativity کا خالق ہے۔ لیکن اس وسیع و عریض کائنات کو تخلیق کرنے والا عظیم رب [illegible] کے ہاتھ میں تھما دیا ہے۔ اسی کا تخلیقی کانسپٹ اس زمانے میں مسخ شدہ کانسپٹ ہے۔ اب اتنا ایک لوگوں کی تحویل میں قید ہے جو ہر دور کا عالم جس کی طرف آئن سٹائن اور ہاکنگ بھی نظر اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کرتا ہے۔ اس کو آپ نے گھریلو باندی کی طرح اپنے فرسودہ اور متروک خیالات کی بندشوں میں ڈال رکھا ہے۔ یہ اتنا کمزور کانسپٹ ہے جو آپ کو جرأت اظہار بھی نہیں دیتا۔ یہ کون سا خدا ہے جو انسان کو دماغ اور فکر دے کر اسے سوچنے نہیں دیتا ہے۔ یہ کس خدا کا کانسپٹ ہے کہ جہاں اقبال کو اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

ایک ایسا رب کائنات جو ایک مکمل، متحرک، فعال، عقل اور علم کی انتہا ہے کہ جس کے آسمان اول کی وسعتوں کو ماپنے کے لیے لوگوں سے ابھی کوئی پیمانہ نہیں بنا اور جس کی کائنات کے آسمان اول میں داخل ہونے پر کوانٹم اور Relativity کا بڑے سے بڑا افلاطون یہ بات کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ جس چیز کو ہاتھ لگاتے ہیں وہ میں نیا کنفیوژن پیدا ہو جاتا ہے اور آج کوانٹم کا فلاسفر یہ کہنے پہ مجبور ہے کہ وہ Dimentions جو کل یا آئن سٹائن قائم کر کے گیا تھا، They are no more valid وہ یہ کہنے پہ مجبور ہیں کہ کائنات اگر سکڑے گی تو لائٹ کی رفتار سے زیادہ سکڑے گی تو اس وقت کون سی نئی Dimnetions وجود میں آئیں گی۔ عقل حیران ہے۔ بڑے سے بڑا Mathematician حیران ہے۔ Physicist حیران ہے۔ ہٹ اینڈ ٹرائل پہ کائنات کی انڈرسٹینڈنگ کے فارمولے جاری ہیں۔ جب ان سے کہو کہ یہ کائنات ایک سے زیادہ ہو سکتی ہیں تو وہ مجبوری سے کہتے ہیں

Yes this option is alive.

جب ان سے کہو کہ ایک Big bang کے علاوہ اور بھی Big Bang ہو سکتے ہیں۔ کہتے ہیں

We have got no reason to refuse

جب ان سے کہو کہ خدا کہتا ہے میں نے سات زمینیں بنائی ہیں، سات آسمان بنائے ہیں۔ کہتے ہیں We can,t refuse۔ اس پروردگار عالم کو ہمارے مکاتب اور ہمارے علمی رشتوں نے تفسیر جلالین میں قید کر رکھا ہے۔ اس وقت کی کتابوں میں، ان مکاتب میں جو شاندار اپنے تئیں ایک بہت قیمتی علم کو آگے بڑھا رہے ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ تمام معلومات جو آج سے مدتوں پہلے موجود تھی۔ اب ان میں سے ایک بھی آگے بڑھتی نظر نہیں آتی۔ خواہ وہ رازی یا علامہ محمود آلوسی کی تفاسیر ہیں۔ حتیٰ کہ آج کے جدید ترین مفسروں نے بھی جو 1980 تک تفاسیر لکھی ہیں وہ وضاحتیں بھی ناقص ہو چکی ہیں۔ یا پھر قرآن کو آپ Insistence کے ساتھ انہی علماء کی تفاسیر سے پڑھتے ہیں کہ یاد رکھیے کہ اصحاب رسولؐ نے یہ غلطی نہیں کی۔ یونانی علم یقیناً ناقص تھا۔ وہ ایک بہترین علم کے مالک تھے ان کا کچھ نہیں جس پہ بھروسہ تھا۔ اب سوچیے کچھ کی اہمیت کیا ہوتی ہے کہ تمام علماء ایک تقلیدی کانسپٹ کے تحت آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں علماء کا ایک رخ تنگ نظر ہے

اور کلچر میں واضح فرق ہوتا ہے۔

کلچر ایک جنرل Mass Appeal کے ساتھ فروغ پاتا ہے اور Dogmatism اور سخت نظریے میں جو شدت ہوتا ہے وہ وہ لوگوں کو آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ آپ یقین کیجیے کہ زندگی کی اس منزل پر جب میں ساری دنیا کے کلچر اور ان کی Religious Philosophies اور Extra Philosophies دیکھ چکا ہوں اور مجھے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ آسان اسلام نظر آیا۔ سب سے زیادہ آسان اسلام پر عمل کرنا نظر آیا۔ میں یہ بات مسلمان ہونے کی وجہ سے نہیں کہتا۔ میرا تو ابتدائی کلچر ہی شک و شبہ کا تھا۔ میری زندگی کی سب سے بڑی کوشش یہی تھی کہ میں کسی مضبوط دلیل سے خدا کا انکار کر سکوں۔ یہ میری سب سے بڑی کوشش تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ انسان کی آزادی اور اس کی مجبوری میں ایک اللہ کی ذات حائل ہے۔ اگر اللہ نہ ہو تو انسان آزاد ہے۔ اللہ کے ہوتے ہوئے میں اپنے آپ کو آزاد نہیں سمجھتا تھا۔ میری مجبوری تھی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے مجھے پیدا کیا۔ سانس دیا وہ جو کوئی بھی ہے اس نے مجھے آخری سانس دیا۔ وہ جو کوئی بھی ہے اس کا Claim ہے کہ اس نے مجھے ماں باپ دوست بھی دیا ہے۔ اس نے مجھے ماں بھی دی ہے۔ اس نے مجھے باپ کی شفقت بھی دی ہے۔ وہ مجھ سے سوال کرتا تھا کہ زندگی میں آنے سے پہلے میرے پاس کیا چوائس تھا۔ کیا میں نے کوئی باپ چنا تھا؟ کیا میں نے ماں چنی تھی؟ کیا میں نے بہن بھائی چنے تھے؟ ایک بے بسی اور بے چارگی میں اس نے مجھے کھڑا کیا۔ میرے جرثومہ حیات کی افزائش کے لیے اس نے مجھے رحم مادر بخشا۔ بڑی مجبوری تھی۔ جب میں اس کے Claim دیکھتا تھا تو اللہ کے Claim اس حد تک بڑھے ہوئے تھے کہ وہ مجھے ڈراتا بھی ہے اور رلاتا بھی۔ میری ہر چیز سے بڑا ایک خفیف سے قسم کی ذمہ داری بھی اللہ پہ چلی جاتی ہے۔ میں اس اللہ کو یکسر Neglect کرتا تھا۔ میں اپنے تجسس میں اگر اس پہلے سوال سے بچ نکلتا تو مجھے کوئی عاقل بچہ کہتا۔ آپ یقین جانیے کہ تمام یورپی تمدن اور تمام یورپی فلسفہ ایک حماقت کا شکار ہے کہ ان میں سے کسی فلاسفی نے خدا کو تلاش نہیں کیا۔ ہیگل نے، وٹگنسٹائن نے، ہائیڈیگر نے، کسی نے بھی خدا کو تلاش نہیں کیا۔ نہ نطشے نے۔ وہ محض Abstraction کی تلاش کرتے رہے۔ وہ توجیہ سے خدا اخذ کرتے رہے۔ وہ چاہتے یہ تھے کہ وہ فلسفے کی موشگافیوں سے اللہ تک پہنچ جائیں۔

But you know one thing there is one difference between GOD and the other things

خالق ہونے کی حیثیت میں اللہ Second Priority of Thoughts قبول نہیں کرتا۔ وہ کسی قیمت پر بھی Second Priority قبول نہیں کرتا۔ مجھے ایک فرنچ Mathematician نے خط لکھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ تم خدا شناس ہو۔ میں نے اپنی زندگی کے چالیس برس بیتے ہیں، میں تو خدا کو نہیں پہچان سکا۔ مجھے تو وہ نہیں ملا۔ How do you say? میں نے اسے کہا

God is not a by product of mathematical researches, He is a complete Obsession.

وہ تمہارے راستے کا کچھ نہیں ہے۔ تم اگر Mathematics میں پی ایچ ڈی کرنے کے بعد کسی ہلکی سی

Quantum یا Theory of Relativity پہ غور کرتے ہوئے یہ توقع رکھو کہ خدا تمہیں رستے میں مل جائے گا تو ایسا نہیں ہے بلکہ خدا حقیقت تامہ کی حیثیت میں ایک مکمل Obsession اور تلاش ہے۔ اگر آپ اسے مخلوقات کی تلاش کے بعد حاصل کرو گے تو وہ آپ کو Available نہیں ہوگا۔ وہ ایک ایسی زندہ روشن حقیقت ہے جو اپنی توہین برداشت نہیں کرتی۔ کسی مذہبی اور غیر مذہبی کی تقسیم نہیں ہے بلکہ وہ اس شخص کو نہیں مل سکتا جس نے ذہنی ترجیحات میں اسے ترجیح اول نہیں سمجھا

This is one major difference

اگر آپ من حیث المجموع اسے ترجیح اول سمجھیں اور ذہن کی دنیا میں اس کی Properly Gradation کریں تو خدا وہ چیز ہے جو ہر کسی کو مل سکتا ہے۔ وہ تو ہے ہی ملنے کے لیے۔ اس نے تو عقل و شعور کا Instrument دیا ہی اس لیے ہے۔ یہ تمام کا تمام اسلامی کلچر اپنے تعین کے لیے خدا کے تشخص پر منحصر کرتا ہے۔ جس اسلام میں، جس کلچر آف اسلام میں Concept of God نہیں ہے، وہ ازمنہ قدیم کے رسم و رواج کی طرح ہے، Taboos کی طرح، Totems کی طرح ہے، عصر گذشتہ کی امثلہ کی طرح ہے، اساطیر الاولین کی طرح ہے۔ اس میں کوئی زندگی نہیں ہے۔ خدا کے بغیر اسلام ایک ایسا سر کٹا مذہب ہے جس کا دھڑ ہے مگر جس میں شعور نہیں ہے۔ ذرا غور کر کے دیکھیے کہ اس وقت کا Religious Culture ہمیں کیا تلقین کر رہا ہے؟ دیو بند میں، بریلوی میں، اہلحدیث میں، تبلیغ کے کسی مکتبہ فکر میں آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ دیو بند پہ آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے، تبلیغ پہ اگر آپ کا مطمح نظر خدا کی محبت اور شناخت ہے تو مجھے ایک بات بتایئے کہ اگر ایک بات منزل بہت ہی دور ہے اور آپ کی مطلوبہ شے نہیں ہے تو اس صورت میں آپ کیوں چلتے رہیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے مطلب کی شے ایک کوئی چھوٹی دکان ہے جس میں کوئی رات کو دیا جل رہا ہو اور اس کا دیا ٹمٹما رہا ہو اور خدا آدھا غنودگی میں ہو، آپ کو وہاں سے مل جائے تو اے بندگان خدا اگر آپ کو مذہب کی روشنی و ہدایت کی تلاش ہو اور تمام Religion اللہ کے لیے تھا اور تمام Religion میں ایک اسلام کو متعین اور مخصوص کیا گیا کہ اب یہ وہ کلچر Provide کرتا ہے جس کی Height آخر کار اللہ کی شناخت ہے۔ اگر میں اللہ کو جاننا، سمجھنا اور پانا چاہوں اور میں رستے کا انتخاب کروں اور میں ایسا رستہ ڈھونڈنا چاہوں جو مجھے اللہ تک پہنچا دے تو فرض کیجیے کہ میں دیو بند کے مکتب کی طرف جاتا ہوں۔ کہتا ہوں ان کے Academics بہت اچھے ہیں اور حقیقت ہے کہ دیو بند کے Academics بہت اچھے ہیں۔ اب میں وہاں کوشش کر رہا ہوں، سالہا سال لگا رہا ہوں، میں کوشش کر رہا ہوں کہ ان میں سے کوئی استاد، کوئی بھی خدا شناس بھی ہوگا جو میرے باطن میں ان علوم کی آگاہی کے چراغ جلا دے تاکہ بالآخر میں سراغ حقیقت پا جاؤں گا۔ میں تو وہ شخص ہوں کہ آسمان میرا انتظار کرتا ہے۔ میں وہ انسان ہوں کہ ملائکہ دیکھتے تھے، آدھے کنارے پہ دیکھ رہے ہوتے ہیں جیسے اقبال نے کہا کہ یہ وہ خاکم ہے جو حقائق کے پردہ داروں کے نقاب اتارتا ہے۔ جس دن انسان پیدا ہوا تھا۔ بقول اقبال

خبرے رفت ز گردوں بہ شبستان ازل
حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد

تین آسمانوں سے تیز برق رفتاری سے گزری تھی کہ اسے نقاب پوش سمجھا اب جو اب ایک نقاب اتارنے والا پیدا ہو گیا ہے۔ اب وہ انسان پیدا ہو گیا ہے کہ جو حقائق کو اس طرح کھوجے گا، جو اس طرح کریدے گا، جو اس طرح تلاش کرے گا کہ دنیا و مافیہا کی کوئی رکاوٹ اسے روک نہیں سکے گی۔ یہ دیوانہ خدا ہے یہ ہر رکاوٹ انفس و آفاق کو ترک کرتا ہوا اللہ کے دروازے تک پہنچے گا۔ یہ جمال خداوند تک جائے گا۔ یہ جلال و جمال خداوند کا رسیا ہے۔ اس کی عقل نے ورا سے اس منزل تحقیق تک پہنچا ہے کہ جس کا نام اللہ ہے۔ طراز اللہ کے بندے کا تشخص پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس زمین پہ میں پیدا ہوا، ہندوستان میں۔ ہندوستان جو برصغیر تھا۔

It is a land of Inferiority.

یہ حقارتوں کی سرزمین ہے۔ تین ہزار سال پہلے جو قومیں اس میں وارد ہوئیں، انہوں نے زمان و مکاں کے توارد سے عروج و زوال کی داستانوں سے اپنے لیے اس مٹی کو منتخب کیا۔ برصغیر میں ہر انسان Above Inferiorities کے ساتھ پیدا ہوا۔ تعصبات کے ساتھ پیدا ہوا۔ یہاں آزادی اور غلامی کی داستانیں اتنی Repeat کی گئیں کہ جب اسلام کا کلچر داخل ہوا تو اس میں خیال کی قوت تھی۔ فزیکل پاور تھی۔ وہ ایک شاندار Handsome پیر لگتا تھا۔ جب اسلام برصغیر میں داخل ہوا تو اس کے ساتھ اتنے Brilliant Aspects تھے کہ اس کا کلچر زمین و آسمان سے بڑھ کر تھا۔ ایک طرف اس کو سامان محمود غزنوی کی تلوار مہیا تھی اور دوسری طرف ابوالحسن خرقانی کا تصوف نصیب تھا۔ دوسری طرف اسے علی بن عثمان ہجویری قطب الاقطاب عالم کا، اس کو تصوف نصیب تھا۔ ایک تغیر زندگی کے معاملات میں آگے بڑھ رہا تھا اور دوسرا تغیر قلوب میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اتنا پاورفل کلچر تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے Adherent لاکھوں اور کروڑوں میں بڑھ گئے۔ یہاں صوفیاء کے اسلامی کردار کی مثالیت کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے بے حد شاندار روحانی اور فقیرانہ طور پر لوگوں کو وہ سب کچھ دیا جس کی اس Land of inferiorities میں ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ دیوانہ وار آگے بڑھے دیوانہ وار آگے بڑھے، وہ اللہ کی محبت کو آگے بڑھے۔ اس Land میں محبت کی سرزمین پہ اتنی طاقت ور محبت تھی اللہ کے ساتھ۔ یہ آزردہ دلوں کی سرزمین تھی، یہ افسردہ خاطروں کی سرزمین تھی، یہ اجاڑ اور ویران ذہنوں کی سرزمین تھی، یہ مظلوم اور محروم افراد کی سرزمین تھی، اور ان لوگوں کو جب یہ نعمت اخروی ملی، ان کو محبت خداوند نصیب ہوئی اور جب سیدنا فرید الدین گنج شکر بابا آئے۔ پاس سے شہر گزر رہا تھا، تو خلق نے ہجوم کیا، اس محبت کے باعث اپنے Officers سے بغاوت کر دی اور کہا ہم تو فرید الدین کو دیکھے بغیر آگے نہیں جائیں گے تو مجبوراً انہوں نے شہر کو Allow کیا تو ان کو بڑی عقیدت کے ساتھ ایک ٹیلے پہ بٹھایا گیا۔ لوگ آتے، ہاتھ چومتے تو خواجہ کو بڑا اکتا دیا، بار بار کہتے اے خلق خدا تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟ کیوں میرے پاؤں چومتے ہو۔ خدا کے لیے مجھے اس اذیت سے رہائی دو۔ اور اسی اثنا میں ایک شخص بڑھا اور جب اسے منع کیا گیا کہ کیا کرتے ہو تم لوگ۔ تم لوگوں کو کیوں عقل نہیں آتی تو وہ تن کے کھڑا ہو گیا، اس نے کہا فرید الدین تمہیں کون مانتا اور جانتا ہے؟ تجھے کون پیار کرتا ہے یہ لوگ تو اللہ کے متوالے ہیں۔ یہ لوگ تو اللہ سے پیار کرنے والے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ اللہ تجھ سے پیار کرتا ہے۔ یہ تو اس لیے تجھ پہ پلٹ رہے ہیں ورنہ تیرے جیسوں کی ہمارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں۔ ہم تو قرآن کی اس آیت کی طرف دیکھتے ہیں کہ جب وہ شخص بازاروں میں چلتا ہے تو خدا کا نور اس کے ساتھ ساتھ

ہوتا ہے۔ اس کا اپنا نور اس کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ اب اسلامک کلچر سے ایسے نوری وجود ختم ہو گئے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں ان Schools of Thoughts کو کیا کروں جو میرے تشخص کو تقسیم کیے جاتے ہیں۔ میں جو مسلمان تھا میرا کلچر اسلام تھا۔ میرے کلچر کی بنیاد صرف اور صرف اللہ کی محبت اور خلوص پر تھی۔ میرے کلچر کو میرے مذہبی گروہوں نے اس طرح بانٹ دیا، اس طرح تقسیم کر دیا کہ میرے مذہب میں سب کچھ رہ گیا مگر اللہ کا نام و نشان نہیں رہا۔

This is the first loss, the ultimate loss of priorities.

Religious Priorities کا سب سے بڑا نقص یہی تھا اور اس Priority کے بعد ہم کسی قیمت پر اسلامی کلچر کو Present نہیں کر سکتے۔ اسلام میں اللہ کے سوا کوئی چیز Important نہیں ہے اور جب مسلمان کے ذہن و قلب سے خدا کے وصول کی خواہش ختم ہو جائے۔ اس سے محبت کی آرزو ختم ہو جائے تو اس کا اسلام بے معنی رہتا ہے اور جب یہ نہ رہا جب یہ Intellectual Priority نہ رہی تو اب ہوتا یہ ہے اور ہوتا یہ تھا کہ کلچر زندگی کو متاثر کرتے ہیں کلچر زندگی۔ جب یہ کمزور ہوتے ہیں تو کلچر متاثر کرتا ہے اور میرے کلچر کو اخذ بھی اسی میں سے ہے، اصول بھی اسی میں سے ہے۔ کلچر کے دو حصے ہیں۔ میں نے پہلے غیر مادی اور مادی حصے پر گفتگو کی ہے۔

There is no Islamic Culture in Pakistan

کیونکہ مادی اور غیر مرئی حصہ ختم۔ اس کی ڈائریکٹنگ فورس موجود نہیں ہے۔ اسلام کے پیچھے Love of God نہیں ہے اور Love of God کے بغیر ایک Cultural یا فزیکل یا ذہنی آپ کا مذہب نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔ خدا کی محبت کے بغیر آپ کا سارا مذہب گروہوں میں بٹ کر مسلمان کی تقسیم کا باعث بنتا ہے اور کسی مسلمان کے لیے مسلمان ہونا باعث فخر نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ذہن گروہی قیود میں ہے۔ اس کے لیے مائنڈ کی بیماری ہے "ان الذین فرقوا دینهم وکانوا شیعا لست منهم فی شیء" (الانعام آیت ۱۵۹) جن لوگوں نے دین میں فرق پیدا کیا اور گروہوں میں بٹ گئے اے پیغمبر تو ان میں نہیں ہے اور جس میں پیغمبر نہیں ہے اس میں خدا نہیں ہے۔ جس Concept of Religion میں خدا نہیں ہے وہ Religion نہیں ہے۔ توہم ہے اور رسم و رواج ہے۔ کچھ اس کمیونسٹ قائد کا قول بڑا سچا ہے کہ جب لوگ کسی مسلمان ملک سے گزریں گے اور جب کسی مسجد کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہاں ایسی بے وقوف قوم آباد تھی جو ان دیکھے آسیب سے ڈرتی تھی۔ تو یہ Comment نہیں آئے گا کہ یہاں اللہ کے بندے آباد تھے، یہاں اللہ کو ماننے والے آباد تھے، یہاں اللہ سے محبت کرنے والے آباد تھے بلکہ Comment یہ آئے گا کہ یہاں ایک ایسی بے وقوف قوم آباد تھی جو ان دیکھے آسیب سے ڈرتی تھی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب ہم خدا سے ڈرتے ہیں، رشتے ٹالا کرتے ہیں تو ہماری حالت اسی آسیب زدہ مسلمان کی سی ہوتی ہے جس کے گلے میں تعویذ اور بازو کو حمایت حاصل ہے۔ مجھے اسلام آباد کی ایک بڑی معزز اور پڑھی لکھی خاتون نے ایک بات کہی کہ پروفیسر صاحب بڑے دنوں سے ہمارے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ جس کام میں کوشش کرتے ہیں نقصان ہو جاتا ہے۔ فرمایا پروفیسر صاحب کسی نے کچھ کیا ہوا تو نہیں ہے۔ یہ جادو تو نہیں ہے۔ آسیب تو نہیں ہے۔ میں نے کہا محترمہ ایک کام کرتے ہیں، ایک Application اللہ کے نام لکھتے ہیں۔ تو بھی لکھو میں بھی اس پر سائن کروں گا کہ اے پروردگار عالم اب لازم ہے کہ تو ایل پی آر پر چلا جا۔ Leave

Before Retirement پہ چلا جا۔ اب تیرا کوئی کام نہیں رہا۔ اب لوگ رزق بند کرتے ہیں، پانی بند کرتے ہیں، خیال بند کرتے ہیں۔ اب زندگیوں پہ قدرت انسانوں کو حاصل ہو گئی ہے۔ معاملات پہ قدرت انسانوں کو حاصل ہو گئی اب تیری کیا ضرورت ہے اس افلاک میں۔ اب آپ چاند تک پہنچ رہے، کوئی اور دنیا بناؤ اور چاند، مریخ کے حوالے اس دنیا کو کر جاؤ، تعویذ والوں کے حوالے اس دنیا کو کر جاؤ۔ اب اس معاشرے کا المیہ اس بحران اور منافقت کا شکار ہے کہ ہر آدمی اپنی ذاتی اور قدرتی بلا کا باعث تیری وجہ سے انسان کو سمجھتا ہے اور اللہ کی یہ آیت لوگوں کے ذہن اور اعتقاد سے نکل گئی ہے کہ "ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات" (البقرۃ آیت ۱۵۵) کہ اے بندگان خدا، یاد رکھو میں تمہیں تھوڑا آزماؤں گا زیادہ نہیں "بشیء من الخوف" بہت معمولی سے خوف سے تمہیں آزماؤں گا، بھوک سے آزماؤں گا، نقص اموال سے آزماؤں گا، کیفیات ذات سے آزماؤں گا، تمہارے پیارے تمہارے وجود جدا کر کے تمہیں آزماؤں گا۔ "واذا اصابتہم مصیبۃ" (البقرۃ آیت ۱۵۶) اور دیکھو تم سب پہ تھوڑی بہت مصیبتیں آئیں گی، تم سب پر مصائب آئیں گے تو دیکھو اعتقادی غلطی نہ کرنا، اس کا Regard کسی تعویذ والے کو نہ دینا، کسی جادوگر کے پاس یہ داغ نہ لیتے جانا کہ کسی نے تم پہ کیا کیا ہوا ہے۔ یقین جاننا کہ یہ سب کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے کیونکہ میں نے ہر انسان کو تھوڑا بہت ضرور آزمانا ہے۔ "بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات" (البقرۃ آیت ۱۵۵) میں نے تمہارا مینٹل سٹیٹس چیک کرنا ہے۔ تمہاری دنیاوی پی ایچ ڈی چیک نہیں کرنی۔ ایم ایس سی، بالغ، وزیر والی نہیں چیک کرنی۔ میں نے تمہارے اعتقاد کی ایک ڈگری کو چیک کرنا ہے۔ تمہارا Faith کا لیول چیک کرنا ہے۔ یا تم اپنے ظاہری علم کے باوجود اتنی جلدی آسیب، جادو، ٹونے کا شکار ہو جاؤ گے تو بس اتنی بات یاد رکھنا "واذا اصابتہم مصیبۃ" کہ جب تم پہ کوئی مصیبت آئے تو اس وقت یہ کہنا کہ "قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون O" (البقرۃ آیت ۱۵۶) کہ یہ کیفیت وقتی ہے، عارضی ہے، یہ ٹل جائے گی اور ہم اس کلاس سے پاس ہو جائیں گے۔ ہم اپنے اس علمی بحران سے گزر جائیں گے۔ ہم اللہ پہ اعتقاد رکھیں، ہم سے خطا اور نسیان کہیں نہ ہو جائے۔ ہم اللہ کے سوا زندگی کی ذمہ داری کسی اور پہ نہ ڈالیں اور اگر تم اس چھوٹے سے امتحان سے پاس ہو گئے تو اللہ یہ کہتا ہے: "اولئک علیہم صلوات من ربہم ورحمۃ" (البقرۃ آیت ۱۵۷) ان لوگوں پہ میری طرف سے نہ صرف درود سلام ہے بلکہ رحمت خداوندی ہے، آپ کو پی ایچ ڈی کی ڈگری نصیب ہے۔ "واولئک ہم المہتدون" (البقرۃ آیت ۱۵۷) اور یہ ڈگری یافتہ ہو گئے، یہ ہدایت یافتہ ہو گئے۔ یہ ہیں پڑھے لکھے لوگ جن کا قبلہ مغربی آقا نہیں ہیں، فانی Sources نہیں ہیں۔ جو اسباب کو Use کرتے ہیں، اسباب کو خدا نہیں سمجھتے۔ اسباب ان کے توکل نہیں ہیں۔ اسباب ان کا قبلہ نہیں ہیں۔ وہ اس بات پہ یقین رکھتے ہیں جو ان کے اللہ نے کہا ہے "وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ہو وان یمسسک بخیر فہو علی کل شیء قدیر O" (الانعام آیت ۱۷) کہ اگر اللہ نے ضرر سے چھوا، تو اس کو دنیا کی کوئی طاقت اس ضرر سے آزاد نہیں کر سکتی سوائے اللہ کے، اور اگر اللہ نے خیر سے چھوا "فہو علی کل شیء قدیر" تو وہی اپنی طاقتوں اور قدرتوں والا ہے۔ جب ہم اصولی غلطی نہ کریں گے اور ہم مائنڈ سیٹس میں نہ پڑیں گے۔ Sectarian مائنڈ سیٹ میں نہ پڑیں گے تو ہم ایک اعلیٰ ترین روحانی قدر تک پہنچیں گے اور مجھے یقین

ہے کہ ہم غم و غصہ اور بلا سے گزرتے ہوئے زندگی کی ان اعلیٰ اقدار اور اعلیٰ کلچرل اقدار کو فراموش کر چکے ہوں گے جس کے بارے میں اللہ نے یہ کہا کہ دیکھو ولا تھنوا سستی نہ کرنا ولا تحزنوا غم نہ کرنا تم ہی غالب ہو اگر اہل ایمان ہو

خواتین و حضرات! جب کلچر کلچر سے ملتے ہیں تو جو کلچر غالب آتا ہے کلچرل فورسز جب آپس میں ملتی ہیں تو جس کلچر میں زیادہ دلیل ہوتی ہے جس میں طاقت اور توانائی زیادہ ہے Influence زیادہ ہوتا ہے۔ وہی غالب آتی ہے۔ اگر آپ اپنی معاشرتی اقدار کو دیکھیں اور ان کو دیکھیں تو پاکستان کا اس وقت کوئی ذاتی کلچر موجود نہیں ہے۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ ہم کو ایک Basic اسلامک کلچر سے جدا ہو چکے ہیں۔ اللہ سے، اللہ کے یقین سے جدا ہونے کے بعد ہم اتنے بے مایہ اور کمزور ہوتے چلے گئے ہیں کہ ہم اپنے موقف کو Defend نہیں کر سکتے۔ ہم روحانی تقاضات کو Defend نہیں کر سکتے۔ اس لیے External کلچر ہم پر غالب آتا ہے بلکہ ہم اپنے مذہبی روحانی تقاضات کی Satisfaction کے لیے بھی غیر کلچر کی مدد لیتے ہیں۔ ہم نے اگر اپنے مذہبی اختلافات میں بھی ثالث مقرر کرنا ہو تو ہم امریکہ یا برطانیہ سے غیر کلچر کو حاکم مقرر کرتے ہیں

خواتین و حضرات! اس کی وجہ صرف ایک ہے کہ ہم اپنے بنیادی عنصر ثقافت تصوف سے محروم ہو چکے ہیں۔ وہ عنصر تقاضہ کرتا ہے اس میں رہنے والے وجود ہوں جو ہمیشہ کی مذہبی Curiousity کی انتہا، تحقیق اور وضاحت دیتے حتیٰ کہ آج کا متشدد ذہن یہ کہتا ہے کہ صوفی ازم حرام ہے۔ آج کا متجدد ذہن کہتا ہے کہ صوفی ازم Exist نہیں کرتا۔ آج کا تشکیک زدہ مسلمان یہ کہتا ہے کہ یہ تو سب بنائے ہیں۔ یہ صوفی جو بیٹھے ہیں یہ سودا لینے والے ہیں جو ان [illegible] ہیں

Exactly this is right. "But this is only right when there is no real SUFI"

حضرت عبدالقادر کے ہوتے ہوئے کسی نے یہ نہیں کہا کہ صوفی ازم نہیں ہے۔ حتیٰ کہ امام ابن تیمیہ جیسے سخت ترین نقاد اپنے حوالہ جات میں یہ جملہ لکھ گئے ہیں کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلی اور شافعی بغداد میں حنابلہ اور شافعیہ کے مطابق درس دیتے تھے اور ہم تک شیخ عبدالقادر جیلانی کی کرامات کے تواتر تک تو سماع و تواتر سے پہنچیں۔ ابن تیمیہ کا یہ اعتراف اگر غور کیجیے تو شیخ عبدالقادر جیلانی کی معرفت کی دلیل ہے۔ علی بن عثمان ہجویری کی علمی تحقیق اور تجربہ تک پہنچنے کا کوئی عالم آج تک نہیں پہنچا ان کی ایک ایک سٹیٹمنٹ کی تحقیق ادھوری ہے۔ یہ بات میں آپ کو پورے شرف سے کہہ رہا ہوں۔ مجھ سے اختلاف ممکن ہے۔ مگر میں ایمانداری سے سوچتا ہوں کہ جس قسم کا ان کا Analytical ذہن ہے۔ اور جس سائیکالوجیکل فیلڈ کی وہ سٹیٹمنٹ دیتا ہے آج تک پہنچنے کا کوئی صوفی، کوئی محقق کوئی عالم ان کی حد تک نہیں پہنچا۔ میں آپ کو اس کی دو مثالیں دیتا ہوں۔ یہ ایک وہ نتیجہ ہے جو صرف صوفی کی Intellect اخذ کرتی ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ خدا شناس کس قدر نظر سے تحقیق کرتا ہے۔ سید ہجویر نے لکھا کہ مجھے لوگوں کی خدمت کا بڑا شوق تھا اور میں ان پر مال بھی خرچتا تھا حتیٰ کہ میں مال خرچ کرتے کرتے مقروض ہو گیا اور میں خدا سے گلہ کرتا تھا کہ اے پروردگار میں تو خدمت خلق کرتا ہوں۔ اب دیکھیے کہ آپ میں سے بہتوں کا یہ مسئلہ ہے کہ میں تو خدمت خلق کرتا ہوں تو

پھر مجھ پہ یہ عذاب حسرت کیوں؟ مجھ پہ یہ حسرت کیوں؟ تو فرمانے لگے میں متردد تھا اس معاملے میں کہ مجھ تک میرے شیخ الوقت ابو الفضل ختلی کا ایک خط پہنچا اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ اے علی بن عثمان کیا تو ان لوگوں کے عذاب کم کرنے کی کوشش کرتا ہے جن کو اس کیفیت میں اللہ نے رکھا ہوا ہے اور یہ اصول یاد رکھو اتنی تکلیف دو اتنا غم دے جتنا تیری استطاعت ہے۔ اور اس سے زیادہ جو ہو گا تو نفس تجھے تنگی کی شکایت پر مجبور کرے گا اور تجھے حسرت میں ڈال دے گا اور پھر یہی نفس تجھ سے خدا کا گلہ کروائے گا جو تو کسی بھی حال میں نہیں چاہتا۔ یہ درس تو مولوی کے نصیب میں نہیں ہے۔ یہ درس اس شخص کے نصیب میں ہے جو علم کی فضیلت و عنایت کو معرفت اللہ کے لیے حاصل کرتا ہے۔ فرمایا علی بن عثمان ہجویری نے کہ میرے دل پر کیفیت اضطراب تھی۔ میں اپنے شیخ کے پاس حاضر ہوا میں نے ان سے کہا حاجت کا بندوبست کیجیے۔ میرے شیخ نے حاجت کا بندوبست کیا۔ میری کچھ کیفیت اضطراب کم ہوئی۔ جب میں اٹھ کے چلا تو میرے شیخ نے آواز دی اے علی بن عثمان ایک وقت آئے گا کہ تمہیں حاجت میں اور مرنے کی آواز میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوگا۔ اب دیکھیے یہاں تک واقعہ ہے کہ سید ہجویری فرماتے ہیں۔ کیا خوبصورت Analysis ہے کہ جب طلب خداوندی میں تو آرام سے اٹھ جائے گا اور جب تک قلب میں راحت تلاش کرے گا اور جب مشقت میں آسانی کی آرزو کرے گا تو پھر تیرا دل اس آسانی کا ہمیشہ شائق ہو جائے گا اور تو نے اضطراب میں حاجت ڈھونڈا اور پھر تو اضطراب میں حاجت کا عادی ہو گیا تو تو اگلی منزل فرحت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس Outgrowth کے جس فلسفے کے بارے میں سید علی بن عثمان اشارہ کر رہے ہیں، یہ تصوف اسلامیہ کا خاصہ ہے۔ ایک منزل فکر سے دوسری منزل فکر کو بڑھ جانا یہ کمال صوفی تھا۔ ذات سے گزرتے ہوئے آفاق سے گزرتے ہوئے، اپنے ذاتی تجربات کو محسوس کرتے ہوئے، اپنے ذہنی تجلیات کو محسوس کرتے ہوئے جب ایک صوفی اللہ کو پڑھتا تھا تو وہ حاشیے سے نکلی معیار کو بلند کرتا تھا۔ ایک بڑی عجیب سی مثال آپ کو بتاؤں کہ ٹایم شریف ہو میرے شیخ کے بالکل قریب ایک گاؤں ہے جہاں ایک بہت بڑے مجذوب دفن ہیں ان کو بابا فضل دین کلیامی کہتے ہیں تو میں ایک دفعہ اتفاقاً ان کے گاؤں کے قریب سے گزرا۔

I don't go generally but it is sometimes when I pass by.

کسی بڑے بزرگ کے پاس سے گزرتا ہوں تو فاتحہ پڑھنے کو انس محسوس کرتا ہوں اور ان سے دعا لینے کو بھی دل انس کرتا ہے تو میں نے بابا سے کہا دیکھو بڑی عجیب سی بات ہے تو کدھر آ کے ڈھور ڈنگروں میں لیٹ گیا ہے۔ اتنا بڑا تو خدا شناس ہے تو میں اس کے مزار پہ کھڑا ہو کے اس کو خطاب کر رہا تھا کہ بابا تو کمال کا آدمی ہے He did not answer me مجھے شک تو نہیں حاصل۔ غلط نہ سمجھے گا۔

But it was a dialogue with him.

جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ بعض اوقات قبرستان میں جا کر بڑی لمبی چوڑی گفتگو کرتے رہتے تھے تو میں نے کہا بابا تو خدا شناس تھا تو یہ کون سی جگہ ہے تو جہاں آ کے پڑ گیا۔ خلق کو تجھ سے کیا فائدہ ہوا۔ کیا سراغ ملا۔ تو میں نے کہا

This is not proper atmosphere

اے بابا تو نے یہاں آ کر کیا کیا۔ میں یہ گلہ شکوہ کر کے مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گھس گیا۔ جب میں نماز پڑھ

میں مسجد کے پاس سے گزر رہا تھا تو ایک تنگ سی گلی سے اچانک میرے کانوں میں ایک سُریلی سی آواز پڑی۔ بہت خوبصورت آواز، بہت ہی خوبصورت آواز

Because i remember the ranty of that voice.

جس میں پورا پورا موسیقی کا رس تھا۔ گانے والا گا رہا تھا۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روز محشر عذر ہائے من پذیر
ور تو می بینی حسابم ناگزیر از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

آپ یقین جانئے کہ ایک غیر مرئی ارتعاش نے میرے پورے بدن کو روک لیا۔ میں سکتے میں چلا گیا کہ یہی سوال تو میں پوچھ رہا تھا کہ اے صوفی تو نے یہاں بیٹھ کے کیا لیا۔ میں جو اس سے سوال کر رہا تھا کہ بابا تو نے یہاں بیٹھ کے کیا لیا تو میرا جواب اس سیدھے سادے دیہاتی نے دیا جو ایک تہبند باندھے ہوئے، سفید شرٹ، سفید پگڑی پہنے ہوئے انتہائی خوبصورت آواز میں اس مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گا رہا تھا۔

And I just faced him again.

میں مزار سے جاتے ہوئے اسے کہہ گیا کہ بابا

You were right, i was wrong.

ڈاکٹر فرید کی بڑی قابل بات ہے: جہاں اس قسم کا شخص بیٹھتا ہے، وہ زمین برکت والی ہوتی ہے اور اس زمین کی برکت اس شخص کو زمینی مراتب سے اٹھا کر ایک آسمان کی طرح نظر دے جاتی ہے۔ یہ سب سے پہلا Difference ہے جو کسی بھی Mystic movement کے کلچرل اسپیکٹ کا ہوتا ہے۔ یہ موومنٹ ہے جو آج کل کے پاکستان میں مفقود ہے۔ اس لیے کہ جو محقق جو اٹھا، جو متجسس ہوا، اس نے مسائل کو انتہا تک سمجھا یا اس نے آج کی مابعدالطبیعات کو چند مسائل میں قید کر کے معراجِ اسلام سمجھا۔ ایک غیر ملکی مفکر نے مجھے کہا کہ اسلام کی میٹافزکس نہیں ہے تو میں نے کہا مسٹر، اگر اسلام میں میٹافزکس نہیں ہے تو اور کس کے پاس ہے۔ تم لوگوں نے آج تک تجرید کے سوا کسی چیز کو Perceive نہیں کیا۔ مغرب کا مابعدالطبیعاتی جستجو رکھنے والا شخص Justice, truth اور بیوٹی یعنی جمالیات کی بات کرتا ہے۔ تم میں سے کسی ایک شخص نے بھی عالم تجرید کے مالک کی تلاش نہیں کی۔ تم اپنی جستجو کو شخصوں کے بارے میں بھی صرف تجریدی اصولوں تک ہی محدود رکھتے ہو۔ آپ کا سب سے بڑا فلاسفر Justice in all پر رک جائے گا، کوئی اور فلاسفر Readynesses all پر رک جائے گا۔ کوئی اور Liberty پر رک جائے گا اور کوئی جبر و قدر کے مسئلے پر

They never wanted to see God.

Nobody has ever Sought God.

ان میں سے کوئی خدا کا متلاشی نہیں تھا۔ اس کے برعکس جب کوئی مسلمان مفکر آگے بڑھتا ہے تو اس کی واحد مابعدالطبیعاتی منزل اللہ ہوتی ہے۔ دوسروں اور مسلمان مفکرین میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ان کی مابعدالطبیعات اس بے کراں سیارچے کی طرح ہے جو فضائے بسیط میں کسی منزل کے تعین کے بغیر ایک لاانتہا مسافت میں چلا جاتا ہے

اور جس کا کوئی انجام نہیں ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ایک مسلمان Mystic اس گائیڈڈ میزائل کی طرح ہے جو یقیناً اپنی منزل کے تعین کا شعور رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ کس سمت کو بڑھ رہا ہے اور وہ یقیناً الہیاتی قرب میں جا کر رکتا ہے۔ درحقیقت وجہ یہ ہے کہ عالم اسلام کے مفکرین ہمیشہ Competitive range میں افلاک کے تمام مغربی مفکرین سے آگے رہے۔ آج بھی کہا جا سکتا ہے کہ عصر جدید یورپ میں آپ کے مفکرین ابن الہیثم، غزالی، ابن رشد اور ابن خلدون نے وہ شمع فروزاں کی ہے کہ جس سے بعد میں ان کے ہاں ڈیکارٹ اور دانتے پیدا ہوئے اور ان کی Renaissance اور Reformation شروع ہوئی۔ اگر دیکھا جائے تو یہ کلچرل تقسیم ہے۔ جب آپ کا کلچر Intellectual اور مضبوط تھا تو یورپ نے بے تحاشہ آپ سے لیا بلکہ سرقہ بازی یہاں تک کہ غزالی کی مثالیں ڈیکارٹ نے لوٹ لیں اور اس نے نام نہیں لکھا کہ میں نے یہ غزالی سے لیا۔ لہٰذا یورپ نے آپ سے کچھ لینے میں کبھی شرمندگی محسوس نہیں کی اور بدقسمتی یہ ہے کہ آپ یورپ سے جو اثر لیتے ہیں اس کے ساتھ Additional کمپلیکس ساتھ لے آتے ہیں اور ان سے احساس کمتری لے آتے ہیں اور احساس شکست لے آتے ہیں۔ اپنے آپ کو آپ خواہ مخواہ مغلوب تصور کیے جاتے ہیں۔ اقبال نے ایک کوشش ضرور کی تھی کہ مسلمان مفکرین کے ذہنوں سے یہ اثر اتارے۔ اقبال سے پہلے کلچرل مغلوبیت کا یہ حال تھا کہ انڈیا میں جو شخص بی۔ اے کر جاتا تھا وہ بہت جایا کرتا تھا لیکن اقبال پی ایچ ڈی کرنے کے باوجود بھی مرعوب نہیں ہوا اس تعلیمی معیار کے رعب نے انہیں دوبارہ مغرب کی طرف دھکیل دیا اور اقبال نے Inferiority کا یہ جو کمپلیکس ختم کرنے کی کوشش کی اور بعد میں اسلام والوں نے یورپین کلچر کو یوں سینے سے لگا لیا کہ بے نام و نشان ہو گیا اور اپنے تشخص سے خالی اور عاری ہو گیا۔ الغرض ایک مدت تک مغرب کی برتری کے تصور کو مشرق پر غلبہ حاصل رہا اور آج یہ عالم ہو گیا ہے کہ ہم ان کے کلچر، کانسپٹ آف برتری، کانسپٹ آف انکوائری اور کانسپٹ آف ریسرچ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہم زیادہ سے زیادہ ان کی دلیل کے جواب میں گولی مار سکتے ہیں۔

But they have better bullets and they have better guns, they have better missiles, anytime they can kill us without firing a bullet even.

ہم یقیناً ان سے اس فیلڈ میں بھی نہیں لڑ سکتے۔ تو پھر کیا کریں گے۔ ہم کم از کم اپنے کلچر کو مزید آلودگی اور کرم خوردگی سے بچا سکتے ہیں ہمیں اپنے ذہنی تصورات، جرأت فکر اور ایک رندانہ کوشش سے یورپ کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ اس مقصد کے لیے ہمیں جدت اور دنیاوی ترقی کے ساتھ جدید فکری لطافتوں کو فروغ دینا ہوگا اور ہمیں ایسے ذہن تیار کرنا ہوں گے جن کے دماغوں میں تحقیق و جستجو کا سودا سمایا ہوا ہو۔ لیکن ہم یہ منزل اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے جب تک ہم قرآن کی اس آیت پر عمل نہیں کریں گے کہ "الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبهم" (آل عمران آیت ۱۹۱) اے میرے بندو کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں کے بل مجھے یاد کرتے رہو۔ "ویتفکرون فی خلق السموت والارض" (آل عمران آیت ۱۹۱) اور زمین و آسمان کی تخلیقات پر مسلسل غور و فکر کرتے رہو۔ کیا کوانٹم یا Relativity پر صرف ان کا حق ہے؟ درحقیقت یہ ہمارا حق ہے کیونکہ میں خدا کا بندہ ہوں اور یہ کائنات میرے خدا کی ہے۔ اس حوالے سے علم کی دنیا پہ حکمرانی کرنا اور شعور کے آفاق متعین کرنا میرا انسانی حق ہے۔ اہل مغرب کا کیا حق تھا؟ وہ ہم سے ہمارا حق چھین کر لے گئے ہیں۔ شاید چین کی فراست ہمیں بتاتی تھی کہ علم ہم سے اتنی دور چلا جائے گا جہاں چاند ہے، جہاں

ہاورڈ ہے، جہاں لندن سکول آف اکنامکس ہے۔ اسی لیے رسولؐ خدا نے فرمایا "اگر ہمیں چین جانا پڑے تب بھی اپنے علم کی دولت کو واپس لانا پڑے تو ہمیں دریغ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ قرآن سینے سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے صحرا میں خارش زدہ اونٹ رسی تڑا کر نکل جاتا ہے۔ جب ہم نے Pursuit چھوڑ دیا ہے تو علم ہمارے سینے سے ایسے بھاگ گیا ہے جیسے صحرا میں اونٹ رسی تڑا کے بھاگتا ہے۔ یا تم اپنا مال اور اپنا علم دوبارہ واپس نہیں لائیں گے۔ حضرت عمر فاروق کے سامنے جب غلہ حرج آیا تو انہوں نے ایک شخص کو بلایا اور فرمایا تم لوگ حرج کس کو کہتے ہو؟ جواب ملا اے امیر المومنین! جب کوئی کمانے والی تجارت بہت زیادہ ہو اور قسمیں تجارتوں میں ہوں اور ہمارے ہاتھ اگر کل اس تک اپنے وقت دو ملے تو ہم اسے حرج کہتے ہیں۔ یقین جانیے ہمارے باطن بھی حرج کی طرح ہو گئے ہیں۔ ہم اپنی ناقص خواہشات، تعصبات اور حسی تقاضات کی خاردار تجارتوں میں اتنے الجھ گئے ہیں کہ عقل دل تک پہنچ نہیں سکتی۔ وہ ہمارے دل کو لبھا نہیں سکتی۔ عقل کو دل مغلوب ہے عقل کو دل مطلوب ہے، دل عقل کا رسیا ہے یہ حیات کا مرکب ہے۔ اس کے اوپر چھ Recepters لگے ہوتے ہیں جو Brain کو سگنل دیتے ہیں مگر پہلا آنا رقبولیت برین (Brain) نہیں دل ہوتا ہے پھر اس کے بائینڈ سگنلز دماغ تک جاتے ہیں۔ یہ Interpretation ہوتی ہے یہ دل کی مناسبتیں برین دیتا ہے۔ Its a very sophisticated computer طرح کمپیوٹر پہلا Impuls دل سے جاتا ہے اور

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر جاں زنی یارے بود

پروردگار ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی Basic کچھ دل اس کو پہچانیں اور ملاوٹ کچھ میں تجسس، تحقیق اور علم کا جو مقام ہے ہم اس تک اپنی رسائی حاصل کریں اور خداوند کریم ہمیں یہ توفیق بھی بخشے کہ ہم شناخت کے ان ذاتی مراحل سے آگے بڑھتے ہوئے، انفس و آفاق سے گزرتے ہوئے، اللہ کی اس آیت کے مصداق ہوں کہ "ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين O" (آل عمران آیت ۱۳۹)

وما علینا الا البلاغ

سوالات وجوابات

ذکر خدا سے روگردانی معاشی کمزوری کا سبب کیوں؟

سوال: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "جب کوئی ہمارے ذکر سے روگردانی کرتا ہے تو ہم اس کی معیشت تنگ کر دیتے ہیں۔" اس ذکر سے کیا مراد ہے؟

جواب: خواتین و حضرات! یہ ایک سوال ہے کہ جب کوئی ہمارے ذکر سے روگردانی کرتا ہے تو ہم اس کی معیشت تنگ کر دیتے ہیں۔ یہاں ذکر سے کیا مراد ہے؟ اسی قسم کی ایک اور آیت بھی ہے کہ ہم نے تمام قوموں کو اس

وقت پکڑا جب وہ اپنی معیشت پر اترا رہے تھے۔ بظاہر یہ لگتا ہے کہ یہ ایک قسم کی Contraditcion ہے لیکن یہ ایک Historical fact ہے کہ جب قوموں نے غیر معمولی معاشی اور فزیکل پاور کی تو انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ اس اعلیٰ ترین دنیاوی معیار پر پہنچ گئے ہیں لیکن اللہ کہتا ہے ہم نے اس وقت ان کو پکڑ لیا۔ یہی بات ثمود، مدین اور یہودی قوم بابل کے ساتھ گزری یعنی جب وہ اپنی ترقی کی انتہا کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک دم سے ایسے پکڑا کہ ان کی معیشت کے وہ تمام فوائد مسلسل ہو گئے اور وہ عذاب الٰہی کے گرفتار ہوئے۔ اب سوال یہ ہے کہ خداوند کریم یہ کہتا ہے کہ جو ہمارے ذکر سے روگردانی کرتا ہے ہم اس کی معیشت تنگ کر دیتے ہیں تو یہاں اگر آپ غور کریں تو ایک Responsibility کا تعین ہے اور Responsibility خدا کی یاد، خدا کی محبت اور خدا کی شناخت ہے۔ ایک وہ معاشرہ ہے جو خدا کے بغیر چلتا ہے اور معیشت کی ترقی حاصل کرتا ہے جیسے یورپ میں ہے اور دوسرا یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غریب لوگوں کی ناگفتہ بہ حالت کو دیکھا تو اس پر اظہار تاسف کیا بلکہ ایک مشہور روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ شدید گلہ بھی کیا کہ اے اللہ کفار کے گھر اور بازار اشیاء اور مال سے بھرے پڑے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دو وقت کی روٹی بھی نہیں ہے تو خداوند کریم نے قرآن حکیم میں ایک آیت اتاری کہ اے پیغمبر ایک مصلحت مانع ہے ورنہ تو میں ان اہل کفر کے در و دیوار اور ان کی سیڑھیاں سونے چاندی کی کر دوں۔ لہٰذا بات یہ ہے کہ جو قوم خدا کے بغیر ترقی کرتی ہے وہ انڈسٹریلائز اور بزنس رول ماڈل بن سکتی ہے۔ ان کی صداقت، دیانت اور محنت کے ثمرات ان کو ترقی کی طرف لے جاتے ہیں مگر ساتھ ساتھ ان کے Declines بھی بڑھتے رہتے ہیں۔ جیسے ابھی آپ ملٹی نیشنلز کو دیکھتے ہیں کہ وہ از حد محنت، خلوص اور Sense of responsibility سے آگے بڑھ رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کے تمام Moral پہلو کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ سیکولرازم اور ڈیموکریسی کے دور رس منفی نتائج بھی سامنے آ رہے ہیں کہ یورپ کا پورا مورل اور فیملی سسٹم ٹوٹتا جا رہا ہے اور رفتہ رفتہ زمان و مکاں میں جو Negative points ہیں وہ اتنے بڑھتے جائیں گے کہ کسی کو یورپی تمدن کو توڑنے کی ضرورت نہیں رہے گی اور جیسے ایک بہت بڑے یورپی Analyst کا کہنا ہے کہ تمام ویسٹرن سوسائٹی آخری دور میں Attitude کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ان کی صلاحیتیں چونکہ صرف دنیاوی مقاصد تک محدود ہیں اس لیے ان کے ذہن میں جلا اور ندرت نہیں آ رہی ہے اور ان کا معاشرہ زوال پر آمادہ ہے۔ مگر مسلمان جو اللہ کا بندہ ہے اس پر اخلاق اور نیت دونوں چارج کئے ہیں۔

لہٰذا اس آیت کے مطابق جو بھی اللہ کے ذکر سے روگردانی کرتا ہے تو اللہ اس کو اپنے نظام اور طریقے کے مطابق احساس دلاتا ہے اور یہ اللہ کا طریقہ اس کی معیشت کی کمزوری اور اس کے Losses بھی ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی صورتوں میں اپنے بندے کو جو اچھی بھلی زندگی گزار رہا ہوتا ہے ایسے مختلف حادثات سے دوچار کرتا ہے تاکہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرے۔ ورنہ خدانخواستہ شاید انسان میں یہ صلاحیت نہیں رہ جاتی کہ وہ اپنے مزاج، بری عادت یا بری خصلت سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔ اس بری خصلت اور عادات سے نجات پانے کے لیے ایک دھماکا یا حادثے کی ضرورت پڑتی ہے تو ذکر سے روگردانی، اللہ کی یاد سے روگردانی بلکہ اس نعمت سے روگردانی ہے جو مسلمان نے اللہ سے لا الٰہ الا اللہ کی صورت میں لیا ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ شخص جو خدا سے غافل ہوتا ہے اس کا ذہن اللہ سے سکون اور طمانیت پا رہا

ہوتا ہے۔ جب وہ اللہ سے غافل نہیں ہوتا ہے تو قرآن حکیم میں اللہ میاں نے کہا "و من یعش عن ذکر الرحمن نقض له شیطانا فهو له قرین" (الزخرف آیت ۳۶) کہ جب وہ رحمن کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے تو ہم اس پہ ایک شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں جو اس کے قریب رہتا ہے اور اسے اپنے ساتھ دوڑائے رکھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنی شہوات اور خواہشات کے غلبے میں ایسی فاش غلطیاں کرتا ہے جو اسے بڑے بڑے نقصانات کی طرف لے جاتی ہیں۔ جیسے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ "شخص ساری عمر پیسہ روتا ہے، بچتیں کرتا ہے مگر آخر میں اس سے کوئی ایسی بڑی غلطی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے مال سے محروم کر دیا جاتا ہے"۔ لہٰذا یہاں وہ مسلمان مراد ہے جس نے سب کچھ اللہ کے فضل و کرم اور اس کی عطا کردہ نعمتوں سے حاصل کیا مگر وہ اللہ کا شکر گزار ہونے کے بجائے اللہ سے روگردانی کر گیا۔ پھر خدا کا اس پر یہ حق بنتا ہے کہ اسے ان نعمتوں اور فراخیوں سے محروم کر دے۔

اسلامی ثقافت کے فروغ کی اساسی ضرورتیں!

سوال: اسلامی ثقافت کے فروغ کے سلسلے میں انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی سطح پر کن اقدامات کی ضرورت ہے؟

جواب: میں آپ کو اس سوال کا جواب دے دیتا ہوں۔ آپ نے کہا اسلامی ثقافت کے فروغ کے سلسلے میں کن اقدامات کی ضرورت ہے۔ دراصل اقدامات کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ Basically پوری قوم کو اپنی اپروچ بدلنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہم کسی قسم کا تاثر یورپی اقوام پر نہیں چھوڑتے۔ ہم میں سے جو بہترین اور بڑا پڑھا لکھا ہوتا ہے اس کا تشخص بحیثیت ایک مسلمان نہیں ابھرتا بلکہ بحیثیت ایک Intelligent ینگ آدمی ابھرتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ وہ اسلام کو Present کر رہا ہوتا ہے۔ For Example یورپ میں جا کر ہمیں اپنی Values چیخ چیخ کر بتانی پڑتی ہیں مگر ویلیوز کی تبدیلی کے ساتھ ہماری شخصیت کوئی ایسا تاثر پیش نہیں کرتی جس سے ان کو احساس ہو کہ ہم Honest، مخلص اور باکردار ہیں۔ اور ساتھ ساتھ ہم مسلمان بھی ہیں۔ میں ایک چھوٹی سی مثال آپ کو دیتا ہوں کہ نہایت بڑی اچھی لیڈی ڈاکٹر نے مجھ سے امریکہ میں ایک Question پوچھا کہ اللہ نے پردے کا کتنا حکم دیا ہے۔ تو میں نے کہا خاتون آپ مت پوچھو۔ اس نے کہا۔ نہیں نہیں یہاں میرا معاشرہ بڑا اچھا ہے۔ لوگ مجھے جانتے ہیں۔ کوئی میری طرف دیکھتا بھی نہیں۔

She was about 40 years old.

اس نے کہا کہ اگر وہ یہاں پر پردہ نہ کرے تو کوئی حرج تو نہیں ہے۔ تو میں نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے مگر دوبارہ پوچھو نہیں۔ کیونکہ جب تم یہ پوچھو گی کہ خدا کیا چاہتا ہے اور پھر اگر تم اس پر عمل نہیں کرو گی تو تم پر Ignorance نہیں رہے گی بلکہ جاننے کے بعد اگر تم عمل نہیں کرو گی تو پھر تم پر دوہری طرح کی ہوئی مگر میں نے اسے ایک بات کہی کہ یہ ٹھیک ہے کہ تم شریف عورت ہو، یہ ٹھیک ہے کہ تمہارے ارد گرد شریف لوگ بستے ہیں، یہ ٹھیک ہے کہ یہ کمیونٹی تم پہ کسی قسم کا دباؤ نہیں رکھتی۔ تم محفوظ ہو لیکن اگر میں اور دوسرے تمہیں اور چند دوسری عورتوں کو دیکھ رہا ہوں گا تو

تیں تب بھی یقین نہیں کر سکتا کہ تم مسلمان عورت ہو کیونکہ شکل و شباہت اور رنگ و رخسار سے یہ پتا نہیں لگے گا کہ تم مسلمان ہو۔ البتہ اگر وہ Necessary Precautions تم نے لی ہوں جنہیں قرآن حکیم نے وضاحت سے لکھا ہے تو یقیناً تمہاری ایک مخصوص شناخت اور منفرد پہچان ہوگی اور تم ظاہری اعتبار سے ایک مسلمان عورت کو Represent کرو گی۔

گلوبل ویلیج میں انسان شتر بے مہار کیوں؟

سوال: سر! آپ نے اپنے لیکچر میں تقلید کی ممانعت کی طرف اشارہ فرمایا کہ اب گلوبل ویلج کے اندر کسی ایک مکتبہ فکر تک اپنے آپ کو پابند نہیں کرنا چاہیے۔ ایسے حالات میں جبکہ اکثر لوگ کما حقہٗ اسلامی علوم سے آگاہ نہیں ہیں۔ تو ان کو بے مہار اس طرح چھوڑا جا سکتا ہے؟

جواب: حضرات گرامی! ایک تو یہ سوال ماشاءاللہ تعالیٰ العزیز خود ہی بہت بڑا جواب لگتا ہے۔ جی ہاں! یہ جیسے آپ نے صرف ایک جملہ سوال میں لکھا ہے کہ اپنی پسند کا مسئلہ مل جائے تو لے لے اور اپنی خواہشات کے مطابق زندگی گزارے تو یہ کیا ہے؟ پیدا ہونے والا سوال یہ ہے کہ یہ جو چار آئمہ ہیں انہوں نے جو جو مسائل کے حل دیے ہیں یہ قرآن و حدیث کے ریفرنس سے دیے ہیں۔ اب میں ایک مسئلے پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ Basically مجھے امام اعظم بہت پسند ہیں۔ وہ بڑے Intellect ہیں۔ بہت اعلیٰ ذہین ہیں۔ بڑی فراست ہے۔ مسائل کا ادراک بہت اچھا ہے اور ماشاءاللہ تعالیٰ آج کے زمانے میں بھی جدید ترین نظر آتے ہیں مگر اس کے باوجود ساتھ ساتھ آپ نے طلاق کے مسئلے کو قائل قرار دیا۔ تین طلاق کے مسئلے کو قائل قرار دیا۔ حنفی ہونے کے باوجود میں ان سے اتفاق نہیں کر سکتا، کیوں نہیں کر سکتا اس لیے کہ لوگوں کے پاس مسائل کا علم نہیں ہے۔ عائلی زندگیاں پہلے ہی بہت برباد ہو چکی ہیں۔ اب ہمارے پاس ان کو کسی بھی قسم کی رعایت دینے کی گنجائش ہے اور رعایت بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ وہ ایک حدیث جو بہت عجیب فقہی مسئلہ پیدا کرتی ہے۔ ابن صہبا ابن عباس کے پاس گئے اور ایک سوال پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تین طلاق ایک گنی جاتی تھی۔ فرمایا ہاں ایسا ہی تھا۔ پھر ابن صہبا نے پوچھا کیا سیدنا ابوبکر صدیق کے زمانے میں تین طلاق ایک گنی جاتی تھی۔ فرمایا ہاں ایسا ہی تھا۔ پھر فرمایا کیا سیدنا عمر بن خطاب کے زمانے میں، تین طلاق ایک گنی جاتی تھی۔ فرمایا ہاں ایسا ہی تھا۔ لیکن جب لوگ کثرت سے طلاق دینا شروع ہو گئے تو عمر بن خطاب نے تین طلاقوں کو آخری قرار دے دیا۔ اب یہ پورے مسئلے کا پس منظر ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ نے اس وقت اس مسئلے کو اٹھایا۔ جب فوجیں ممالک روم میں کثرت سے داخل ہو رہی تھیں، اور کثرت سے لونڈیاں مسلمانوں کے ممالک میں آ رہی تھیں۔ اس وقت سیکس لائف جو ہے اس کا بہت بڑا Obsession تھا اور لوگ بات بات پر اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے۔ اور جب ان سے کچھ خواہشات پوری ہو جاتیں تو پھر اپنی بیویوں سے مصالحت کے لیے پلٹتے تھے۔ حضرت عمر بن خطاب نے جب یہ معاملات دیکھے تو کہا میں اس طرح تمہیں نہیں کرنے دوں گا۔ اس طرح تم نے طلاق کو مذاق بنا لیا اور تین طلاقوں کو انہوں نے قائل قرار دیا۔ حضرت ابوحنیفہ کے زمانے میں Exactly یہی Socio Condition جاری تھیں اس لیے جب ان تک مسئلہ آیا تو انہوں نے بھی اسی کو قائل قرار دیا مگر جب آج کے زمانے میں ہم دیکھتے ہیں تو

اتنا Religious شعور کسی مسلمان میں باقی نہیں ہے کہ وہ اپنی کیفیت کا فوری Analysis کر سکے۔ اس کے پاس یہ بھی علم نہیں ہے کہ اگر میں تین مرتبہ کہہ دوں تو پایا جاتا ہے۔ اب باقی تین آدمی جو ہیں وہ سب دستور Opinion دیتے ہیں کہ ایک وقت میں کہی گئی تین بھی طلاق ہوں ایک گنی جائے گی۔ اب آپ فرض کیجیے آپ اہلسنت والجماعت ہیں اور جب بھی آپ بات کرتے ہیں کہ ہمارے چار امام ہیں مگر Prejudice کا یہ عالم ہے کہ آپ اس سلسلے میں کسی دوسری گنجائش قبول نہیں کرتے تو میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ کو جو رعایت ملے گی وہ بھی مذہب سے ملے گی میری خواہش سے نہیں ملے گی۔ آپ نے یہاں جملہ لکھا ہے کہ جہاں اپنی پسند کا مسئلہ مل جائے وہ اپنی خواہشات کے مطابق زندگی گزارے گا یقیناً۔ مگر مجھے یہ کہنے دیں کہ مذہبی شعور سے ایک ایسا حل مل جائے جس میں ہم انتہائی پیچیدگی میں Involved ہوں تو یقیناً میں ایسا ہی کروں گا۔ اب ہم ایک اور مسئلے کو لیتے ہیں چونکہ یہ بہت Important بات ہے جو انہوں نے پوچھی ہے۔ اب میں آپ کو ایک بات بتاؤں کہ کتاب الہدایہ نکاح پہ لکھی ہے اور پہلا اس کا جملہ ہے کہ ولی کے بغیر نکاح جائز ہے۔ یہ کتاب الہدایہ کا پہلا Sentence باب نکاح کا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح جائز ہے۔ اب ہم دوسرے اساتذہ کی آراء دیکھتے ہیں۔ ابن تیمیہ نے Statement دی ہے کہ ولی کے بغیر نکاح زنا ہے۔ جب آپ یہاں دیکھتے ہیں تو آپ کا دل کہتا ہے کہ ابوحنیفہ ٹھیک کہتے ہیں، اس لیے کہ جوں جوں معیشت اور معاشرت آگے بڑھ رہی ہے لڑکیوں کی ایجوکیشن کم ہو رہی ہے۔ لڑکیاں بے حد خلوص سے محنت کر رہی ہیں۔ پڑھ رہی ہیں، پی ایچ ڈی کر رہی ہیں، ایم اے کر رہی ہیں۔ اب ان کے ولی ایک ایم اے پاس لڑکی کو پاگل، گنڈا بیلنے والے ایک لڑکے یا دوسرے کے ساتھ بیاہ دینا چاہتے ہیں۔ لڑکی روایت سے مجبور ہے۔ جبکہ وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ وہ اپنے خیال میں ایک معقول آدمی کو چنتی ہے جو اس سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اس کی ذمہ داری اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ آدمی بھی تیار ہے۔ یہاں ولی نہیں مانتے، وہاں وہ نہیں مانتی۔ ایسی صورت میں تمام تر Choices ہم نے لڑکی کو دے دی ہیں۔ ابوحنیفہ نے استنباط کیا کہ خدا کہیں بھی اپنی کتاب حکیم میں اولیاء کو خطاب نہیں کرتا۔ بلکہ جہاں بھی بات کرتا ہے مرد یا عورت سے کرتا ہے۔ یہاں ہمیں ابوحنیفہ اس دور کے مسائل کے لحاظ سے بہتر لگتے ہیں۔ آج کے دور کے مسائل کا حل یہی لگتا ہے کہ اگر ایک خاتون اور ایک مرد Sensible ہوں ایک Age کا تعین ہو، ایک دوسرے کے لیے مددگار ہوں۔ لہٰذا اگر وہ چاہیں تو اپنے انتخابات کی حمایت میں ان انتخابات کو دور رکھتے ہیں جو زندگی ان پہ چھوڑنے جاتے ہیں۔ بحران کے حل کے لیے قرآن فیصل ہے۔ تمام تر قرآن کی اس ایک آیت کی شرح ہے اور وہ آیت یہ ہے: "طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ" (سورۃ طٰہٰ آیت ۱، ۲) "ہم نے قرآن کو مشقت کے لیے نہیں اتارا" اب جو تفہیم قرآنی Senses کو شعوری طور پر انسانوں کے لیے سہل بنائے وہ درست تفہیم ہے۔ اس زمانے میں ابوحنیفہ کی مقبولیت کا ایک راز یہ تھا کہ انہوں نے قرآن کو لوگوں کے لیے سہل بنایا۔ اس کی مثال سن لیجیے۔ ایک آدمی سیڑھی پہ چڑھ رہا تھا۔ نیچے اس کی بیوی کھڑی تھی۔ اس کو طیش آ گیا۔ مردوں کے طیش کا کیا کہنا۔ اس نے کہا کہ اگر میں سیڑھی سے ایک قدم نیچے آؤں تو تجھے طلاق ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے یہ خیال آیا کہ وہ کیا کہہ بیٹھا ہے

اب وہ سیڑھی پہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ بیوی نیچے غل مچا رہی ہے۔ یا اللہ یہ کیا کیا اس نے۔ اب نیچے اترتا ہے تو

طلاق ہے اور اوپر وہ جا نہیں سکتا۔ کہاں تک جائے گا۔ ابوسفیان ثوری کے پاس یہ مسئلہ چلا گیا۔ آپ نے دیکھا کہا طلاق مطلق ہو گئی کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے کہ طلاق بچ سکے۔ لوگ پھر بھاگے بھاگے ابوحنیفہ کے پاس گئے۔ انہوں نے فرمایا مجھے وہاں لے چلو۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے اس شخص سے پوچھا کہ اس نے کیا کہا تھا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ اس نے کہا تھا کہ اگر وہ اس سیڑھی سے نیچے اترے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو۔ انہوں نے کہا اچھا ایسا کرو کہ ایک سیڑھی اور لگاؤ۔ وہ اس سیڑھی کے درمیان میں رہے اور اس سے کیونکہ اس سیڑھی سے بالکل سیدھا دوسری سیڑھی پہ آ کے نیچے اتر آئے۔ اس طرح Condition ختم ہو گئی۔ یہ عیاری نہیں ہے۔ آپ کے نزدیک شاید یہ عیاری ہو اور ایک Rigid مولوی بھی کہے گا کہ اترے یا اترے آؤ طلاق ہو گئی ہے مگر ابوحنیفہ نے معاملے کو بچا لیا۔ یوں بچا لیا کہ ایسا تو نہیں کہ قرآن ان باتوں کو ہوا دیتا ہے۔ آپ دیکھیے قرآن کیا کہتا ہے۔ ایوب نے قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی کو سو دُرّوں سے مارے گا لیکن بعد میں افسوس ہوا کہ اس دنیا میں اس نے میری خدمت کی ہے، مجھ سے محبت کی ہے تو وہ میری بیوی ہے۔ اور قسم بھی پوری کرنی ہے تو اللہ نے کہا ایوب ایسا کرو کہ سو تنکے لے اور ان کو ایک جگہ باندھ دو اور ان سے ایک دفعہ بیوی کو مار لے قسم پوری ہو جائے گی۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ پوری ہو جائے گی۔ ماشاء اللہ، اللہ نے جب اپنے بندے کا مسئلہ ٹھیک کرنا چاہا تو کتنی آسانی سے کر دیا۔ اصل میں بات یہ ہے کہ قانون انسان کی فلاح، بہتری اور نرمی کے لیے ہوتا ہے۔ رب کعبہ کی قسم ہے کہ آپ غلط سمجھتے ہیں کہ قانون سزا کے لیے ہے۔ قانون آپ کو سیف ایریا سے ڈینجرس ایریا کی طرف جانے سے روکتا ہے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ گناہ وثواب اللہ پہ اثر رکھتے ہیں تو قطعی نہیں رکھتے۔ آپ بار بار قرآن پڑھ جائیں آپ اللہ کو کہتے پائیں گے کہ تمہاری نیکیوں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں جیسے ہم سوچتے ہیں۔ یا اللہ میری نیکی کا تجھ پر کوئی اثر نہیں تو پھر میں جھک مار رہا ہوں جو نیکی کی کوشش کر رہا ہوں۔ کہتا ہے تمہاری نیکی تمہارے لیے، تمہاری برائی تمہارے لیے ہے۔ تو پھر اللہ نے ہم سے کیا کہا ہے۔ کیا آپ کو عجیب نہیں لگتا کہ میری نیکی میرے لیے، میری برائی میرے لیے تو پھر اللہ نے تخلیق انسان سے کیا مقصد حاصل کرنا ہے۔ درحقیقت وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ گناہ وثواب Effects ہیں۔ میں نے تمہیں ایک ایریا دے دیا ہے جسے آپ ثواب کہتے ہیں یہ Safe Area ہے۔ اس سیف ایریا کے باہر جتنی چیزیں ہیں وہ چاروں طرف خطرے ہیں۔ اللہ کہتا ہے زنا، شراب، چوری کو دیکھو یہ اگر تم اس ایریا سے باہر نکلو گے تو خطرات میں چلے جاؤ گے۔ تم اس بھیڑ کی طرح ہو جو ریوڑ کے کنارے چلتی ہے اور شیطان کسی وقت اسے اچک کے لے جائے گا۔ یہ ایریا Safe ہے اور اگر خدانخواستہ اس Safe Area سے تم نکل کر خطرے کے ایریا میں چلے جاؤ تو ایک بڑی پرانی اساطیر الاولین میں Prometheus کی مثال ہے۔ Sphinx کی مثال۔ Labyrinth کی مثال ہے کہ جو بھول بھلیوں میں داخل ہوتا گیا یوں کہ وہ واپس نہیں آ سکتا تھا۔ ہیرو جب جانے لگتا ہے تو چھوٹی سی لڑکی اسے کہتی ہے کہ یہ دھاگہ ساتھ لے جاؤ اور اس دھاگے کو شروع میں کہیں باندھ جانا۔ جب تم واپس ہو کر رستہ بھول گئے ہو تو دھاگا لپیٹنا شروع کر دینا۔ تمہیں رستہ مل جائے گا اور بالآخر تم Labyrinth سے باہر آ جاؤ گے۔ آخر کار یہی ہوا کہ وہ صحیح سلامت Maze سے باہر آ گیا۔ خداوند کریم بھی یہی کہتا ہے کہ جب اگر تم سیف ایریا سے باہر نکل کر خطروں کے ایریا میں چلے گئے ہو تو توبہ اور مناجات کا دھاگا ساتھ رکھنا تاکہ تم خطرے سے نجات حاصل کر سکو۔ جیسے اقبال نے مسلمانوں کے بارے میں کہا ہے کہ یہ وہ مقبول قوم ہے کہ جب یہ جوان

ہوتی ہے تو بہت دور نکل جاتی ہے۔ بڑے بڑے عشق کرتی ہے، بڑی بڑی بغاوتیں کیا کرتی ہے۔ ابا کے خلاف، اماں کے خلاف، اللہ کے خلاف، حکومت کے خلاف، کوئی جرأت رندانہ میں پڑا ہوا ہے۔ ہر کوئی کسی نہ کسی صورت۔ لیکن جب شام پڑتی ہے اور خوف کے سائے بڑھتے ہیں، جب دن ڈھل گیا ہوتا ہے، مستیاں چالاکیاں دور رفتہ کی یادگار ہو گئیں۔ اب حضرت نے پلٹنا چاہا تو اقبال اس کی مثال دیتا ہے کہ

چو آں مرغے کہ در صحرا سر شام
کشاید پر بہ فکر آشیانہ

کہ اس پرندے کی طرح جو صحرا میں بہت دور نکل جاتا ہے لیکن جب شام ہوتی ہے تو پھر وہ اپنے گھونسلے کی فکر کرتا ہے۔ اسی طرح مسلمان کا عالم ہے کہ دور جوانی میں بہت دور نکل جاتا ہے۔ کبھی Dogmatic بنتا ہے، کبھی Skeptic بنتا ہے، کبھی سوشلسٹ، کمیونسٹ بنتا ہے مگر جب شام پڑتی ہے اور عذاب و ثواب کے سائے لہرانے شروع ہوتے ہیں پھر اللہ کی اور گنبد خضریٰ کی یاد آتی ہے۔ پھر اللہ کا خوف آنا شروع ہوتا ہے۔ پھر مصلّی اور لوٹا ہاتھ میں آ جاتا ہے۔ اگرچہ کافی وقت گزر گیا ہوتا ہے۔

خواتین و حضرات! میں قطعاً یہ نہیں کہتا کہ آپ اپنی خواہشات سے مسائل کو حل کریں۔ میں کہتا ہوں کہ ان آئمہ اور فقہا نے جنہوں نے بڑے غور و خوض کے بعد They were specialists in the law of Islam اگر انہوں نے آپ کے لیے کچھ گنجائش پیدا کی ہیں تو آج کے دور کی معیشت اور معاشرت آج کی تعداد یہ تقاضا کرتی ہے کہ جہاں سے بھی ہمیں آسانی سے ملے، ہم اللہ کے شکر کے طور پر قبول کریں۔ اب ایک شخص ہے جو غرور میں پوری نماز پڑھتا ہے۔ اور ایک شخص اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور قصر پڑھتا ہے، آپ کا کیا خیال ہے اللہ شکر کرنے والے کو قبول کرے گا یا اس متکبر کو قبول کرے گا جو اللہ ہی سے رعایت نہیں لیتا۔ یہ سوچنا پڑتا ہے۔

دور جدید میں اسلامی کلچر کا مسخ شدہ چہرہ!

سوال: آپ نے دور جدید میں اسلامی کلچر کے مسخ ہونے کی بہت سی وجوہات بیان کی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ Prevailing System کا قصور ہے۔ اگر ایسا ہے تو اسلامی کلچر کے اس سسٹم کو ٹھیک کرنے کے لیے نقطہ آغاز کیا ہوگا؟

جواب: یہ بھی سوال اچھا ہے۔ میرے اپنے خیال میں سب سے مظلوم فلسفہ جو دور حاضر میں جا رہا ہے وہ اسلام ہے اور اس کی Main وجہ یہ ہے کہ تمام سسٹم پورے پورے وارد ہوتے ہیں۔ صرف اسلام ایک ایسا سسٹم ہے جو ہمیشہ پارٹس میں آتا ہے۔ ایک ایک کر کے۔ اب آپ دیکھیے سوشلزم، کمیونزم پورا پورا آیا۔ کیپٹلزم پورا پورا آیا مگر اسلام کی Tragedy یہ ہے کہ ایک اصول یا اس کو آپ نے قانون بنا دیا اب وہ قانون جو ہے، وہ متحارب قوانین کے شکنجے میں ہے۔ جیسے کوئی شیر ہو اور یقیناً جنگلی کتوں کے جنگل میں آ گیا تو وہ شیر کو بھی چیر پھاڑ دیتے ہیں۔ ایک اسلامی قانون ہوتا ہے ایک Hundred of secular laws میں چلا جاتا ہے اور پھر ہمیں کہا جاتا ہے کہ دیکھو تم نے اسلام نافذ کیا

تھا۔ کامیاب نہیں ہوا۔ دوسری طرف اگر آپ دیکھیں تو اسلامی قوانین کے نافذ کرنے والے اور اس کو آگے بڑھانے والے ہیں وہ بہت Rigid ہیں کہ سیکولرازم ان کے خلاف بڑی نفاست سے پراپیگنڈہ کرتا چلا جاتا ہے کہ اگر ان مسلمانوں نے آنا ہے تو ہم ان سے بچ نہیں سکیں اگر ان لوگوں نے آپ کو اسلام دینا ہے تو ہم اس سے بچ نہیں سکتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اسلام اس بدنصیب مسلک کی طرح ہے جس کو کسی زمانے میں کوئی Proper Justified Atmosphere نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ نے سختی سے ممانعت کی ہے۔ فرمایا "یایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ" (البقرۃ ۲۰۸) کہ اے لوگو! اگر اسلام میں داخل ہونا ہے تو پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ By Parts اسلام نہیں۔ By Parts دنیا کا کوئی سسٹم نہیں چل سکتا۔ فی السلم کافۃ کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ایک سسٹم ہے اس میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ جب آپ Religion کو چاہیں گے تو تمام Anti religion systems شیطان کے ہوں گے۔ یہ آیت نشاندہی کر رہی ہے کہ جب آپ اسلام کو چاہیں گے تو تمام Anti Islamic Systems شیطانی ہیں۔ سیکولرازم ہو یا کمیونزم ہو، کوئی چیز بھی ہو، وہ شیطانی سسٹم ہے۔ کیوں؟ اس لیے شیطانی سسٹم ہے کہ ایک تو اپنی افادیت کو ثابت کر رہے ہیں اور دوسرے آپ کے Singular Law کو Failure ثابت کر رہے ہیں۔ یہ اللہ کے قانون کے ساتھ ناانصافی ہے۔ اسلام ایک اعلیٰ ترین مذہب کی حیثیت سے Religion ہے۔ آپ اسے لاء سے Exercise کیجیے۔ اس کے بعد اگر وہ فیل ہو جائے تو اسے Forever ترک کر دو۔ میں آپ کو بتاؤں، اسلام کے حوالے سے مجرم کے ہاتھ کاٹنے پر بڑا اعتراض ہے۔ مجرموں کے متعلق بہت شور ہے لیکن یورپ میں مجرموں کی اصلاح کے لیے جیلوں کے اندر Psychiatric House بنا دیے ہیں۔ اصلاح ہو رہی ہے۔ جرائم کیے جا رہے ہیں۔

پچیس سال کے بعد موت کی سزا معطل کر دی گئی ہے۔ جسے منکرین نے ظالمانہ اقدام قرار دیا تھا اور بدقسمتی سے کہا جاتا ہے کہ یہ اسلامی سزائیں ظالمانہ ہیں۔ انسان کو کہا گیا ہے سوچو، غور کرو اور اپنی اصلاح کرو اپنے اعمال کو درست کرو۔ انہوں نے سسٹم دیا لیکن پچیس سال کے بعد Ultimately نیویارک کے کونسل آف سٹیٹ نے دوبارہ موت کی سزا نافذ کر دی۔ وہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ انہوں نے اس عرصے میں جتنے بھی سسٹم موت کی سزا کے خلاف کیے تھے یا جتنے بھی Humantarian Concepts متعارف کرائے تھے وہ ورک نہیں کرتے۔ قتل و غارت بڑھ گئی ظلم و ستم بڑھ گیا اور اس معاشرے میں ظلم و ستم چوری چکاری اور ظلم اتنا ہے کہ جب میں وہاں پڑھا رہا ہوتا تھا تو ہر کوئی پیچھے دیکھ رہا ہوتا تھا۔ مجھے بھی پیچھے دیکھنے کی عادت پڑ گئی تھی۔ میں نے اس کا Analysis کیا کہ باقی بھی پیچھے دیکھ رہے ہیں۔ میں نے سوچا کہ باقی کیوں پیچھے دیکھ رہے ہیں تو پتا چلا ہر وقت ہر کسی کو چھری کا خطرہ ہے یعنی اس معاشرے میں اس قدر خوف ہے کہ سڑک پر خوف اور دہشت کے بغیر چلنا دشوار ہے۔

They had no other option, so they introduced the death penalty again.

ہم یورپ کے دانشوروں کو کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے کہ آپ ایک Human Attitude رکھتے ہو۔ ہمیں بتاؤ کہ تم نے Capital Punishment کے خلاف کیا کیا؟ کیا دریافت کیا اور کیا حل نکالا؟ جب تم نے خود ہی اپنے نافذ کردہ قوانین سے اپنے معاشرے کے جرائم پر قابو نہ پایا۔ اس وقت دنیا میں سب سے بڑا Crime Rate نیویارک میں

ہے۔ اتنی بڑی یونیورسٹی، اتنا [illegible] لیکن Attitude کہ ایک چوہے کو بھوکا مرنے نہیں دیتے لیکن ان کے ہاں دنیا جہان سے زیادہ آرام دیتے ہیں۔ اتنے زیادہ آرام دینے کے باوجود بھی لیکن اپنا اس معاشرے میں ایک مکمل سسٹم ہے اس لیے نہیں ہے نہیں اس سسٹم کی خوبیاں بھی موجود ہیں اور اس کی خوبیاں اس کی برائیوں کو کھا جاتی ہیں۔ آپ نے قرآن نہیں پڑھا۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جب کوئی برا کام کرو تو ساتھ اچھا کام کرو۔ تیری اچھائی تیری برائی کو حمایت لے لی قوانین کے سسٹم میں انصاف، برداشت اور بہت سی ایسی خوبیاں ہیں جو بڑے سے بڑے جرم کو کھا جاتی ہیں۔ آپ اسلام کا ایک قانون لاتے ہیں لیکن باقی ارد گرد کے Supportive Laws اسے ناکام کر دیتے ہیں۔ وہ ایک یتیم کی طرح بے چارگی میں ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا ہے۔ پھر خود ہی اسلامی قانون کہتا ہے کہ میں ناکام ہوا۔ میری جان چھوڑو اور میری جگہ کوئی سیکولر قانون لے آؤ۔ This is the reason of the fault.

رسالت اور علمیت

خواتین و حضرات! فیصل آباد متعدد بار آنا ہوا اور یہاں آنا میرے لیے بہت آسان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بلایا اور میں حاضر ہو گیا۔ بعض اوقات لگتا ہے کہ شاید میں یہاں آنے کا انتظار کر رہا ہوتا ہوں۔ یہ صورت حال کسی اور شہر میں واقع نہیں ہوئی تھی اور ہمیشہ لوگوں کو یہ گلہ رہتا ہے کہ بار بار بلانے کے باوجود ہم انہیں ٹال دیتے ہیں۔ Exactly۔ آپ یقین جانیے کہ مجھے اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ مجھ میں اور فیصل آباد کے درمیان زمان و مکان کا کوئی بعد کیوں نہیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ نے ایک بار پھر مجھے دعوت دی اور آپ کی مہمان نوازی کا مجھے شرف حاصل ہوا۔ سننا بلانے کے برابر ہے اور سننا مہمان ہونے کے برابر ہے اور آپ جس توجہ سے مجھے سنیں گے اس کی داد میں پہلے سے آپ کو دے دیتا ہوں۔

خواتین و حضرات! آسمانوں اور زمینوں میں بہت بنیادی فرق ہے۔ آسمانوں پر ترقی اور تنزل کے مدارج اور ہیں، زمین پر ترقی اور تنزل کے مدارج اور ہیں۔ آسمانوں پر عزت، افتخار، ترقی، عظمت اور محبوبیت علم سے طے ہوتی ہے۔ زمین پر اقتدار سیاست سے ہے۔ یہ ایک بہت بڑا فرق ہے جو زمین و آسمان کے مابین ہے۔ اور زمین پر چنگیز و ہلاکو ممتاز و منفرد ہیں لیکن آسمانوں پر ان کی کوئی گنجائش نہیں۔ آسمانوں پر جبرائیل و میکائیل جیسے لوگ منفرد و ممتاز ہیں۔ پروردگار عالم نے فرمایا کہ ان کے نزدیک اقدار میں سب سے بڑی قدر، عزتوں میں سب سے بڑی عزت اور فضیلتوں میں سب سے بڑی فضیلت علم ہے "نرفع درجات من نشاء و فوق کل ذی علم علیم" (یوسف، آیت ۷۶) ہم زمین و آسمان میں درجات علم پر قرار کرتے ہیں اور جس کے درجات چاہتے ہیں بڑھاتے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔

خواتین و حضرات! زمین پر حکومتیں اور اقتدار Services کا انتخاب کرتا ہے اور آسمان پر ان منازل کا انتخاب اللہ کرتا ہے۔ زمین پر اگر Civil Services میں اور ان کے چناؤ کے معیار سٹیٹ سے وفاداری ہے، مخلوق کے کاموں کو سر انجام دینا ہے، دیانت اور فرض شناسی ہے تو آسمانوں پر Selection کا سب سے بڑا اصول علمیت ہے۔

"لم تقولون ما لا تفعلون" (الصف، آیت ۲) کہ جب کسی بندے کا، یا کسی پیغمبر کریم یا امام کے لیے ایسے بندے کو چنا جاتا ہے جس کا منصب تعلیم دینا، تلقین کرنا اور پیغام پہنچانا ہے یا رسالت عطا کی جاتی ہے تو اس کے لیے جو شرط رکھی جاتی ہے وہ اس کے کردار اور علم میں ہم آہنگی اور توازن ہوتا ہے۔ کسی پیغمبر میں قول و فعل کا تضاد نہیں ہوتا یہی وہ مثال یا تخصیص اور ہم آہنگی ہے جو ہمیشہ کسی بھی پیغمبر کو دوسرے انسانوں سے ممتاز اور منفرد کرتی ہے۔ خواتین و حضرات! زمین پر ہر پیغمبر اپنے معاشرے کا ذہین ترین انسان ہوتا ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ بہت سارے لوگ

پیغمبروں کی ذہانتوں کے قائل ہونے کی بجائے ان کے معجزات اور رسالت کے قائل ہوتے ہیں۔

خواتین و حضرات! پیمانہ فقط رسالت نہیں ہے بلکہ اصل پیمانہ جس کی وجہ سے پیغمبر چنا جاتا ہے، خلاقیت کا عمل ایک ایسا ذہن ہوتا ہے جو [illegible] سے پہلے اپنی ترجیحات خود متعین کرتا ہے، وہ ایک ایسا عالم اور دانشور ہوتا ہے جو اگر پیغمبر نہ بھی ہو تو اپنے معاشرے کا ذہین ترین انسان ہوتا ہے۔

خواتین و حضرات! ایک فرد کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ اپنے زمانے کے رسم و رواج کے خلاف بغاوت کرے۔ اس شخص کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ اتنا بڑا خطرہ مول لے۔ وہ اپنی زندگی کو کیوں ایک ایسے سانچے میں ڈھالے جس سے اسے معاشرے کی دشمنی کا سامنا ہو۔ جس سے مخالفتوں کے دروازے کھل جاتے ہوں۔ جس سے اسے طعن و تشنیع کے زہر آلود تیر سہنا پڑتے ہوں۔ جس سے اس کی زندگی ایک مسلسل اذیت بن جاتی ہو۔ جس سے اس کے لیے در و دیوار سے پتھر برستے ہوں اور جس سے اسے راستے میں بکھرے نفرت کے کانٹوں پر مسلسل گھسیٹا جائے۔ اس شخص کو اتنا بڑا Claim کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس شخص کو ایسی انفرادیت قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے جس کے نتیجے میں اس پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جائے۔ مگر خواتین و حضرات ان لوگوں کا شمار ذہین و فطین لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں خدا اگر اس زمین پر رسالت سے ممتاز نہ بھی کرے تو یہ وقت سے پہلے اپنے معاشرے کے بہت بڑے نقاد ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے معاشرے کے تمام رسم و رواج کو پرکھا ہوتا ہے۔ ان کی ذہانتوں نے تب بھی معاشرے کے دجل و فریب کو اچھی طرح جانچا ہوتا ہے۔ اگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فراعنہ مصر کے تمرد اور انا کو بہت پہلے سے دیکھا ہوا تھا تو تب ہی نے ان Tax Collective بیوروں کی ایک ایک حرکت کو اپنے ذہن میں رکھا ہوا تھا اور آقائے رسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب معاشرے کے جہل اور اس کی تاریکیوں سے بہت اچھی طرح آگاہ تھے۔

خواتین و حضرات! ہر پیغمبر کا ایک دائرہ عمل ہوتا ہے۔ **"تلک الرسل فضلنا بعضهم على بعض"** (البقرۃ ۲۵۳)

ایک پیغمبر شاید ایک شخص کی ہدایت کے لیے آیا۔ ایک پیغمبر شاید کچھ لوگوں کی ہدایت کے لیے آیا۔ کوئی پیغمبر ایک قبیلے اور گروہ کے لیے آیا۔ کوئی پیغمبر ایک قوم کے لیے آیا۔ مگر بلاشبہ ہر پیغمبر اپنی قوم کا ذہین ترین انسان ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ کی نگاہ انتخاب اس شخص پر پڑتی ہے اور ذہانت انسان کی زندگی میں اعتدال دیتی ہے۔ ذہانت ہی انسانی زندگی میں ترجیحات کے تعین میں مدد دیتی ہے۔

خواتین و حضرات! اگر پیغمبر ذہین نہ ہوتے اور ان کے اردگرد بڑے بڑے دانشور اور ذہین لوگ ہوتے تو پیغمبر احساس کمتری سے مر جاتے۔ اگر ان کے اذہان غیر معمولی نہ ہوتے اور وہ ذہنی طور پر اپنی مخالف طاقتوں کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب نہ دے پاتے تو یقیناً کوئی پیغمبر بھی اپنے معاشرے میں ایک احساس برتری اور وقار سے نہیں پنپ سکتا تھا اس لیے اللہ نے اپنے پیغمبروں اور رسولوں کے لیے جو سب سے پہلا criteria رکھا وہ یہی تھا کہ یہ زمانے میں اپنے معاشرے کے ذہین ترین انسان ہوتے ہیں

These poeple are the top intellectuals of their own society whatever the time may be, whatever they may be

اور وقت کی بدلتی ہوئی قدروں کے ساتھ جیسے جیسے معاشرے کی ذہانتوں کے معیار بدلتے ہیں ویسے ویسے پیغمبروں کے علم اور منصب کے معیار بھی بدلتے رہتے ہیں مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات مختلف ہے۔ خواتین و حضرات! خاتم النبیین تک آکر یہ انقلاب آیا ہے کہ ان کے بعد مزید کسی پیغمبر کا آنا محال تھا۔ یہ ایک ایسی Maturity تھی جو انسان زمانہ حجر سے اپنے ساتھ لیے آ رہا تھا۔ یہ ایسی کم علمی تھی جو وقت کے ساتھ ساتھ Mature ہو رہی تھی۔ وہ انسان جو Chimpanzee کے دماغ سے چلا تھا اس Maturity تک پہنچ گیا تھا کہ اب وہ خود ہی علم کو اپنے اندر سموتا تھا۔ اب اس کو ایک Final Message کی ضرورت تھی۔ اس Final Message کے لیے خواتین و حضرات جس پیغمبر کو چنا گیا تھا اور جس محترم شخص کا انتخاب کیا گیا تھا اس کے بعد پھر کوئی پیغمبری تھی اور نہ کوئی رسالت تھی۔ اس لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر زمانے کے عظیم دانشور رہے ہیں۔ الغرض قدیم و جدید اور مشرق و مغرب میں ہر وقت کے لیے ایک عظیم ترین ذہن کا انتخاب ہوا جس کا مقابلہ خواہ وقت کے انسان اور رسول سے ہو، خواہ کسی ولی سے ہو یا کسی بھی زمانے کے کسی Politics سے ہو۔ ایک ایسا انسان چنا گیا ہے کہ جس کی ہر قسم کی کوالٹی آنے والی جملہ انسانیت سے بھی بہتر ہو اور وہ پرانی ذہانتوں کا بھی سردار ہو اور مستقبل کی ذہانتوں کا بھی علمبردار ہو اور جس کے ذہن پر یہ ثبت ہو گئے کہ اس کی علت یا ہے۔

خواتین و حضرات! یہ تعجب کی بات ہے جب ایک امتی اپنے پیغمبر کے بارے میں سوال کرتا ہے کہ اس کا علم کتنا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جو ایمان کے ضائع ہونے کا ہے۔ شاید میں اس نقطے کی طرف دوبارہ پلٹوں۔ علم کے دو نشان ہیں۔ علم وہی پائیدار ہے جس میں گہرائی ہو۔ اور گہرائی یہ نہیں کہ ایک سنچری میں دیوتا پایا اور پھر اگلی سنچری میں بھلا دیا۔ وہ تمام قدیم دیوتا جن کو لوگوں نے خدائی کا درجہ دیا اور ان کو خدائی کے Title بخشے مگر Greek Mythology آگئے تو نہیں رہتی اور وہ خدائے واحد اپنے ماحول اور معاشرے سے آگے نکل گیا۔ اللہ کا یہ وہ تصور ہے جو ہر دور میں ایک نئے رنگ اور ایک نئی تمکنت کے ساتھ زندہ رہا اور ایک غیر معمولی رفتار کے ساتھ مختلف شکلوں میں ہر طرح کے معاشرے میں سفر کرتا رہا۔ یہ ایسا اللہ ہے جو زمانوں میں کبھی انسان سے جدا نہیں ہوا۔ یہ Anthropology کا Converted God نہیں ہے۔ یہ ضرورت انسان والا تصور خدا ہے۔ یہ تو وہ فعال مطلق اور قائم اللہ ہے جو زمانے میں ہمیشہ رہا ہے اول رہا، آخر رہا، طوفان نوح سے پہلے رہا، طوفان نوح کے بعد رہا۔ کیا عجیب بات ہے کہ یہ وہ اللہ ہے جو فقط کشتی کے چند مسافروں کے پاس تھا۔ کیا عجیب بات ہے کہ تمام دنیا غرقاب ہوئی اور وہ چند لوگ جو اللہ کے نام لیوا تھے، جو کشتی نوح میں سوار تھے جو "بسم اللہ مجرھا و مرسھا ان ربی لغفور رحیم" ہود آیت ۴۱ پڑھ رہے تھے اور انہی کے توسط سے شاید کوئی یا علم الاصنام شروع ہوا ہو کسی نے دیوی دیوتا شروع کیے ہوں لیکن انہی لوگوں کے توسط سے خدائے واحد کا تصور پھر شروع ہوا۔

خواتین و حضرات! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی عطا اور کرم کے تحت ایک ایسے عالم بے بدل کی حیثیت سے سامنے آئے کہ جن کی نظیر زمین و آسمان میں کہیں نہیں ملتی ہے۔ آپ سے پہلے دونوں جہانوں میں اتنا ذہین

انسان نہیں گزرا تھا۔ اگرچہ انہوں نے زندگی بھر کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی مگر انہوں نے اپنے بارے میں ایک چھوٹا سا جملہ کہا ہے کہ خدا نے مجھے قلم عطا فرمایا اور تھوڑا سا کلام مگر بے حد معنی عطا فرمائے

خواتین و حضرات اس علم کی گہرائی کہاں جاتی ہے۔ کیا یہ علم کہاں Big Bang سے آگے نہیں جاتی۔ یا اللہ کا عطا کردہ علم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام علمی جہتوں کی تکمیل کر سکتا ہے۔ اور یہ انسان تحقیق کے تمام مراحل سے گزر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ Compton نے بڑی حسرت سے کہا تھا کہ کاش! مجھے اس ایک لمحے کا پتا لگ جائے کہ Big Bang سے پہلے کیا تھا تو وہ پوری کائنات کی تفصیل بیان کر سکتا ہے۔ خواتین و حضرات! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تخلیق سے پہلے کا علم تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جانتے تھے کہ اللہ نے سب کیا بنایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی Guess Work نہیں کرتے تھے بلکہ قرآن میں یہ بات اللہ نے کہی ہے کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں تھی۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ اے میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخلیق زمان و مکان سے پہلے، اشیا کی تخلیق سے پہلے، مادے کی تخلیق سے پہلے اور زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے کیا تھا۔

واخرج الطيالسي واحمد والترمذي وحسنه وابن ماجة وابن جرير و ابن المنذر وابو الشيخ في العظمة وابن مردويه و البيهقي في الاسماء والصفات عن ابي رزين رضي الله عنه قال قلت يا رسول الله اين كان ربنا قبل ان يخلق خلقه قال كان في عماء ما تحته هواء وما فوقه هواء وخلق عرشه على الماء قال الترمذي رضي الله عنه العماء اي ليس معه شيء (حوالہ جات: (1) سنن الترمذی رقم الحدیث 3109، (2) مسند احمد رقم الحدیث 16233، (3) مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ ج2 ص275)

اللہ میاں اس وقت کیا کر رہے تھے؟ کیا کائنات بنا رہے تھے؟ Guess Work کر رہے تھے۔ کیا کر رہے تھے؟ جب زمین و آسمان بھی نہیں تھے، انسان بھی نہیں تھے، آب و ہوا بھی نہیں تھی تو اس وقت اللہ کیا کر رہے تھے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا اللہ اس وقت دھند میں تھے۔ یعنی اللہ ایک پانی میں تھا جس میں دھواں ملا ہوا تھا۔ اس کے اوپر بھی ہوائیں تھیں اس کے نیچے بھی ہوائیں تھیں۔

انسان نے بڑی ترقی کی He chose the hard way, worked very hard over 3000 years

تین ہزار سال کی اس تاریخ میں انسان نے اپنی محنت شاقہ کے بعد Big Bang کا سراغ لگایا اور جب یہ اندازہ لگایا کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے کیا تھا تو پتا لگا کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے Moisturized Gases تھیں۔ دھواں تھا، پانی ملا ہوا دھواں۔ ما تحته هواء وما فوقه هواء۔ آسمان اور زمین میں ہوا تھی، بادل تھے۔ پھر یہ بادل ٹکڑے ٹوٹے، تقسیم ہوئے پھر ان بادلوں نے جڑنا شروع کیا۔ پھر ان بادلوں سے کائناتی وجود تخلیق ہوئے۔ اور اگر آپ غور کیجیے تو ظاہر ہے کہ آقا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو Physical Sciences کی Termnology تو نہیں پڑھانے آئے تھے۔ مگر اس سادہ سے بیان میں کان في عماء ما تحته هواء وما فوقه هواء کہ سب تخلیقات سے پہلے اللہ

میں تھا، دھند میں تھا، بادلوں اور بخارات میں تھا اس کے اوپر ہوا تھی اس کے نیچے ہوا تھی۔ پھر پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جو کائنات تو بن گئی۔ اس کے بعد اللہ کہاں تھا۔ فرمایا سب سے پہلے تو اللہ تھے۔ ظاہر ہے کہ اس اللہ کو میں تشبیہ میں Explain نہیں کر سکتا۔ Obviously ذہن وہ سوال نہیں اٹھا سکتا جس کے لیے اس کے پاس Data نہ ہو۔ میں Explain کرنا بھی چاہوں تو میں اپنے طالب علموں کو یا اپنے احباب کو وہ سوال Explain نہیں کر سکتا کہ جس کے لیے نہ میرے پاس Data ہے اور نہ ان کے پاس ہے۔ ذہین آدمی کو سر درد صرف اس لیے شروع ہو جاتا ہے کہ وہ سوال جو اٹھاتا ہے اس کا حل اس کے پاس نہیں ہوتا۔ سوال کا بوجھ زیادہ اور ذہن بے چارہ اس قابل نہیں۔ فرمایا سب سے پہلے تو اللہ تھا اور اس کا عرش پانی میں تھا اور ایک کام اللہ کر رہا تھا اس وقت۔ خواتین و حضرات غور کیجیے پانی میں یوں تھے اور آپ قرآن شریف پڑھیے تو خداوند کریم فرماتے ہیں، پڑھیے ابھی وہ Degrees کی Explanation اللہ نے اس طرح کی "ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقنهما" (الانبیاء، آیت ۳۰) پہلے تو سب ایک Mass تھا، اور زمین و آسمان کا ایک وجود تھا۔ تمام کائنات ایک وجود تھی پھر ہم نے انہیں پھاڑ کر جدا کر دیا ان کو علیحدہ علیحدہ کر دیا اور پھر "وجعلنا من الماء كل شيء حي" (الانبیاء، آیت ۳۰) پھر ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا۔ غور فرمایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کی بات کو کیا خوب Explain کر دی کہ سب سے پہلے اللہ تھا پھر اس کا عرش پانی پر تھا۔ وہ اپنی بلندیوں سے نیچے آیا۔ اس نے تخلیق کا عمل شروع کیا اور سب سے پہلے زندگی کو پانی سے تخلیق کرنا شروع کیا۔ عمل تخلیق کے دوران اس نے ایک اور کام کیا۔ وہ کام بڑا Important تھا کہ جس مخلوق کو زمین پر بھیجا جائے، جس حیات کی شروعات زمین پر کی جا رہی تھی، کیا اس کی زندگی کے اسباب بھی پیچھے پہنچائے جا رہے تھے؟ کیا اس زندگی کا بندوبست بھی کیا جا رہا تھا؟ کیا اس کے رزق، اس کے روزگار، اس کے مقامات، اس کے تعین، اس کا رہنا سہنا، اس کی بقا کا بندوبست بھی اللہ میاں کچھ کر رہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اب سے پچاس ہزار سال پہلے کی مخلوقات کو جب زمین پر بھیجا گیا تو اللہ نے ان کی تمام زندگی کے اسباب اور قوتوں کا ذکر کتاب محفوظ میں لکھا۔ جو آبادی پیچھے نسلوں نے کرنی تھی۔ خواتین و حضرات! آپ کے لیے لوح محفوظ ایک عجیب لفظ ہو گا اگر غور کیا جائے تو اس دنیا کے ماسٹر پلان کا نام لوحِ محفوظ ہے۔ اس دنیا میں زندگی تخلیق کرنے سے پہلے لوحِ محفوظ تیار ہوئی۔ قیامت تک جن لوگوں نے آنا تھا، ان کا نام لکھا گیا۔ رزق کہاں سے ملنا تھا، ان کا رزق لکھا گیا۔ کس کو کون سے ماں باپ دینے تھے، ان کے نام دیئے گئے۔ زندگی کی ترتیب کیا ہو گی، اس کے حساب لکھے گئے۔ ایک ایک مقام لکھا گیا۔ ایک ایک پیشہ لکھا گیا۔ کس نے کہاں پہنچنا تھا لکھا گیا۔

خواتین و حضرات! اقبال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام، اگر Protocol پہلے سے نہ لکھا جاتا تو پھر یہ دنیا ایک Jumble بن جاتی۔ کس نے کس کے گھر پیدا ہونا تھا اگر نہ لکھا جاتا تو آسمانوں سے بچے گرتے۔ کس کے گھر پیدا ہوتے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ انسان اور دوسری مخلوقات کے بچوں میں کتنا فرق ہے۔ باقی مخلوقوں کے بچے تو پیدا ہوتے ہی دوڑنے لگتے ہیں لیکن انسان کا بچہ اس قابل نہیں ہوتا، اس کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لیے سات سے دس برس چاہئیں۔ کون اس مقدر کا قائل ہے۔ کون کہتا ہے کہ میں مقدر سے انجان ہوں۔ کیا اس نے باپ کو دیکھا، ماں کو دیکھا، کیا اس

نے پیدائش کے ماحول کو دیکھا۔ یا اگر زمانہ قدیم میں سب کو پیدا ہونے کا اختیار ہوتا تو سب قارون کے گھر میں پیدا ہوتے اور آج کے لوگ Bill Gates کے گھر میں پیدا ہوتے۔ یہ اختیار اللہ نے کسی کو نہیں دیا۔ یہ تو زندگی کا انجام ہے جو اللہ نے کسی کے حوالے نہیں کیا۔ ایک ایک لفظ لکھا گیا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سارا کچھ لکھا ہوا ہے تو ہم کیا کرنے آئے ہیں۔ ہم کیا کریں؟ فرمایا تمہیں کیا کرنا ہے۔ اللہ نے جس کام تک انسان کو پہنچانا ہوتا ہے اس کی Motivations، ارادے اور قوت کو اس کام کے لیے مضبوط کر دیتا ہے۔ اور خواتین و حضرات قرآن میں اللہ نے کہا ”ما من دآبة الا ھو اخذ بناصیتھا“ (ھود آیت ۵۶) زمین و آسمان میں ایسا کوئی ذی حیات نہیں ہے ایسا کوئی زندہ جانور نہیں ہے، ایسا کوئی انسان، پرند چرند اور حیوان نہیں ہے ”ما من دآبة الا ھو اخذ بناصیتھا“ (ھود آیت ۵۶) جسے ہم نے اس کے ماتھے سے نہیں تھام رکھا ہے۔ خواتین و حضرات پہلے تو پتا نہیں تھا کہ ماتھے میں کیا ہوتا ہے۔ آج پتا چلا ہے کہ ماتھے یا Frontal Lobe میں تو بہت پاور ہوتی ہے۔ یہ تو Deciding factor ہے۔ یہ تو ارادے باندھنے اور پروگرام بنانے والا ہے۔ یہ تو بڑا Concealed Lobe جو ماتھے کے پیچھے ہے اور اس پر خدائے کریم کنٹرول Exercise کرتا ہے۔ یہ ریموٹ کنٹرول اس کا ارادہ قوی کرتا ہے۔ اس کا ارادہ توڑ دیتا ہے۔ آپ کو پتا ہے کہ جو لوگ Psychosis Novices بیمار ہیں، اسی Frontal Lobe کی وجہ سے ہیں۔ اور پرانے زمانے میں ان کی [illegible] ارادہ اور تواتر خیال توڑنے کے لیے لوگ انہیں اتنا تیز مرچوں کی دھونی دیتے تھے۔ آج بجلی کے شاک دیتے ہیں۔ اسی لیے ایک ہی بات ہے تاکہ اس پہ جھٹکا غالب آ جائے۔ جس پہ جھٹکا غالب آئے اور اس خیال سے ہٹ جائے جس کو شب و روز متواتر سوچتا ہے۔ تمام جنون کا باعث متواتر اس طرح سوچنا ہے کہ ان تسلسلِ خیالات پر آپ کے Frontal Lobe کا قابو نہ رہے۔

خواتین و حضرات! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمی معیارات بہت بلند تھے اور ان کے علم کی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ کریں تو پتا لگتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہی علم کا افتتاح کیا۔ جو بعد میں انیسویں صدی یا بیسویں صدی میں آ کے ترقی پائے۔ ایک بار ابن صیاد کی ماں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ اس کا بچہ جنات کی زد میں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ کچھ بڑبڑا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی باتیں سننے کی لیے درخت میں چلے گئے تو چالاک اس کی ماں نے بچے کو بتا دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن صیاد کی ماں سے فرمایا اگر تو اسے خبردار نہ کرتی تو میں اس کی باتیں سن کر اس کے مرض کا پتہ لگا لیتا۔

خواتین و حضرات! یہ تحلیل نفسی Psycho Analysis کی ابتدا ہے جس سے کسی مریض کے حالات اور اس کی باتیں سن کر اس کے مرض کا پتا لگایا جاتا تھا۔ یہی بعد میں نفسیات بن گئی اور ایک System کی ابتدا کا باعث بنی جہاں مریض اپنے مسیحا کو جا کر اپنی پوری داستان سناتا ہے اور اس کو ایک Pathetic Outlet ملتا ہے جس سے وہ اپنے معالج کو اپنے ذہن اور باطنی الجھن سے آگاہ کرتا ہے اور پھر اس کا معالج اس پر judgement دیتا ہے کہ اس کو کیا مرض لاحق تھا اور کیا نہیں تھا۔ اس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آئندہ زندگی کے تمام مرضوں کے متعلق، قیامت تک کی خبر

اور علم کی شناخت کا دور نہیں چھوڑ رہا ہے۔ میں آپ کو یہاں ایک خوبصورت حدیث ضرور سنانا چاہوں گا۔ جس میں غیر معمولی علم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب دوزخ میں لوگ ڈالے جائیں گے اور وہ "ھل من مزید" (ق آیت ۳۰) پکارے گی اور اس کا پیٹ نہیں بھرے گا تو پھر خدا اس پر اپنا پاؤں رکھے گا اور دوزخ کہے گی کہ بس۔ بارِ الٰہی میں کافی ہو گئی ہوں۔ میرا پیٹ بھر گیا اور دوزخ کی بھوک مٹ جائے گی۔ مگر جنت بہت بڑی ہو گی۔ جنت میں بہت جگہ بچے گی۔ لوگ داخل کر دیے جائیں گے پھر بھی جنت میں جگہ بچے گی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ نئی مخلوق پیدا کرے گا۔ نئے لوگ پیدا کرے گا، نئے سرے سے انہیں آزمائے گا پھر جنت میں داخل کرے گا۔

خواتین و حضرات! سوچنے کی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو فرمایا کہ انہیں نہایت مختصر بات دے کر بھیجا گیا ہے مگر اس کے معنی بہت وسیع اور جامع ہیں۔ اگر اس Statement کو ہم قرآن کی Statement سے جوڑ دیں تو ایک جہانِ معنی کھل جاتا ہے۔

اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلهن (الطلاق آیت۱۲)

کہ اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان اور سات زمینیں بنائیں۔

یتنزل الامر بینهن

ان تمام زمینوں میں ہمارا امر چلتا ہے۔

لتعلموا ان اللہ علی کل شیء قدیر (الطلاق آیت۱۲)

تا کہ تم جان لو کہ اللہ کتنی قدرت والا ہے

خواتین و حضرات! سات کائناتیں، سات زمینیں پھر ان سات زمینوں میں بلکہ جب ایک زمین ختم ہو جاتی ہے تو خدا کا کام ختم نہیں ہوتا۔ جنت تو بہت بڑی ہے۔ ازحد وسیع و عریض ہے۔ ساتوں کائناتوں کی طوالت سے بھی جنت بڑی ہے۔ جنت تو اتنی بڑی ہے کہ اگر اس میں تمام کائناتیں ڈالا جائے تو اس کا ایک گوشہ پورا کرتا ہے۔ "وجنة عرضها السموت والارض" (آل عمران آیت۱۳۳) یعنی جنت کی چوڑائی زمین و آسمان کی طوالتوں کے برابر ہے۔ اتنی بڑی کائنات کی ایک مختصر زمین کے کتنے بھی کروڑوں اور اربوں لوگ ہوں تو وہ اس جنت کی وسعتوں کو پُر نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ باتیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ جنت کو کون Explain کرتا ہے۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت میں ایک گھر سے دوسرے گھر کا فاصلہ زمین و آسمان کے درمیان فاصلے کے برابر ہے اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ جنت میں ایک گھر سے دوسرے گھر کا کم سے کم فاصلہ پانچ سو برس نوری سال کا ہے۔ اور وہاں لوگ براق پر جائیں گے۔

خواتین و حضرات! ایک بات تو ظاہر ہے کہ ہم انسان خود پرست ہیں اور اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے ہیں۔ اور اپنے ایمان پر ناز کرتے ہیں۔ ہم تفاخر کا اظہار کرتے ہیں کہ مخلوقاتِ زمین میں اعلیٰ و ارفع ہیں اور ہمارے سوا کوئی بھی محبوبِ خدا نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ہی ہمارے علاوہ اس زمین پر انسانی بستیاں بس سکتی ہیں۔ حالانکہ اللہ کے اعلان کے مطابق اس کائنات بسیط میں ایسی ہی سات بستیاں ہیں لیکن اہل Science کے لیے یہ Option کھلے نہیں تھے۔ اہل

Science دان کہا کرتے تھے۔ Single Universal Order کو تسلیم کرتے تھے۔ مگر اللہ نے بتایا ہے۔

خواتین و حضرات! سائنس میں اور کتاب اللہ میں ایک فرق ہے۔ کتاب اللہ ایک فیصلہ کن امر کا اظہار کرتی ہے اور سائنس Hard Way سے اسے سیکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ جب Sciences اس مقام تحقیق تک پہنچ جائیں جو کتاب اللہ میں درج ہے تو پھر اس میں مزید تغیر ممکن نہیں ہوتا۔ فرض کیجیے اللہ نے کہا "وجعلنا من الماء کل شیء حی" (الانبیاء۔ آیت ۳۰) ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا۔ یہ Thesis پہلے موجود نہیں تھا۔ اہل یونان اور اہل روما سے کچھ اور کہتے تھے اور دوسرے لوگ کچھ اور۔ بعد ازاں جب Spontaneous Growth کا سلسلہ آیا، خود بخود تخلیق ہونے کے نظریات پیدا ہوئے حتیٰ کہ انیسویں، بیسویں اور اکیسویں صدی تک یہ فیصلہ کن عمل طے ہو گیا اس پر مزید Research نہیں ہو سکتی۔ یہ فائنل ہو گیا کہ All life is created out of water۔ اب یہ بات اللہ کے کلام کے درجے تک پہنچ گئی "وجعلنا من الماء کل شیء حی" (الانبیاء آیت ۳۰) یعنی اللہ کی بات تک سائنس پہنچ گئی۔ اب اس Particular Factor میں ترقی نہیں۔ اب یہ ممکن نہیں کہ کوئی سائنسدان اٹھ کر کہے کہ زندگی پانی سے پیدا نہیں ہوئی ہے۔ یہ مرحلہ پورا ہوا۔ اگرچہ ابھی تو قرآنی تحقیق کے بے شمار مراحل پورے نہیں ہوئے۔ ابھی تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے درجات متعین نہیں ہو سکے۔ تمام سائنس سرزمین و آسمان میں ارتقائے حیات کا سوچتی رہی، تسخیر کائنات کا سوچتی رہی اور اللہ کے ہاں تسخیر کائنات کا یہ اصول ٹھہرا کہ تم ارض و سماوات سے نہیں نکل سکتے، مگر جرأت ہے تو یہ کر کے دکھاؤ۔ "ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموت والارض فانفذوا، لا تنفذون الا بسلطان" (الرحمن آیت ۳۳)

خواتین و حضرات! سلطان کیا ہے۔ قرآن میں دعا میں نے سب سے پہلے پڑھی کہ "رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق" (الاسراء آیت ۸۰)

اے اللہ مجھے داخل کر جیسے تو سچوں کو داخل کرتا ہے اور مجھے نکال جیسے تو سچوں کو نکالتا ہے۔ "واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا" (الاسراء، آیت ۸۰) مجھے اپنی طرف سے دلیل غالب بنا۔ گویا سلطان نصیر دلیل غالب ہے اور قدر و منزلت علم میں سب سے بڑی منزل ہے۔ خداوند کریم کے قول کے مطابق تم سلطان نصیر کے بغیر ارض و سماوات سے آگے نہیں نکل سکتے اور آج تمام سائنسی ارتقاء تو ہمیں اس بات پر مصر ہیں کہ ہم زمین سے آگے بڑھ سکتے ہیں دوسرے سیاروں پہ بستیاں بسانے اور کائنات کو فتح کرنے کے لیے Billions of years درکار ہیں۔ مگر خواتین و حضرات ایک بہت بڑا مسئلہ درپیش ہے کہ کشش ثقل جس پہ انسان کا انحصار تھا، تیز رفتاری میں باطل ہو جاتی ہے۔ بالائے کائنات General Relativity اور Special Relativity کے نظریات Hold نہیں کرتے۔ Quantum درست ہے Uncertainity آ گئی۔ Uncertainity درست ہے۔ Dimensions تبدیل ہونے شروع ہو گئے Dimensions کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ایک خوفناک تبدیلی سامنے آئی ہے کہ کائنات سفر کے مراحل میں نہیں ہے۔ اب یہ Thesis غلط ہو گیا ہے کہ یہ تخلیق ہوئی کائنات دوبارہ سکڑے گی۔ سکڑتی تو تب اگر Slow ہوتی اور سیاروں کی رفتار مزید سے گھٹتے ہوئے کم ہوتی تو پھر تو سکڑنے کا امکان تھا مگر یہ خوفناک حقیقت واضح ہوئی کہ سیارے مزید

سے نکلنے کے بعد آدھے راستے میں ختم ہونے کے بجائے اور تیز ہو گئے۔ ''**اللہ نور السموات و الارض**'' (النور آیت ۳۵) الٹا تو ایسا ہی ہے جیسے اللہ نے کہا کہ یہ چلا اور جتنے بڑھتے اتنا تیز رفتار ہو جائے تا کہ تمام مادے پھر Energy میں ڈھل جائیں گے Energy پھر نوری شعاعوں میں ڈھل جائے گی اور زمین و آسمان میں صرف اللہ کا نور رہ جائے گا۔ ''**اللہ نور السموات و الارض**۔'' (النور آیت ۳۵) اسی نوری آرزو کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے ہیں اور کس کس چیز میں کرتے ہیں۔ ''**اللھم اجعل فی قلبی نوراً و فی بصری نوراً و فی سمعی نورا وعن یمینی نورا وعن یساری نورا و فوقی نورا و تحتی نورا و امامی نورا و خلفی نورا واجعل لی نورا**'' (بخاری) اے پروردگار عالم میرے دل میں نور عطا فرما۔ میری سماعت میں نور عطا فرما۔ میری بصارت میں نور عطا فرما۔ میرے دائیں نور عطا فرما میرے بائیں نور عطا فرما۔ خداوند کریم سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر چیز میں نور طلب کر رہے ہیں۔ یہ نور ایک اعلیٰ ترین ہستی سے ایک Committment کے سوا اور کیا ہے کہ وہ منتقل ہو انسان کو اعلیٰ ترین مرتبت اور منصب تک پہنچاتی ہے اور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تک بڑی گہرائی سے دیکھتے ہیں تو ہمارے معاشرے کو وہ قائم نہیں رہنے دیتے ہیں جو رہتی دنیا تک قائم رہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس معاشرے میں سر حقیقت جا کر اپنی مثال نہ چھوڑی؟ آج دنیا جانوروں سے برے سلوک کے متعلق فرماتی ہے اگر پیچھے جائیں تو قرآن سے پہلے کے تمام معاشروں میں جانوروں سے کہاں اچھا سلوک کیا جاتا تھا۔ آپ کو اس جنگل کی مثال دوں جہاں انسان بے دریغ قتل ہو رہے ہیں اور جانوروں کی طرح ذبح کیے جا رہے ہوں۔ ''**یذبحون ابنآءکم ویستحیون نسآءکم**'' (البقرۃ آیت ۵۰) جہاں ایک رواج جاری ہو کہ لڑکے قتل ہوں اور لڑکیاں زندہ رکھی جائیں۔ جہاں ایک معاشرہ اپنے Survival دوسرے معاشرے کو قتل کر رہا ہے۔ وہاں جانوروں سے حسن سلوک کی کیا بات ہو سکتی ہے۔ مگر دیکھیے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال۔ کیا آج یورپ کے لوگ ہمیں بتائیں گے کہ انھوں نے جانوروں سے محبت شروع کی یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے کہ جب ایک صحابی ہرنی کے بچے لے کر آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے یہ بچے پکڑ لیے مجھے یقین تھا کہ ممتا اس کے پیچھے پیچھے آئے گی چنانچہ ہرنی اس کے پیچھے آئی اور میں نے اسے بھی پکڑ لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تجھے ممتا کا کوئی خیال نہیں آیا؟ تجھے بچوں کا کوئی خیال نہیں آیا، جا ان کو آزاد کر۔ جب ایک اونٹ جو ماندہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ کر کھڑا ہوا فرمایا یہ اپنے مالک کا گلہ کر رہا ہے وہ کہتا ہے جوانی میں اس نے مجھ سے بڑا فائدہ اٹھایا اور اب بڑھاپے میں مجھے اس نے مرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ یہ وہی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کہ جن کے اس عظیم طالب علم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر دجلہ فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مرے گا تو اس کی جواب دہی عمر کرے گا۔ یہ قانون بہت پہلے سے ہمارے پاس موجود ہے۔ بہت پہلے سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حق پر اس کا پورا شعور جاری کر دیا مگر ہم جناب رسالت مآب کی زلف و لب و رخسار کی تعریف بھی کریں ہم نے کبھی ان کے Conduct کو Identify کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ان کے Conduct کو کبھی Copy کرنے کی کوشش نہیں کی اور یہی ایک وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت ایک عالم اپنے تعلیم کی اعلیٰ ترین مقصد کی نشاندہی کی اور یہ مسلسل ارشاد فرمایا کہ اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کو یکتا و تنہا

"لاشریک لہ" مانا جائے، اور اس میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ جو تمہارا حق اللہ پہ بنتا ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہمارا اللہ پہ کیا حق بنتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ اگر تم خدائے واحد یکتا کی تعریف کرو تو اللہ کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو عذاب نہ دے۔ بڑا سادہ اور آسان فارمولا اللہ کے رسول نے قیامت تک کے لیے پیش کر دیا کہ اگر ہم اللہ کا حق ادا کریں تو پھر اللہ ہمارا حق ادا کرے گا۔ اگر ہم اسے خدائے واحد سمجھیں، لاشریک لہ سمجھیں اور اس کی ذات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں تو اللہ ہمارا حق بھی ادا کرے گا کہ ہمیں عذاب نہ دے۔ اللہ نے فرمایا "مایفعل اللہ بعذابکم" تمہیں کیا پڑی کہ ہم تمہیں عذاب دیں۔ "ان شکرتم و امنتم" اگر تم ہماری یاد والے ہو، ہمارے ایمان والے ہو۔ "وکان اللہ شاکرا علیما" (النساء۔ آیت ۱۴۷) تو اللہ شکر قبول کرتا ہے، وہ علم والا ہے۔ اس کا نبی علم والا ہے، رسالت علم کی ہے، وہ اعلیٰ ترین دیانت ہے۔ آپ میں سے ایک عام مسلمان کا Intellectual Level خدائے واحد کی توحید سے آشنا ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو یہ کہیں کہ ہمارے علم ذہن کی رسائی عقل اور صرف دنیا کی اشیا تک ہے۔ ذہن کا تخیل صرف دنیا اور اس دنیا کی اشیا تک ہے، Status تک ہے، Marriages تک ہے، وجاہت دنیا تک ہے۔ وہ جہاں اس لالچ کو پہنچیں گے وہاں تمام خواہشات سے کٹ کر خدائے واحد کی آرزو کرتا ہے۔

One of the basic cause of the downfall of the Muslimintellectualism is the lack of the top priority.

جب سے ہم اللہ اور اس کے رسول کی بتائی ہوئی اس ذہنی Top Priority سے ہٹے ہیں تو ہمارے ذہن کی ترجیح اول صرف یہ ہے اور ہم دنیا کی ترجیحات کے برابر آ گئے ہیں۔ مشرق و مغرب کی ترجیحات یہ ہیں، نہیں پھر اور دنیا کی ترجیحات معیار عقل ہے تو خواتین و حضرات وہ زیادہ محنت والے تھے ہم سے زیادہ ہنرمند ہیں۔ پھر تو وہ زیادہ ہم سے محنت کرنے والے زیادہ دیانت دار تھے، زیادہ توجہ والے تھے، زیادہ حقائق طلب تھے، وہ ہم سے بازی لے گئے۔ ہم جس کا تمام تر تمام دیانتوں کو جاننا تھا۔ جو عقلوں کو ان کے بلند مدارج عطا کرتا ہے، وہ ترجیح اول کا انتخاب تھا۔ ہمارا افتخار تو ان پہ ہوتا جو ہمارے رسول نے ہماری طبیعت کے اعلیٰ ترین معیار کو رکھا تھا اور وہ ایک کو ان کے بلند مدارج عطا کرتا ہے اور وہ ترجیح اول کا انتخاب تھا۔ خدا کو ترجیح اول سمجھنے والے یہ زمین و آسمان کے ان درجات علم و عقل سے آگے بڑھتے ہیں۔ اور اللہ کے اس قول تک پہنچتے ہیں کہ "نرفع درجات من نشآء وفوق کل ذی علم علیم" (یوسف آیت ۷۶)

خواتین و حضرات اکثر اوقات لوگ پوچھتے ہیں رسول اللہ کا علم کتنا تھا۔ یہ سوال Normally گروہی فقروں میں آتا ہے۔ کوئی حضورؐ کے بارے میں بے پایاں علم و فراست کی خبر دیتا ہے اور کوئی ان کو مجبور محض سمجھتا ہے اور اس Capacity کو صرف انکار کر دیتا ہے۔ سب سے پہلے بات تو یہ ہے کہ الوہیت کے الہام کی Capacity ہی غیر معمولی ہے۔ خواتین و حضرات ہر بندے میں الوہیت کے الہام کی Capacity ہے۔ ہر بندے میں وحی کے اجرا کی Capacity ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک پیغمبر کا ذہنی Status اور ذہنی مقام غیر معمولی ہوتا ہے۔ اس کا دل اور اس کا ذہن اس قابل ہوتا ہے کہ ایک بڑی Special Frequency پر کائناتی Message قبول کر سکے۔ اس لیے اس کو بحیثیت پیغمبر چنا جاتا ہے۔ ایک نارمل ESP والا بندہ یا ایک نارمل Telekinesis کا مالک یا ایک نارمل لامہ جو تبت جو Levitation

Spiritual کر دیتا ہے۔ وہ پیغمبر نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس میں ارتکاز کی بے پناہ صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں مگر اس کا ذہنی ادراک اور اس کے تصوف کی Capacity اتنی نہیں ہوتی کہ وہ خدائی Message قبول کر سکے۔ اس کے باوجود بہت سا لامہ Levitation کی صلاحیتیں اختیار کرنے اور اپنے روحانی وجود کو جسمانی وجود سے اخراج کے لیے پچیس برس لگاتا ہے تیار کرتا ہے اور بہت ارتکاز کرتا ہے۔ برف زاروں میں بیٹھتا ہے ویرانوں میں مشقت کرتا ہے تنہائیوں میں بیٹھتا ہے مگر اس میں وہ Message اخذ کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی جسے ہم وحی الٰہی کہتے ہیں۔ اسی طرح Telekinesis اور Telepathy ہے۔ Obviously نظر آتا ہے کہ ایک پیغمبر Message کو قبول کرنے کے لیے انتہائی خصوصی Sensitivity کا حامل ہوتا ہے جو کسی نارمل شخص کو ESP سے کہیں زیادہ بلکہ ہزار ہا درجہ خصوصی صلاحیت کا احساس رکھتا ہے۔ آپ کو کوئی ایسا شخص مل سکتا ہے جو غیر معمولی معلومات دے دیتا ہے۔ کوئی مجذوب جو صلاحیت عقل سے عاری ہو اور جس کے Brain Cells، Pressure میں زیادہ کھل جائیں اور وہ اس قابل ہو جائے کہ آپ کو مستقبل کی کوئی خبر دے دے، آپ کے ماضی کا کوئی نقطہ اجاگر کر دے اور بغیر علم کے آپ کو اس کی اطلاع دے سکے کیونکہ غیب آپ کے علم میں نہیں۔ غیب سے Relative ہر صفت ہر شخص میں دوسرے سے مختلف ہے۔ بہت ساری باتیں جو ایک شخص کے لیے غیب ہیں، دوسرے کے لیے نہیں ہوتیں۔ بہت ساری باتیں جو ایک وقت میں غیب ہیں، دوسرے وقت میں وہ غیب نہیں ہوتیں۔ درحقیقت غیب متبدل، متغیر اور زمانی و مکانی ہے۔ غیب کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص پانچ ہزار کتابیں پڑھتا ہے اور صاحب علم ہے، ایک شخص چھ ہزار کتابیں پڑھتا ہے اور صاحب علم ہے۔ جب دونوں آپس میں مطالعہ Match کریں گے تو پانچ ہزار کتابوں کے دونوں عالم شناسا تو ہوں گے مگر جب چھٹے ہزار میں کتاب شروع ہوگی تو پانچ ہزار والا غیب نہیں چلے گا۔ اب Information کی بنیاد پر غیب ایک بندے کی انتہا کا Academic ذریعہ ہے۔ ایک کی Source یونیورسٹی۔ ایک اس سے آگے بڑھ کر Specialised Institution سے اپنا

Source of Knowledge and inspiration

حاصل کرتا ہے۔ آگے بڑھتے ہوئے خواتین و حضرات ایک شخص کو دعویٰ شناخت جتاتا ہے۔ وہ کہتا ہے میں کاہن ہوں۔ پرانے عرب میں مقدمہ ابن خلدون میں ابن خلدون نے لکھا کہ جسے عرب میں کاہن بننا ہوتا تھا وہ تمام صلاحیتوں کو تیز کرنے کے لیے بادام کے ڈرم بنا کر مٹکے بھر کے، کاہن اس میں بیٹھ جاتا تھا اور کھاتا بھی بادام تھا اور اس طرح اس کا Brain اتنا تیز ہو جاتا تھا کہ چالیس دنوں کے بعد شاید موت کے خوف سے یا بالکل سوکھ کر وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاتا تھا مگر اس میں اتنی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی کہ وہ جنات سے باتیں کر سکتے تھے۔ غیر معمولی اسباب کے Source جب ختم ہو جائیں، کتاب ختم ہو جائے، آثار دنیا ختم ہو جائیں، اسباب علم ختم ہو جائیں تو جنہیں وہ لوگ غیب کہتے ہیں ان کے علم کی بنیاد بظاہر کسی Source سے [illegible] فرض کریں کہ ایک شخص آپ کو بتاتا ہے کہ [illegible] آپ کو غیب کا علم پتا لہٰذا You dont trust him۔ آپ اس سے پوچھتے ہیں کہ Source کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ اسے جنات نے بتایا ہے

خواتین و حضرات اگر وہ یہ جنات کا حوالہ دے دے تو آپ یقیناً مغالطے میں پڑ جائیں گے کیونکہ اس کا

Source of information نہیں ہے اور از خود اس نے کوئی ایسی بڑی صلاحیت Develop کی ہے۔ جس سے وہ غیب جانتا ہے۔ آپ کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ آپ اس قدرت کے قائل ہوں۔ Source کے تعین کے بعد ہم صاحب جنات سے آگے بڑھتے ہیں۔ اولیا تک جاتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ آپ کا Source of information کیا ہے۔ کہاں تک نگاہ جاتی ہے کہاں تک زمانہ دیکھتے ہو۔ مجھے میرے ایک دوست نے بڑا دلچسپ واقعہ سنایا۔ اس وقت جناب لال شاہ جو بڑے Confirmed مجذوب تھے وہ زندہ تھے۔ چونکہ یہ واقعہ مجھے چار دوستوں نے سنایا تھا۔ اس لیے میں نے اعتبار کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ایک دن انہوں نے سوچا کہ آج لال شاہ سے ملنے مری جائیں گے لہٰذا جب وہ جانے لگے تو انہوں نے مسالے دار انڈے اور پراٹھے بنوا کے ساتھ رکھ لیے۔ اس پروگرام میں ان کے ساتھ وہ مولوی بھی تھے جو شاید ایک Rigid School سے تعلق رکھتے تھے اور دوران گفتگو یہ کہتے بھی جاتے تھے کہ وہ بھی کسی فقیری کو نہیں مانتے ہیں۔ وہ دونوں ان کے ساتھ تھے لیکن ان کا مزاج ذرا مختلف تھا۔ جب وہ پہاڑ پر چڑھ رہے تھے تو دوپہر کا وقت تھا ان دوستوں میں سے مولوی صاحبان نے کہا کہ دیکھو بھئی ہم لال شاہ کے پاس جا رہے ہیں ہمیں وہاں خوار ہونا پڑے گا۔ سنا ہے بابا صرف انڈے مانگتا ہے اور دشنام طرازی بھی کرتا ہے لہٰذا ہم پہلے کھانا کھالیں۔ شاید وہاں پر کھانا ہی نصیب نہ ہو لہٰذا ان مولوی صاحبان کی خواہش کے مطابق چاروں نے وہیں انڈے اور پراٹھے کھالیے۔ یہ بات مجھے چار دوستوں میں سے تین لوگوں نے بتائی کہ جب وہ اس جگہ تک پہنچے تو بابا ایک دم سوٹا لے کر ان پہ چڑھا اور خاص طور پر مولوی صاحب سے کہا کہ اچھا انڈے اور پراٹھے کھا کے آئے ہو اور میرے پاس خالی ہاتھ آئے ہو۔ یہ بات سن کر انہوں نے دوڑ لگا دی اور رونا دھونا شروع کر دیا اور اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کے بے شمار واقعات ہماری زندگی میں مخصوص افراد سے وابستہ ہو جاتے ہیں کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایک بندے کی غیر معمولی صلاحیت کی وجہ سے اسے غیب کا عرفان یا ادراک ہو جاتا ہے۔ خواتین و حضرات اگر یہ تمام Sources کسی انسان کو اتنا غیر معمولی ادراک اور عرفان دے سکیں تو Virtually ان کی Explanation اور ان کا Source متعین کرنا کسی صاحب عقل و فہم کے لیے ممکن نہیں ہے تو اس شخص کی کیا بات ہو گی۔ جس کے علم اور شعور کا واحد Source اللہ ہے۔ اب اس سے کیا سوال کروں۔ مجھے بتائیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کا کیا source ہے۔ دنیاوی طور پر آپ کے ان کا کوئی استاد نہیں ہے۔ انہوں نے کسی درسگاہ کی ڈگری نہیں لی۔ انہوں نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ اختیار نہیں کیا۔ پڑھنے کے لیے بھی کوئی کتاب ہاتھ میں نہیں لی۔ یہ بات عام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعر پڑھا۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے شعر غلط پڑھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر پڑھا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے شعر غلط پڑھا ہے۔ رب کعبہ کی قسم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو شعر کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہیں آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ شاعر ہیں اور نہ شاعر مزاج ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے شاعری ایک معمولی نوعیت کی چیز ہے۔ یہ عام انسان کے لیے ایک اعزاز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے بڑے اعلیٰ ترین علم کی اعلیٰ ترین فضیلت کے لیے پیدا کیا ہے۔ خواتین و حضرات پھر وہی سادہ سا سوال کہ آپ اس شخص کی علمیت کو کیا جانچیں گے جس کا واحد ذریعہ ادراک اللہ

ہے۔ کوئی انسان ایسا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم تک پہنچ سکے اور کوئی انسان ایسا ہے جو ان کے حضور غیب و شہود کی داستان بول سکے کیونکہ رسول اللہ کا غیب بھی اللہ ہے اور شہود بھی اللہ ہے۔ اب اس مقام پر اس زمانے میں ہمارے جیسے لوگوں کا بار بار Question کرنا اللہ کے رسول کے لیے ایک الزام ہے۔ ذرا آپ نے کم فہمی کے کرشمے دیکھیے۔ جب تک آدمی کم علم ہو گا وہ چیزوں کا تعین کرتا رہتا ہے۔ خواتین و حضرات کم علم صاحبِ علم کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ یہ اصول علم ہے کہ ایسا شخص جس کا علم نہایت محدود ہو، اس شخص کا احاطہ نہیں کرسکتا جس کا شعور، علمیہ اور تعلیم اس سے زیادہ ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک شاگرد اپنے استاد کے علم کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ ایک میٹرک کا طالب علم اپنے ایک MA پاس استاد کے علم کا احاطہ اس لیے نہیں کرسکتا کہ اس کی Informations محدود ہیں اور اس کے علم کی سطح نہایت پست اور معمولی ہے۔ اب وہ لوگ جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علمیت پر نکتہ کرتے ہیں وہ پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کا احاطہ کرتے ہیں۔ ذرا ان کو بتایا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا پتا تھا اور کیا نہیں پتا تھا۔ کیا خدا نے ان کو بتایا ہے کہ ان کے رسول کا کتنا علم تھا اور کتنا نہیں تھا۔ کیا ان کے Title میں Locality ہے۔ کیا خدا نے اپنے رسول کے علم میں Local Effects رکھے ہیں؟ عیسیٰؑ کے بارے میں تو کہہ دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔ یحییٰؑ کے بارے میں کہہ دیا تھا کہ یہ اپنے گروہ کے پیغمبر تھے۔ نوحؑ کے بارے میں کہہ دیا تھا کہ یہ اپنی قوم کے پیغمبر تھے۔ لوطؑ کے بارے میں کہہ دیا تھا کہ یہ عاد و ثمود کے پیغمبر تھے۔ What About محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ ان کے بارے میں کیا کہا کہ یہ آدم سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہر نبی پیغمبر کے صدقات چل رہے تھے۔ یہود کا اپنا پیغمبر موجود تھا۔ موسیٰؑ موجود تھے۔ عیسیٰؑ موجود تھے۔ اسحاقؑ موجود تھے۔ ابراہیمؑ موجود تھے۔ تو کیا وجہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ اے قومِ یہود! تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے پہلے بھی ان کے وسیلے سے مجھ سے دعائیں مانگتے تھے اور میں قبول کرتا تھا۔ کیا ان کے اپنے پیغمبر موجود نہیں تھے؟ کیا وہ موسیٰؑ کے حوالے سے نہیں مانگتے تھے؟ کیا وہ عیسیٰؑ کے حوالے سے دعائیں مانگتے تھے؟ کیا بنو ابراہیم، بنو عدنان، معد بن عدنان اپنے آباؤ اجداد کے حوالے سے دعا نہیں مانگتے تھے؟ پھر قرآن کیوں یہ بات کہتا ہے کہ اے بنو اسرائیل تم اتنے جاہل، اجڈ اور احمق ہو کہ تم آخر الزماں نبی کے آنے سے پہلے نبی کے وسیلے اور توسط سے میرے حضور دعائیں مانگا کرتے تھے اور میں قبول کرتا تھا۔ اب جبکہ یہ نفسِ نفیس تمہارے درمیان موجود ہے تو تم اس کا انکار کرتے ہو۔ خواتین و حضرات! جیسے کسی شہنشاہ عالی وقار کے آنے سے پہلے بارگاہیں سجائی جاتی ہیں۔ راستے ترتیب دیے جاتے ہیں، بشارات سنائی جاتی ہیں۔ تمام پیغمبروں نے آدم سے خاتم تک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور علمیت کی شہادت دی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی شہادت دی۔ توریت سے دو باب کی آیتیں غائب ہو گئیں۔ انجیل سے حواریوں کے باقی مقدمات اور روایات تو قائم رہے۔ مرقس قائم رہا، متی قائم رہا، یوحنا قائم رہا، مگر برناباس کی پوری کی پوری روایتیں ختم ہو گئیں۔ اس لیے ختم ہو گئیں کہ برناباس کہتا ہے کہ جنابِ عیسیٰؑ نے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے بعد آئیں گے اور میں ان کے جوتے کے تسمے باندھنے والا ہوں گا۔ یہ تمام روایات اس لیے ختم ہوئیں کہ عیسائیوں کو قابلِ قبول ہی نہ تھا کہ برناباس کی تمام کتابی روایت جو اول و آخر تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گرامی مرتبت کے ذکر سے معمور ہے اور اس کے بارے میں Christians نے الزام لگایا ہے کہ کسی مسلمان نے یہ لکھ کر جاری

انجیل میں داخل کی ہے۔

خواتین و حضرات! برنباس کی انجیل کے بارے میں یہ اعتراض کیا گیا کہ پوپ پال کے ۵۰۰ سال بعد کسی مسلمان نے لکھ کر ساری انجیل میں داخل کر دیں

خواتین و حضرات! اگر یہ اعتراض درست ہو تو باقی انجیل کا پایہ استحقاق کیا ہوگا۔ اگر انجیل میں اس طرح داخلہ ہوتا اور اس طرح نکالا جا سکتا اور Black جب Cordinal تھا تو اس کو اس کے پادری اعظم نے کہا آپ ہمیں انجیل کی دستاویز تیار کرنی چاہیے جب Black نے دستاویز تیار کرنے کے لیے مطالعہ شروع کیا تو اس کو پتا چلا کہ انجیل کے تیرہ Versions ہیں وہ سب کے سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ خواتین و حضرات! اس کا Reaction یہ ہوا کہ کیا ہو سکتا تھا کہ Breadlaw عیسائیت چھوڑ گیا اور وہ Secularism کا مبلغ بنا ہوا ہے۔ اور اس نے ایک جملہ لکھا۔

If you want to be a secularist then you have to be a complete atheist.

اگر تمہیں Secularist بننا ہے تو سب سے پہلے مکمل انکار خدا کرنا ہوگا۔ اس کے پاس جو کتاب موجود تھی اگر تم وہ اس کو بعینہ میں ڈال دو کہ اگر تمام انجیل اسی طرح لکھی ہوئی ہیں ان کی مرضی ہے اسی طرح کی ہے کہ جو جب چاہے لکھ دے اور Statement داخل کر دے۔ تو پھر تو Christianity کا کوئی پایہ استحقاق نہیں ہے۔ "یحرفون الکلم عن مواضعہ" القرآن۔ آیت [illegible] تم نے جانتے بوجھتے اس کتاب میں تحریف کی اور اس کے معنی بدل دیے اور اس کا Text بدل دیا۔ مگر ہم تمہیں اپنی کتاب سے یہ کام نہیں کرنے دیں گے۔ اللہ نے کہا کہ ہم تمہیں اپنی کتاب سے یہ فضول حرکت نہیں کرنے دیں گے۔

خواتین و حضرات! ابھی سوال جاری رکھے ہوئے ہے کہ ایک نئے آدمی نے Discover کر لیا کہ آج کے بعد جنت پوری ہو جائے گی۔ اگر جنت پوری ہو جائے تو اس امت کو عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ حضرت سیدنا امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھٹنوں کے بل گرے۔ بلال حبشیؓ کو دیکھا، بلال حیرت سے پیغمبر کو دیکھا۔ گھٹنوں کے بل گر کر عرض کی اے اللہ کے رسول ہم اسلام سے راضی، ہم قرآن پر متفق، ہم آپ کی رسالت پر بالکل راضی۔ یا رسول اللہ اس غصے کی آگ کو ٹھنڈا فرمائیے ورنہ اس امت پر عذاب آ جائے گا۔ جب یہ کیفیت دیکھی، یہ حالت کا عالم دیکھا، صحابہ کی گریہ زاری دیکھی تو چہرے کا آفتاب ٹھنڈا پڑا لوگوں نے نظر اٹھائی تو رسول اللہؐ نے فرمایا اس دیوار کے قریب مجھے جنت اور دوزخ دکھائی گئی اور ایک کتاب میں قیامت تک آنے والے لوگوں کی وہ فہرستیں دکھائی گئیں۔ خواتین و حضرات! یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ یہ کسی راہ گذر کی حدیث نہیں ہے۔ یہ مسلم کی حدیث ہے۔ یہ متفق علیہ حدیث ہے۔ اب سے عجیب و غریب آدمی ایسے گذرے ہیں کہ جو اپنی مرضی کی روایت ہو درست ہے اور جو اپنی مرضی کے مطابق نہ ہو وہ حدیث ہی غلط ہے۔ خواتین و حضرات! اس پر یہ کہا گیا کہ متفق علیہ احادیث کے ہوتے ہوئے مسئلہ حل ہونا چاہیے اگر آپ کہیں کہ حدیث کا ذکر کیا تو فرمایا میں اصولاً اس کی وضاحت تو کوئی بھی نہیں کر سکتا اور اگر یہ شادی شدہ لوگوں کو واقعات پیش آتے تو اپنی عورتوں کو بالکل علیحدہ و بند کمرے میں بڑی کی تیلیاں گنتے پکڑا ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضاحت نہ

فرماتے اور وہ قوانین زندگی یا ازدواجی عائلی زندگی کے اصول نہ دیتے اور اس میں آیت کی وضاحت نہ فرماتے تو کیا کسی کو پتا لگتا کہ قرآن کس اصول میں بات کرتا ہے اور رسول وضاحت علیہ فرماتے ہیں۔ اگر وہ نہ فرماتے تو یقین جانئے کہ قرآن کی بھی فہم و ادراک سے بالا ہوتا۔ اسی لیے اللہ کے رسول کی اطاعت کے بغیر قرآن کی وضاحت اللہ کو کسی قیمت پر قابل قبول نہیں۔ اب میں آپ سے ایک اور حدیث خصوصی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ سوچیے کہ عالموں نے تحقیق حماقت کی اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجتہادی غلطی فرمایا۔ اب غور کیجیے یا وہ غلطی تھی یا اجتہادی غلطی کہ کھجور کے موسم میں جب ایک آدمی پوچھنے آیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری کھجور کی فصل ہے ہم اسے پیوند لگاتے ہیں فرمایا ہمیں تو پیوند پسند نہیں۔ لہٰذا انہوں نے پیوند نہیں لگایا۔ فصل خراب ہوئی تو گلہ شکوہ لے کے آئے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فصل تو اچھی نہیں ہوئی آپ نے کہا تھا اور Suggest کیا تھا اور ہم نے ویسا ہی کیا لیکن فصل اچھی نہیں ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میں تو انسان ہوں۔ یقین جانئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کی۔ یہ ایک ایسا گہرا تعلیمی درجہ ہے کہ جو بہت بڑے استاد کو ہی ذہن آسکتا ہے کہ لوگوں کو کس طریقے سے سبق دیا جاتا ہے۔

خواتین و حضرات! یہ مسلمہ تجربہ تھا اور وہ تجربہ جو صدیوں سے انسانوں کے معمول میں رہا۔ وہ تجربہ اور دوسرے تجربات جنہوں نے انسانی علم کو بڑھایا۔ چنانچہ ان تجربات میں سے ایک تجربہ افزائش خوراک کے لیے ان کو پیوند لگانا ہے اور عرصہ دراز سے وہ طریقہ مستعمل تھا، معتبر تھا اور پھر وہ شخص کیوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے فوائد پوچھنے آئے۔ کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا فرمایا۔ جبکہ اتنا علم تو خود بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے اور انہیں بھی پیوند کے فوائد کا پتا تھا۔ پھر کیوں فرمایا کہ میں پیوند پسند نہیں کرتا۔

خواتین و حضرات! بات صرف یہ واضح تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی تجربے کی اہمیت کو واضح کیا کہ تم لوگ باوجود جاننے اور مسلسل Objevtive معروضی تجربات رکھنے کے بھی ہر فقیہ کے پاس کیوں جاتے ہو اور دعا کرواتے ہو۔ رسول اللہ نے آپ کا کسی فقیہ کے پاس جا کر اس سے دعا کروانے والی اس روش یا نئی جرأت کا سدباب کرنا تھا۔ تجربہ اور شہادت یہ وضاحتیں ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعا کو اس میں شامل کر کے بتایا کہ Objective Attitude کو کبھی Ignore نہ کرو، معروضی علم کو کبھی نظر انداز نہ کرو اور بحیثیت استاد خود بھی اس کو دیکھا اور اس چیز کو پرکھا اور اپنے لوگوں تک یہ بات پہنچا دے اور یہ کہ اے مسلمانوں! ماحول سے فائدہ ضرور حاصل ہوگا مگر کبھی بھی وہی بات جو اللہ نے قرآن میں کہی کہ لڑنا چاہتے ہو تو گھوڑا اور تلوار تیار رکھو۔ اسباب جو دنیا کے ہیں تمہارے پاس کم ہیں تو کوئی بات نہیں میں مدد کرنے والا ہوں مگر پھر بھی بدن کو تیار رکھو۔ ان کی تیاری میں کسی قسم کی کمی نہ ہو اور وہ تمام معروضی Objective ہیں وہ تم تبھی Achieve کر سکتے ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ انگریز اتنی محنت کرے اتنا زیادہ Laboratory Work کرے۔ پندرہ سال Fleming بیٹھا رہے۔ بارہ سال نیوٹن بیٹھا رہے۔ پچیس سال جوش بیٹھا رہے اور تم چاہو کہ تم چٹکیوں میں صرف دعا کروا کے Electricity کے Laws دریافت کر لو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہوگا۔ یہ بہت بڑا سبق تھا جو علمیت کے میدان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری انسانیت کو

یا کہ Objective اور معروضی علم کو بھی نظر انداز نہ کرو۔

خواتین و حضرات! یہ Chapter اتنے طویل ہیں میں آپ کی مدد کے لیے تھوڑا سا Add کر رہا ہوں تو یہ بھی موقع ملتا ہے تو حدیث تو ایک دن میں پوری نہیں ہوتی۔ تعلیم حدیث ایک دن میں پوری ہو سکتی ہے نہ ہی صفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احاطہ۔ آپ رحمت العالمین ہیں۔ ہم تو ایک محدود حیات میں ہیں۔ ایک شخص کے وقت میں اتنی بڑی تعریف اور ایک شخص کے لہجے میں ایک محدود یافتہ زبان میں اتنے بڑے نام کو منانے کے لیے بڑا وقت چاہیے۔ بڑی عمر چاہیے۔ رحمۃ العالمین کے حقائق بیان کرنے کے لیے عالمین کی عمر تو چاہیے اور وہ ممکن نہیں۔ چنانچہ ہر زمانے میں وہ ویسے ہوں گے جتنے کائنات میں وہ ویسے ہوں گے جتنے زمینوں میں وہ ویسے ہوں گے اور جب ان کا تم نئے زمانوں کی قبروں پر دورہ کرتا ہے۔ ہمارا احسن گروہ لوگ جب مرتے ہیں اور سب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہہ مبارک دکھائی جاتی ہے۔ وہ یا اصول ہوں گے۔ اور جب فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہہ مبارک کے مقابل پوچھتے ہوں گے کہ اس مرد کے بارے میں کیا کہتے ہو ان کی شبیہہ تمہارے سامنے ہے۔ شبیہہ مبارک کے اندر Uncertainlty پوری ہو رہی ہوگی اور وہ جو سائنسدانوں نے کہا کہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ایک ایٹم جو یہاں موجود ہے وہ کہیں بھی موجود ہے اس سے آگے بھی موجود ہے کائنات کی وسعتوں میں وہ کہیں بھی نظر آتا ہے۔ بات یہ ہے کہ یہی ایک ایٹم۔ کوئی دوسرا نہیں ہے اور یہ عجیب و غریب بات ہے کہ مقام الوہیت ہو یا مقام رسالت ہو۔ ان کا فہم و ادراک ان کی ہستی ان کو سمجھنے کی آسانی بدقسمتی سے اپنے علماء سے نہیں ملتی، اپنے سوچنے والوں سے نہیں ملتی۔ نتیجے تو شرق و آفاق سائنسدانوں کا ہر چند وہ بیان دے لیے نہیں طرح و تصدیق حقائق اپنے لوگوں سے نہ کرنے کے جائے غیروں سے ملتی ہے۔ مگر خدا نے ان کو حکمت میں بھی نوازا، کسی کو علم سے نوازا، کسی کو حکمت سے نوازا اور یہ سلسلہ تعلیم چلتے چلتے بالآخر اس فیصلہ کن بات پر منتج ہوتا ہے کہ ہر انسان خدا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتا، اس کی علمیت کا ادراک کرتا جو خدا نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا اور اس علمیت کو Follow کرتا جو رسول اللہ نے انسانوں کو دی۔ اگر حضرت انسان اس نکتے کا ادراک حاصل کر لیتا تو کچھ بگڑتا ہے یہ مشکل پیش نہ آتی کہ اس کائنات کو ایک شخص نے کیونکر لیل تاب سے قطع فرمایا۔ حضرت انسان کی سب سے بڑی منزل اس منزل کو پار کرنے سے پہلے راکٹ پھینکے جا رہے ہیں تسخیر ماہتاب کی جا رہی ہے۔ مریخ و زہرہ کا خیال ہے۔ زحل تک پہنچیں گے Millions and trillions light years کی Galaxies تک جانے کا خیال آئے گا۔

اب دنیاؤں کے نئے Source ڈھونڈے جائیں گے۔ Nuclear اور Fuel کے نئے Source ڈھونڈے جائیں گے۔ Fusion اور Defusion ڈھونڈے جائیں گے۔ مگر ایک شخص اس سے بہت پہلے جب کوئی سائنسی اصطلاح بھی نہ تھی، کوئی سائنسی Information بھی نہ تھی، کوئی سائنسی آلہ نہ تھا، ان ساتوں کائنات سے بالا جنت ارضی و سماوی سے گزرتا ہوا حضور ربی میں پہنچا۔ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور یہ شب معراج کو واقعہ پیش آیا۔

خواتین و حضرات! اگر ذرا نظر بھی ڈالی جائے تو سارے آسمانوں زمین سے گزرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علمیت کا یہ استحقاق پیدا ہوا۔ کائنات میں اگر آخری حد تک چلا جائے، اگر علم کی پرواز ہے اور

غیب ہی تو کسی کی کم علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ کسی چیز کا نہ آنا ہی کم علمی ہے، نہ جاننا ہی کم علمی ہے تو تمام علم بھی جمع کر لیے جائیں۔ تمام علماء وقت بھی جمع کر لیے جائیں، تمام دانشور اور حکیم جمع کر لیے جائیں تو بھی تب ایک بات تو تحقیق ہے کہ علمیت کے اس معیار میں تصور کائنات یہ ہے اس کی میں تمام نہیں۔ اور صرف ایک شخص ان تمام معیارات کو عبور کرتے ہوئے علمیت کے اس مقام کا دعویٰ رکھتا ہے کہ تمام کائناتوں کا غیب صرف اللہ ہے اور ایک شخص ہے جو Vision of God کا دعویٰ رکھتا ہے اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کے بارے میں مقام سدرہ پر جبرئیل جیسے نورانی فرشتے نے کہا کہ اگر وہ یہاں سے ایک بال کے برابر بھی آگے بڑھے تو اس کے پر جل جائیں گے۔ لیکن دوسری طرف رسول کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے آسمانوں کے سفر کے دوران میں ملائکہ کے صریر خامہ کو بھی سنا ہے اور میں ایسے مقام پر پہنچا جس کے لیے رب نے کہا کہ "فکان قاب قوسین او ادنی" (النجم آیت ۹) کا محاورہ فاصلے کے لیے نہیں بولتے۔ بلکہ انتہائی قرب کا جب بیان کرنا مقصود ہو تو "فکان قاب قوسین او ادنی" کا محاورہ بولتے ہیں یعنی اتنے قریب تھے جتنی دو بھویں میری بھوؤں کے درمیان تو فاصلہ ہے یعنی پلکوں کی بھویں تو ملی ہوئی بھی ہوتی ہیں یعنی ایسے جیسے اللہ اور رسولؐ باہم ملے ہوئے تھے۔ اکٹھے تھے ایسے۔ مگر اس نے قطعی مراد نہیں ہے اور یہ رسول اللہ کی علمیت کا مقام ہے کہ اتنی قربتوں کے باوجود Priority کا تصور برداشت نہیں کرتے۔ خالق عالم کا درجہ پاتا ہے اور مخلوق میں افضلیت کا درجہ پاتا ہے۔ پیغمبروں نے اپنے اپنے مقام سے گزرنا ہوتا ہے۔ موسیٰ کلام خداوند کی برکات حاصل کر گئے۔ اللہ سے کلام کی برکات حاصل کر گئے۔ عیسیٰ کو روح اللہ سے مدد دی اور "وایدناہ بروح القدس" (البقرۃ آیت ۸۷) مگر ایک شخص جو چاہیے تھا کہ مقام علم میں شہادت مکمل نہیں ہوتی۔ خوف میں بھی شہادت مکمل نہیں ہوتی۔ میں آپ کو بیان کر رہا ہوں مگر کیا شے آیا، شے آیا سے شہادت پوری نہیں ہوتی۔

شے کو دیکھا ہو تو شے کا خوف دلا لیا۔ خوف یعنی بغیر Vision کے شہادت پوری نہیں ہوتی۔ محبت پوری نہیں ہوتی بغیر Vision کے شہادت پوری نہیں ہوتی۔ کیونکہ پیغمبر عالی مقام کو علمیت کے ایسے مقام پر پہنچایا تھا اسے شاہد اور نذیر ہونا تھا۔ یہ دونوں لفظ بغیر Vision کے پورے نہ ہوتے۔ اس لیے اگر کوئی کائنات کا سب سے بڑا غیب ہے تو اللہ ہے۔ اگر اس کائنات غیب پر کسی نے نظر شہادت دی ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ ہیں۔

وماعلینا الا البلاغ

سوالات وجوابات

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر میں تشریف لاتے ہیں؟

سوال: کیا قبر میں مومن کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ نظر آتی ہے؟

جواب: یہ سوال تو آپ کا دلچسپ ہے۔ میں بھی تو سوچا کرتا ہوں کہ Photosynthetic Process کا ایا

دروازہ قبر کا شاید کھول دیا جائے گا۔ زمان و مکان کے فاصلے ختم ہو جائیں گے Face to face۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی مرتبت کو In person دکھایا جائے گا۔ خواتین و حضرات اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ہمارے اندازے غلط نکلتے ہیں۔ اگر ایک شخص مجھے یہ کہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کروں کہ آپ اللہ کے حضور اس کی مغفرت کی دعا کریں تو قبول نہیں ہوتی اور اگر یہی دعا روضہ رسول پہ جا کر کریں تو قبول ہوتی میرے نزدیک یہ ایک Funny سی بات ہے۔ اس لیے میں آپ کو ایک بات بتانا چاہتا ہوں کہ جب ہم عقلی طور پر غور کرتے ہیں تو بعض باتیں بڑی واضح نکلتی ہیں۔ میرے پاس ایک خاتون آئیں اور انھوں نے کہا کہ روضہ رسول پہ جا کے دعا مانگنا جائز ہے مگر یہاں مانگنا جائز نہیں تو میں نے اس سے کہا کہ یہاں کیوں جائز نہیں۔ کوئی Reason ہوگی۔ میں نے اس سے کہا کہ لگتا یہ ہے کہ جیسے مجھے فاصلہ لگ رہا ہے گوجر خان سے مدینے تک کا۔ تمہیں بھی لگ رہا ہوگا اور ہمارے ہاں جو چیز حائل ہے۔ جہاں میرے اور میرے رسولؐ کے درمیان جو چیز حائل ہے وہ مجھے دکھیں۔ مجھے دوریاں دکھائی دیتی ہیں۔ اور روح کی Definition میں بھی یہ فاصلے آتے ہیں اور زمان و مکان اسی طرح حائل ہوتے ہیں جیسے ہماری زندگی میں حائل ہوتے ہیں تو پھر تو تمہاری بات قابلِ تسلیم ہے اور اگر روح کا مطلب یہی ہے کہ مرنے کے بعد ہماری روح زمان و مکان کی گرفت سے نکل جائے اور کسی دوسرے عالم میں چلی جائے جہاں اس قسم کے Barriers ہوتے ہی ختم ہو جائیں اور یہی عالم برزخ اور عالم ارواح میں ہے۔ اسی طرح جب مختلف جنات اپنے وجود سے خارج ہوتے ہیں تو ان کی Travelling اور رفتار بہت Fast ہو، ان کے لیے فاصلے بے معنی ہو جاتے ہیں۔ درحقیقت مرنے کے بعد یہ فاصلے کسی روح کی راہ میں حائل نہیں ہوتے۔ کوئی دیوار ان کے رستے میں حائل نہیں ہوتی۔ اس لیے میں نہیں خیال کرتا کہ قبروں میں کوئی زمینی فاصلہ کوئی گرد کوئی اینٹ کوئی پتھر کوئی دروازہ کوئی دریا اس Vision میں حائل ہوتا ہے۔ جب خاص طور پہ یہ حدیث موجود ہو کہ سکرات کے وقت ہی سے قرآن کہتا ہے کہ آج اس کی آنکھ بڑی تیز ہے کہ جو باتیں اس کو بتائی جاتی تھیں جس پر اس کو اعتبار نہیں تھا آج خود اپنی آنکھوں سے ان چیزوں کو دیکھتا ہے تو اگر سکرات کے وقت ہی سے آنکھیں اتنی تیز ہو جاتی ہیں تو پھر اس کے اپنے وجود کے حوالے سے بھی اس کی آنکھوں کے سارے حجاب اٹھ جاتے ہوں اور نہایت آسانی سے اپنے مقامات و منازل کو دیکھتا ہو۔ یہی ممکن ہے کہ مرنے والوں کی نگاہوں سے سارے حجاب ہٹا کر ان کی نظر کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار مبارک تک پہنچایا جاتا ہو اور وہ براہ راست ان کو دیکھتا ہو۔

دین کا سرچشمہ ——— قرآن یا محمدؐ؟

سوال دین کا ماخذ قرآن پاک ہے یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب ماخذ دین قول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کیونکہ جب اللہ نے ہمیں قرآن دیا تو ہمیں پتا نہیں تھا کہ یہ قرآن ہے۔ جب اللہ نے اپنی کتاب اتاری تو ہمیں بالکل پتا نہیں تھا کہ یہ کتاب اللہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے دو قول نکلے۔ انھوں نے ان دونوں کو جدا کیا اور کہا یہ میرا قول ہے اور یہ اللہ کی کتاب ہے۔ جب ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی ماخذ نہیں تو کتاب اللہ کے لیے قول رسول پہ ہم کو اعتبار کرنا پڑتا ہے ورنہ

نہیں کتاب اللہ کی کوئی اور تصدیق نصیب نہیں ہوتی سوائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول مبارک کے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اور یہ میری حدیث ہے۔ ایک لحاظ سے اللہ نے اسی قول کی صداقت کو قائم کرنے کے لیے چالیس برس تک آقا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف اس لیے صادق اور امین کہلوایا کہ کوئی شخص بھی ان کی کہی ہوئی بات پر شبہ نہ کر سکے اور اس کو ہر اعتبار سے یقین ہو جائے کہ نہ یہ امانت میں خیانت کریں گے اور نہ یہ صداقت میں جھوٹ ملائیں گے۔ جب ان کو قرآن دیا جائے گا تو لوگوں تک یہ قرآن پہنچائیں گے حتیٰ کہ یہ حدیث ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن میں کوئی آیتیں چھپاتے تو وہ آیت چھپاتے جس میں انہیں سیدہ زینب سے شادی کا حکم دیا تھا۔ مگر اللہ کے رسول خیانت دار نہیں تھے تو حدیث یہ بتاتی ہے تمام کتاب الٰہی یہ بتاتی ہے کہ اللہ کا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول حجت ہے صداقت قرآن پر اور صداقت قول مبارک پر۔

کیا اللہ کے لیے ہم درست ہے؟

سوال: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا لقب ہے شیر خدا جب انہیں اس لقب سے پکارا جاتا ہے تو اس سے ان کا رتبہ بڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے۔ آپ اور باقی دوسرے لوگ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے تو اس کے لیے جمع کا صیغہ کیوں استعمال کیا جاتا تھا۔ واحد کا کیوں نہیں؟

جواب: میرے نوجوان دوست یہ تو بڑی سادہ سی بات ہے کہ جب Single جمع کا صیغہ استعمال کیا جائے تو اس وقت سنگل کی عزت مراد ہوتی ہے۔ اس سے اس کی وحدت اجتماع میں نہیں ڈھل جاتی بلکہ اس سے اس کی عزت اور اس کی عظمت مراد ہوتی ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ میرا خیال ہے کہ آپ کو نہ تو سنگل کی اہمیت کا علم ہے اور نہ ہی سنگل کی اہمیت کا پتا ہے۔ زبان اپنے انداز میں عزت و تکریم کے ہزار طور چنتی ہے اس میں تو فرق بہت بڑی عزت اس وقت قائم ہوتی ہے جب اس میں اجتماعی لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ آپ جیسے سرکار فرماتے ہیں، یہ صرف خدا کے ساتھ تخصیص نہیں ہے بلکہ تمام بڑے لوگوں کو جب ہم عزت دینا چاہتے ہیں تو آپ کے تقاضوں کے مطابق ہم ان کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

سزا، جزا، جنت اور دوزخ کا حقیقی تصور!

سوال: سزا اور جزا کا تصور کیا ہے اور اس کے پیچھے جنت اور دوزخ کا تصور کیا ہے؟

جواب: حضرات گرامی ایک بڑی عجیب سی بات آپ کو بتاؤں کہ کہا جاتا ہے کہ خدا زمین پر بہت ساری ناانصافیاں دیکھتا ہے۔ حلال حرام دیکھتا ہے۔ بہت سارے قتل و غارت دیکھتا ہے اور مداخلت نہیں کرتا۔ اب مسئلہ یہ ہے جو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ امر امتحان میں کس قسم کی مداخلت کا حق رکھتا ہے۔ جب اس پورے عرصہ زندگی میں تمام انسانوں کو مختلف Situations میں رکھ کر آزمایا جانا مقصود ہو تو پھر اللہ زمین میں کیوں مداخلت کرے۔ زمین میں جزا و سزا کیوں دی جائے۔ زمین میں اگر ایک شخص ظالم کی حیثیت سے آزمایا جا رہا ہے تو وہی شخص شاید مظلوم کی حیثیت

سے بھی آزمایا جا رہا ہے۔ آپ اپنے سامنے غور کر کے دیکھیے۔ ایک شخص ایک وقت میں عزت و شہرت سے آزمایا گیا تو اسی شخص کو دوسری دفعہ غربت سے آزمایا گیا۔ نواز شریف آپ کے سامنے ہیں، بے نظیر آپ کے سامنے ہیں، ذوالفقار علی بھٹو اور عصر جدید کے حکمران آپ کے سامنے ہیں۔

مجھے پتا ہے کہ آپ سارے دل میں اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب پرویز مشرف بھی عزت اور تنگی میں داخل جائے گا۔ آپ کو پتا ہے کہ یہ قانون اس لیے ہے کہ اصول یہی ہے۔ آپ کو پتا ہے کہ ہر شخص گردش زمانہ کے انجام سے گزرتا ہے ”تلک الایام نداولہا بین الناس“ (آل عمران، آیت ۱۴۰) ہم لوگوں کی زندگی کے دن ایک جیسے نہیں ہوتے اور خدا اس ہر سہ امتحان میں مداخلت نہیں کرتا ہے۔ مگر اس سے کوئی بھی Right of Interference چھین نہیں سکتا۔ اگر کسی کی بے انصافی ہو رہی ہے تو ہوا کرے۔ اس کے پس منظر میں وہ زمینی حقائق ضرور شامل ہوں گے جو کسی شخص کو اس نا انصافی اور آزمائش تک لاتے ہیں۔ ایک مخصوص ماحول اور معاشرہ ہوتا ہے جہاں کچھ قوانین سے انحراف انسانوں کو ایک بیان خوف سے دوچار کر دیتا ہے۔ دیکھیے جو ظالم، سرکش، متکبر، شداد، ہامان اور فرعون یہ کہتا ہے کہ اب تاریخ اپنے آپ کو نہیں دہرائے گی۔ ماضی میں ایسا ہوتا تھا لیکن میرے دور میں ایسا نہیں ہوگا۔ اگر اس کے پاس عدل اور دانش ہو اور وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح سوچے تو اس کو معلوم ہوگا کہ تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ بش اور ٹونی بلیر کہتے ہیں کہ وہ اس بار تاریخ کا پہیہ روک دیں گے۔ اس سے پہلے پندرہ ہزار سوسائٹیاں تباہ ہو چکی ہیں۔ اس سے پہلے موہنجوداڑو (Mohenjodaro) فنا ہو چکا ہے۔ ہڑپہ فنا ہو چکا ہے۔ اشتخر فنا ہو چکا۔ میسوپوٹیمیا فنا ہو چکا۔ بادشاہ تباہ ہو چکے۔ قوم مشرق و مغرب تباہ ہو چکی ہے۔ مگر بش اور بلیر کہتا ہے کہ وہ نہیں ہوں گے۔ ہم بالکل نہیں ہوں گے۔ تاریخ سے کون سبق سیکھتا ہے۔ تاریخ تو اپنے آپ کو دہرائے جاتی ہے۔ میرے محترم دوست تنگی، شہرت، دولت، حلال، حرام یہ تمام آزمائشیں ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ کہتا ہے کہ تنگی، شہرت دونوں فتنہ ہیں، دونوں آزمائشیں ہیں۔ اقبال نے کہا

گر تو تنگی و درویشی نیست شر است

اگر تو شہرت میں تنگی نہیں جانتا تو یہ دولت اچھا ہے۔ اگر تم تنگی میں شہرت سے آگاہ نہیں ہو تو یہ بھی شر ہے۔ دیکھیے حضور ختمی مرتبت نے کیا خوبصورت بات فرمائی ہے کہ موت کی آرزو نہ کیا کرو۔ اگر کوئی شخص نیک کام کر رہا ہے تو شاید اس کی زندگی اس لیے طویل ہو رہی ہے کہ اس کے مراتب اور نیکی میں اضافہ ہو اور اگر کوئی شخص گناہ کر رہا ہے تو حضور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنا چاہتے تھے کہ وہ اتنے گناہ کر لے کہ اس پر حجت تمام ہو جائے اور وہ اپنے مرتبہ اسفل تک پہنچے مگر نہیں فرمایا۔ کمال علم ہے کہ فرمایا شاید کہ انہیں توبہ کی توفیق مل جائے۔

حقیقتِ علم اور خدا شناسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضراتِ محترم! آج کا عنوان حقیقتِ علم اور خدا شناسی یا اتنا بڑا موضوع ہے کہ اس پر اگر ہفتوں نہیں مہینوں اور برسوں بھی گفتگو ہوتی رہے تو شاید کم ہو۔ میں آپ سے یقیناً ایک بات جو کہنے آیا ہوں کہ علم کی تشنگی ایک ایسے سراب کی طرح ہے کہ میرے دل میں ابھی کہ سب کچھ پڑھنے لکھنے کے باوجود اپنی زندگی کے دو بنیادی سوال حل نہ ہو سکے اور میں نے اور لوگوں کی طرح قرآن اور حدیث کو ابتدائی عہد میں نہیں پڑھا بلکہ جب یہ تشنگی اتنی بڑھ گئی اور امن و سکون اور چین غارت ہو گئے اور جب کوئی چارۂ کار نہ رہا تو مجھے ایک خیال آیا کہ آخر وہ کون سے بنیادی سوال ہیں۔ جن سے انسان کا ذہن مسلسل جدوجہد کرتا ہے۔ ایک بات مجھے بھی اس وقت تک سمجھ نہ آتی تھی کہ میں عذابِ قبر سے کیوں ڈروں۔ میں ملائکہ سے کیوں خوفزدہ ہوں۔ میں حساب کتاب کے ان تمام خیالات کو کہاں سے اور کس طرح Justify کروں۔ تو میرے ذہن میں صرف ایک خیال جو بڑا خیال آیا تھا وہ یہ تھا اور وہ ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر ابھر آیا کہ مجھے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ میں زندگی میں آزاد ہوں کہ غلام ہوں۔

حضراتِ محترم! ابتدا سے فلسفہ، منطق اور تمام علم کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ سوال بڑی شدت اور بڑی بے چینی سے ابھرا کہ میں آزاد ہوں کہ میں غلام ہوں۔ حضراتِ محترم! اس سوال کا حل ایک دوسرے بڑے سوال میں موجود تھا کہ اگر خدا ہے تو میں آزاد نہیں ہوں اور اگر خدا نہیں ہے تو میں آزاد ہوں۔ جب مسئلہ آگے بڑھا اور نوبت یہاں تک آئی کہ مجھے میری آزادی میرے اختیار کا سب سے بڑا حریف نظر آنے لگا۔ مجھے ایسے محسوس ہوا کہ منطقی اور علمی سطح پر مجھے ہر مرتبہ ایک ایسی ذات سے واسطہ پڑتا ہے کہ جو شعور نہیں رکھتا جو میری بات نہیں مانتا بلکہ اپنے مستقل قوانین کی صورت میں وہ خود بھی موجود ہے اس کا ایک لائحہ عمل بھی موجود ہے ایک کتاب علم و حکمت بھی موجود ہے۔ ایک ایسی کتاب جس کا یہ دعویٰ ہے کہ جو لفظ میرا لفظ ہے۔ اللہ کا یہ دعویٰ ہے کہ ایک ایک لفظ ایک ایک آیت کو میں نے بڑے غور و فکر سے چنا ہے۔ لکھا ہے۔ اور قیامت تک میرا لکھا ہوا یہ لفظ غیر متغیر ہے اور میری سنت غیر متغیر ہے۔ میرا خیال غیر متغیر ہے۔ حضراتِ گرامی! علم یہاں پیدا کرتا ہے کہ اور علم کی حیثیت خدا کے نزدیک یا باطنی ہوگی اور یا اعمالِ ظاہرہ جو ہم اپنی زندگیوں میں ایک پیکیج شامل ہے جس میں نماز شامل ہے، روزہ شامل ہے، زکوٰۃ و صدقات شامل ہیں۔ یا تصوف پر مبنی اعمال، ظاہرہ سے اعمالِ ظاہرہ ہی میں یا ان سے بھی کوئی آگے بڑھ کر ہوتی ہوئی ایک منزل نکلتی ہے۔ تو قرآن کے آغاز کے مطالعہ سے مجھے ایک فکری جھٹکا لگا تھا کہ پروردگار نے انسان کی زندگی علم سے شروع کی ہے اور انسانی زندگی کا ترفع، عروج، عزت اور وقار اس نے علم کے ایک اور

بتاتے ہیں۔ لکھا ہے کہ جب زمین میں چلتے پھرتے اس جنگلی اور وحشی انسان کو جو 80 لاکھ سے 80 لاکھ سال سے زمین پر موجود تھا جسے ہم ہومو ہیبلس اور ہومو اریکٹس کہتے ہیں۔ جو ایک جنگلی اور وحشی جس کے پاس ایک کلہاڑا تھا اور جو شکار کے سوا کوئی شے نہیں جانتا تھا۔ جس کا Survival اتنا عظیم تھا کہ خدا اللہ کریم کی آیت گرامی کے مطابق اس کو حرام و حلال کی کوئی تمیز نہیں تھی۔ "احضرت الانفس الشح" (النساء، آیت ۱۲۸) کہ ہم نے ہر جان کو بخل جان پہ جمع کیا ہے اور وہ انسان جو اتنے طویل پانچ لاکھ سال کے بعد بھی اپنی جنگلی زندگی کے حصار میں گرفتار تھا اس انسان کو جب خالق ازلی نے اس خالق و مالک نے خلیفۃ اللہ فی الارض بنانے کا فیصلہ کیا۔ ایک عجیب سی بات ہے حضرات گرامی جو آپ لوگ قرآن حکیم پڑھتے ہوں گے کہ ملائکہ نے ایک اعتراض کیا اور اعتراض یہ کیا کہ پروردگار تو اس شخص کو خلیفۃ اللہ فی الارض بنانا چاہتا ہے کہ جو زمین میں ہمہ تن فساد میں قتل و غارت میں مشغول ہے۔ کیا یہ انسان اس قابل ہے۔ کیا یہ ہم سے بہتر ہے۔ ہم جو ہمہ وقت تیری عبادت میں مستغرق ہیں۔ ہم ہمہ وقت تیرا نام لیتے رہتے ہیں۔ تیری تسبیح کرتے رہتے ہیں یہ انسان جسے زمین پہ بھیجا جا رہا ہے یہ تو ابھی تک اپنی پرورش کے مرحلے تک نہیں پہنچا۔ اس میں ہم تو آدمی کے شعور کو جاگتا ہوا نہیں دیکھتے۔ کیا تو اس انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض بناتا ہے۔ "قال انی اعلم ما لا تعلمون" (البقرۃ آیت ۳۰) کہا تم نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔ اس کے معاملات کیا ہیں، اس کے خیالات کیا ہیں، اس کی کوالٹی کیا ہے، اس کو میں اچھی طرح جانتا ہوں اور حضرات گرامی پھر ایک معمولی سا ٹیسٹ کیا ایک معمولی نوعیت کا امتحان دے دیا اور وہ امتحان یہ تھا۔ "وعلم آدم الاسماء کلها" (البقرۃ: ۳۱) ہم نے آدم کو اسماء کی تعلیم دی۔ ایلفابٹ سکھائے، تختی لکھوائی (آیت) اور خالق آدم کو میں لسانی (آیت) پھر وہی تختی وہی ایلفابٹ وہی کتاب ابجد ملائکہ کو بھی دی اور کہا کہ اگر تمہیں اپنی ذہانت اور فطانت، اگر اپنی صلاحیت اور شعور کا کوئی دعویٰ ہے تو میں تمہیں ایک عرصہ مہلت دے دیتا ہوں۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب ابتدائی انسان Symbol سے حرف کی طرف آ رہا تھا اور اشارہ اور کنایہ کو ایلفابٹ دے رہا تھا اور ملائکہ کے اس اعتراض کے جواب میں خدا نے دونوں کو ایک ہی ٹیسٹ دیا اور کہا کہ کچھ عرصہ لے لو، کچھ صدیاں لے لو۔ ایک میلینیم لے لو اور اس کے بعد میرے پاس دوبارہ پلٹ کے آؤ اور مجھے بتاؤ کہ تم نے کیا کیا۔ وہاں ملائکہ کو دیر نہیں لگی واپس آتے ہوئے خواتین و حضرات! ملائکہ کو کچھ اپنی بے بسی کا احساس ہو گیا۔ انہوں نے اللہ کے حضور جو جواب دیا وہ بڑا قابل غور ہے۔ اور اسی میں شاید انسان کی فضیلت ہے۔ "قالوا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم" (البقرۃ آیت ۳۲) کہ اے مالک کریم تو پاک ہے اور پاک ہمیشہ اس وقت بولتے ہیں جب اپنی خطا کا احساس ذرا زیادہ ہو جائے۔ تو ملائکہ نے کہا اے پروردگار ہم سے خطا ہوئی۔ ہم نے غلط اندازہ لگایا۔ ہمیں تو صرف اس بات کا علم ہے جو تو ہمیں دے دیتا ہے، جو تو ہمیں Feed کرتا ہے۔ خواتین و حضرات! یہ بات قابل غور ہے کہ ملائکہ صرف ایک Feeded ڈیٹا پر چلتے ہیں۔ ان کی اپنی تحصیلات کا اپنا شعور ان کی اپنی Nutations نہیں ہیں۔ اس کے برعکس جب اللہ نے انسان سے پوچھا "قال یا آدم انبئهم باسمائهم" (البقرۃ آیت ۳۳) تو نے اس بابت کیا تحریر کیا یا ان اسماء کے ساتھ کیا کیا۔ "فلما انبأهم باسمائهم" (البقرۃ آیت ۳۳) تو آدم نے فرفر ان کو شمار کرا دیے By that time زمانے میں اس نے ہر چیز کا نام رکھ دیا تھا۔ اس کے خواص متعین کر دیے تھے۔ اس نے اپنی اس فکری

محاکمے سے کام لے کر ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ کر دیا تھا۔ Intellect ایک بائیفرکیٹری ایلیمنٹ کی طرح اس کے پاس تھی۔ Element ایک ایسے وجدان کی طرح تھی جو اشیا میں تخصیص کرتی ہے، جو شے کو شے سے جدا کرتی ہے۔ عقل زمانے کی طرح ہے اور زمانہ کاٹتی ہوئی تلوار ہے۔ علم چیزوں کے فرق کا سب سے بڑا پیمانہ اور میزان ہے اور آدم نے اس فرق کو اتنا نمایاں کر دیا کہ ملائکہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ جو اس کی ایملیشن ہے، جو اس کی پاور آف ایملیشن ہے جو پاور آف ایبارشن ہے جو یہ ماضی سے اپنے تجربات لے کے چلتا ہے، انہیں یہ حال میں استعمال کرتا ہے اور جو یہ مستقبل میں اشارات چھوڑ دیتا ہے۔ اس قسم کا کوئی ذہن ہمارے پاس نہیں ہے۔ خواتین وحضرات! اس علم برتری کے بعد اس محاکمے کے بعد اللہ نے تمام ملائکہ کو اپنے تمام مقتدر ملائکہ کو تمام اعلیٰ ترین مخلوقات کو حکم دیا "واذ قلنا للملئکۃ اسجدوا لآدم" جیسے اس نے پہلے کہا تھا ان کو یہ کہا کہ اب تم اس آدم کو سجدہ کرو۔ "فسجدوا الا ابلیس" سوائے ابلیس کے تمام نے سجدہ کیا۔ خواتین وحضرات! یہ سجدہ صرف انسان کی علمی فوقیت کی بنیاد پہ تھا۔ یہ سجدہ تعظیمی مراتب کا اعتراف تھا۔ یہ انسان کے اس علمی سفر کا آغاز تھا اور یہ ہی عہد انسان نے دنیا ہی میں نہیں شروع کیا تھا بات اس سے بھی زیادہ پرانی ہے۔ عہد یوم میثاق کا ذکر کرتا ہے۔ عہد اپنی شناخت کا ذکر کرتا ہے۔ اپنی پہچان کا ذکر کرتا ہے اور جو اس پہچان کے اختیار کا پابند کرتا ہے اور ہر حال میں کسی بھی طرح سے، کسی بھی قرینے سے اپنی مخلوق کی عبادات پہ حق رکھتا تھا مگر خدا کے ہاں ایک خواہش پیدا ہوئی۔ ایک عجیب و غریب خواہش ایک جینوئن فطری خواہش۔ خواتین وحضرات کہتے ہیں کہ تحسین نا شناس و ملکات تحسین شناس، دونوں ٹھیک نہیں ہیں۔ اگر جاننے والا تحسین شناس خاموش رہے اور اگر جاہل تعریف کرے تو دونوں ہی کسی اچھی شے کی صفات کا قتل کرتی ہیں۔ خواتین وحضرات یہی حال تھا ہے اللہ تبارک کی اس عبادت سے پچھتاتا سا گیا اور اس نے یہ چاہا کہ میں پہچانا جاؤں مگر خواتین وحضرات پہچان کے لیے تو عقل چاہیے۔ کوئی ایسی مخلوق بھی تو چاہیے جو اسے از خود پہچان لے جو اپنے عقل سے کام لے کے پہچان لے فرمایا اللہ نے کہ "کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق" میں چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں بہت بڑی ذات، میں ہر چیز کا مالک تھا مگر مجھے کوئی جانتا نہیں تھا۔ اور جو کچھ میں پیدا کر رہا تھا ان کو تو میں خود کہہ رہا تھا کہ میری عبادت کرو میں تمہارا رب ہوں اور ان کا اعتراف میرے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا تو پھر میرے دل میں اپنی شناخت اور پہچان کی شدید خواہش پیدا ہوئی "فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق" میں نے مخلوق کو اپنے تعارف کے لیے پیدا کیا۔ یہ خود شناسی کی عظیم ترین خواہش کا نتیجہ تھا کہ مخلوقات پیدا ہوئیں مگر مخلوقات میں جبریت نے خود شناسی کی توہین کر دی اور پروردگار عالم اب یہ سوچنے لگ گئے کہ میں کوئی ایسی حسین قدر پیدا کروں کہ مجھے یہ احساس ہو کہ مجھے جس نے چاہا اس نے اپنے اختیار سے چاہا۔ مجھے جس نے چاہا اپنے شعور سے چاہا تو فرمایا "انا عرضنا الامانۃ علی السموت والارض و الجبال فابین ان یحملنها و اشفقن منها وحملها الانسان" (الاحزاب آیت ۷۲) کہ میں نے یہ امانت عقل و شعور پیش کی۔ آسمانوں پر، زمینوں پر، پہاڑوں پر، آسمانوں کی مخلوقات پر، زمینوں کی مخلوق پر اور میں نے کہا کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اس امانت عقل و شعور کا حق ادا کرے تو سارے کے سارے ڈر گئے۔ سوال مشکل تھا ایک طرف جزا کا قول، پیدائش، آزمائش اور موت کی بربادی سامنے نظر آتی تھی۔ کسی نے ہاتھ نہ اٹھایا۔ آیت انسان نے آگے بڑھ کر کہا تو کوئی بات نہیں ہے۔ میں

اس شعور کی حفاظت کرتا ہوں۔ اللہ مجھ سے یہی چاہتا ہے کہ میں اسے پہچانوں تو میں تو اس کے سامنے ہوں۔ مجھ سے یہ شعور چھینا تو جا نہیں سکتا۔ یہ بہت معمولی سا کام ہے جو میں نے اپنے عقل وفہم سے انجام دینا ہے۔ "انہ کان ظلوماً جہولا" (الاحزاب آیت ۷۲) خدا نے اس پہ ایک تہمت دی کہ ظالم اور جاہل۔

خواتین و حضرات نہ ظالم کا مطلب ظالم ہے۔ نہ جاہل کا مطلب جاہل ہے۔ اگر اصطلاحاً دیکھا جائے تو ظالم وہ ہے کہ جسے اچھی طرح پتا ہو کہ ایک کام ناقص اور ظلم کا ہے اور پھر بھی سرانجام دے اور جاہل وہ ہے جسے اچھی طرح علم ہو کہ عقل یا حق یہ ہے اور پھر بھی اس کے خلاف کام سرانجام دے۔ تو انسان کو اچھی طرح پتا تھا اس نے عجلت میں ایک فیصلہ کیا۔ وہ اپنے آپ کو اوور اسٹیمیٹ کر دیا اور اپنی جاب کو انڈر اسٹیمیٹ کر دیا اور خداوند کریم کی اس آیت کا سادہ سا مطلب یہی ہے کہ انسان نے مجھے اور اس شناخت کے کام کو انڈر اسٹیمیٹ کر دیا اور اپنے آپ کو تفاخرات میں ایسا اچھالا کہ اپنے آپ کو اوور اسٹیمیٹ کر دیا۔ چنانچہ اب انسانوں میں سے آج بھی بہت کم لوگ ایسے نظر آتے ہیں کہ جو عقل و شعور کی آگہی کا اصل مقصد جانتے ہیں اور جو خداوند کریم کی شناخت کو اپنی Intellectual Curiosity کی ٹاپ Priority سمجھتے ہیں بلکہ آج بھی ہم دنیا کے سارے کام تمام کر کے ہم وہ کام کرتے ہیں جو اللہ ہمارے لیے سرانجام دے رہا ہے اور وہ اتنی بڑی Misgiving ہے اتنی بڑی Intellectual Mistake ہے کہ خدا ہمیں دل کا سکون دیتا ہے، خدا ہمیں آخری سانس دیتا ہے۔ خدا ہمیں رزق دیتا ہے۔ خدا ہمیں بیوی بچے دیتا ہے خدا بیویوں کو Husband دیتا ہے خدا ان کو اولادوں سے مالامال کرتا ہے خدا انسان کو صحت تندرستی برقرار رکھتا ہے، اور ہمارے تمام لوگوں کا Literal faith یہی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے۔ لیکن ہم بضد ہیں کہ یہ سارے کام ہم کرتے ہیں اور جو کام ہم نے کرنا ہوتا ہے، وہ ہم نہیں کر رہے ہوتے۔

Today the basic fault in the Muslim philosphy is that we give lesser importance to the top priority and top importance to the lesser priority

یہ تمام اخلجان واقع ہو گیا ہے کہ آج کے زمانے میں اس پوری مذہبی عمارت کا تعین ہو گیا ہے اور اس پورے مذہبی دیار میں اتنا ایک جنبی کی طرح ہے اور ہم میں سے کوئی شخص یہ شعور نہیں رکھتا کہ تمام مذاہب اللہ کے لیے تھے اور تمام عقل جو مذہب کا بنیادی رکن تھی وہ رفتہ رفتہ اعتقاد میں بدل گئی ہے اور مذہب اور یہ واحد مذہب ہے دنیا کا جو صرف Intellectual Capacity کو دعوت دیتا ہے بلکہ یہ Intellectual Capacity کو ہمہ وقت غور و فکر پہ آمادہ کرتا ہے اور اعلیٰ ترین مابعد الطبیعاتی خیالات کے لیے ان کا رجوع پیدا کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے نزدیک بدترین انسان وہ ہیں کہ "ان شرالدوآب عنداللہ الصم البکم الذین لایعقلون" (الانفال ۸۔ ۲۲) کہ بدترین لوگ وہ ہیں جو اندھے، بہرے اور گونگوں کی طرح میری آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ جو غور و فکر کی صلاحیت کو کسی قیمت پہ اس کے لیے استعمال کرنے پہ آمادہ نہیں ہوتے اور پھر بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم خدا کو مانتے ہیں اور خدا کو یاد کرتے ہیں۔ خواتین و حضرات! قرآن حکیم میں مسلسل ایک طعنہ اللہ تعالیٰ مسلسل اہل عقل کو دیتا ہے کہ اگر تم سوچنے سمجھنے والے ہوتے، اگر تم تھوڑا سا غور و فکر کرتے تو اندھا دھند تقلید نہ کرتے آباؤ اجداد کی۔ اور تم غور کرتے سوچتے تو

تو ہم اپنے اللہ کو پہچان لیتے۔ اگر آج کا حال دیکھا جائے آپ Intellectually خدا کو انصاف تو نہیں مانیں گے۔ اگر ایک طعنہ اہل عرب کو دے سکتا ہے اللہ کہ تم عقل و شعور استعمال کیے بغیر آباؤ اجداد کی تقلید کر رہے ہو تو ہم میں اور اہل کفر میں فرق صرف اتنا ہے کہ ان کا دیوتا ہبل تھا۔ لات اور عزیٰ تھے اور ہمارا دیوتا جس کا نام اللہ ہے۔ اس سے زیادہ ہمیں خدا کے قرب کی کبھی سعادت نصیب ہوئی، نہ خدا کی محبت کا کبھی شعور حاصل ہوا۔ ہماری Priorities میں اللہ بھی Exist نہیں کرتا۔ ہمیں ایک فعال اور مقتدر حیثیت میں ہمارے اندر کا شخص نہیں کرتا۔ ہمیں اپنی خواہش کے خلاف اللہ کی حمایت کرتے نظر نہیں آتے۔ ہمیں اپنے آس پاس کے تصورات میں ہم خدا کو ایک حل کی طرح اختیار نہیں کرتے۔ خواتین و حضرات یا یورپ Intellect اور دنیا انفارمیشن تک پہنچی تھی یا ادھر سے آتے ہوئے حقائق اکٹھے کر رہے تھے۔ مجھے ایک صاحب، ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ، آکسفورڈ یونیورسٹی نے خط لکھا کہ

How do you know the God, i have also spent my 14 years in search of God, but never found him

تو میں نے کہا کہ پروفیسر صاحب

It is simply the search. God is not a by product of your mathematical researches. He can't be found as a lesser interest.

یہ تو نہیں ہوتا کہ وہ راہ چلتے ہوئے نصیب ہو جائے۔ جب تک آپ اللہ کو اپنی Top priority نہیں بناتے۔ جب تک آپ اللہ کو وہ مقام نہیں دیتے جو اس کا ہے، وہ ذہن و عقل و شعور میں کوئی خالق اپنی مخلوقات سے کم تر جگہ پر کیسے راضی ہوتا ہے۔

How can a Prime Minister sit on a peon's chair

خواتین و حضرات! خدا کی محبت علم کا شعور ہے۔ علم کی منزل ہے۔ مذہب تو نتیجہ ہے۔ مذہب ایک محفوظ فضا ہے تمام مذاہب ایک دائرے کی تلقین کرتے ہیں، جہاں ایک معاشرہ ایک Safe Limits میں آکر اپنے اندر بھی خواہشات کو پیدا کرتا ہے۔ آج کے اس زمانے کو دیکھیے کہ اعمال والے مسلمان ایسی کثرت سے ہیں اور اس کے باوجود معاشرے کا شخص نہیں بدل رہا۔ اس کے باوجود کہ ہمارے پاس سی ایس ایس، بیس بیس لاکھ Academies مسلمان ہیں جو تمام تر ہمت اور محنت کے ساتھ دن اور رات عملی کاوشوں میں مصروف ہیں۔ اس کے باوجود وہ ایک شخص نہیں مل رہا، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ فراست مومن سے ڈرو، وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

خواتین و حضرات! معاملات تو پہلے بھی خراب ہوتے تھے۔ مسلمانوں پر زوال کئی مرتبہ آیا۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ آج کا زوال نیا نہیں ہے۔ عباسیوں پر بحران آئے، امویوں پر آئے۔ چین کی حکومت پر آئے Through out history۔ کروسیڈز کوئی کم نہیں۔ کبھی ایک یا کبھی فتح ہوا، کبھی پر ظلم یا کبھی فتح ہوا، مگر خواتین و حضرات! ایک بات یقینی تھی کہ جب بھی عالم اسلام کسی بڑے بحران میں آیا کوئی شیخ عبدالقادر جیلانی پیدا ہو گیا۔ کوئی علی بن عثمان ہجویری

پیدا نہ ہوا۔ کوئی معین الدین چشتی اجمیری پیدا نہ ہوا۔ علم اور عمل کے ایک مستقل اتحاد سے وہ لوگ جنہوں نے قرآن حکیم کی اس آیت کا عملی مطلب سمجھ لیا کہ "الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبھم" (آل عمران آیت ۱۹۱) کہ "خدا کے عملی بندے تو وہ ہیں جو کھڑے، بیٹھے، کروٹوں کے بل اسے یاد کرتے ہیں" "ویتفکرون فی خلق السموت والارض" (آل عمران آیت ۱۹۱) اور زمین و آسمان کی تخلیقات پر غور کرتے ہیں۔ خواتین و حضرات! غوروفکر کی صلاحیتیں تو نیند لے گیا اور تحقیق کرنے والے، بے شعوری میں، اپنے اس تحقیق کے شعور کو نہ جانتے ہوئے، اس کی منزل کو نہ سمجھتے ہوئے، اپنے معاملات میں ایسے الجھ گئے ہیں کہ آج زندگی کے ہر مرحلے میں ہم مغرب کے کاسہ لیس ہیں۔ خداوند کریم نے انسان کی تخلیق کے چار پیٹرن گنوائے ہیں۔ وہ بائیولاجیکل انسان کہ جس نے ایک سنگل جین سے سنگل سیل سے سفر شروع کیا۔ اور Inellectual منزل تک اللہ تعالیٰ نے اس کے کام گنوائے ہیں۔ "ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا O" (الدھر آیت ۱) بلاشبہ زمانے میں انسان پر طویل عرصہ ایسا گزرا کہ وہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا۔ وہ قابل ذکر شے کیا ہو سکتی ہے۔ کوئی ایسا تھا کوئی سا کنز تھا۔

Nobody knows beginning of first human cell.

پھر خدا نے کہا "انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ" (سورۃ الدھر آیت ۲) پھر میں نے اس نطفے کو تخلیق کر دیا۔ پہلے یہ سنگل سیل تھا۔ اب ملٹی سیلولر Existence ہوئی۔ اب اس میں سیل اور ملٹی سیل ہو گئے۔ پہلے صرف نیوکلیس پیدا ہوتا تھا۔ اب علیحدہ علیحدہ تشخص ہونا شروع ہو گیا۔ ملٹی سیل اور سیل کا اور پھر ابھی وہ ابتدائی منزل حیات میں ایسے تھا کہ وہ اس قابل نہیں تھا کہ اسے Existence کی شکل دی جائے۔ "لم یکن شیئا مذکورا" (سورۃ الدھر آیت ۱) خدا نے کہا اب میں نے مخلوقات کو علیحدہ کرنا شروع کیا اور ایک مخلوق کو خاص کر اس کے Further مقاصد کے لیے چنا "فجعلناہ سمیعا بصیرا" (سورۃ الدھر آیت ۲) میں نے اس کو سماعت دی، اس کو بصارت دی۔ میں نے اس کو زندگی کے بہترین مقاصد عطا کیے مگر ابھی میں نے اس کو اپنی شناخت کا علم نہیں دیا۔ نہ اپنی شناخت کا اس پر بوجھ ڈالا۔ ہم یہ دیکھتے ہیں خواتین و حضرات! کہ انسان کی ابتدائی پرورش، بہترین ماحولیاتی مدد سے کہ جس کی چھوٹی چھوٹی سے علیحدہ ہو کر انسان 35 سی سی یونٹ تک برین ماس کا مالک ہے اور آج کا پیدا ہونے والا بچہ بھی 950 سی سی کا مالک ہے اور جوں جوں یہ پرورش ہوتی رہی۔ جوں جوں برین کو اتنی ترقی ملتی رہی۔ خدا اس پر اپنے احکامات Exercise کرتا رہا۔ تجربات اللہ کی طرف سے انسان کو سمات ملے ہیں۔ خواتین و حضرات! بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ خدا نے، اللہ نے ایک ہی وقت میں یہ ساری چیزیں تخلیق کیوں نہ کر دیں۔ پورے کا پورا انسان بغیر کسی کوشش کے کیوں نہ بنا دیا۔ پوری کی پوری دنیا کن سے ایک لمحے میں کیوں وجود میں نہ آ گئی۔ خواتین و حضرات! ایسا نہیں ہوا۔ اللہ ہی کی پلاننگ سے آپ کام کرتے ہیں۔ انسانی شعور نے خدائی شعور کی نقل کی ہے۔ اس کی مثال پکڑی ہے۔ جیسے اللہ نے پہلے اس کائنات کا ماسٹر پلان بنایا، جس کو لوح محفوظ کا نام دیا اور پھر اس ماسٹر پلان کو جاری کرنے کا حکم کن فیکون سے دیا۔ وہی کام ہم آج بھی کرتے ہیں کوئی چیز بغیر پلاننگ کے ہمارے ہاں بھی تنزل کا شکار ہو جاتی ہے۔ اور اللہ نے جب پورے کے پورے انسان کو کامیاب کر کے بنا دیا۔ تو اس کے کام کا تعین کیا اور فرمایا میں نے تمہیں عقل و شعور صرف اس لیے بخشی ہے کہ "انا

شاکرا و اما کفورا" (الدھر آیت ۳) چاہو تو مجھے مانو چاہو تو میرا انکار کرو۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل کا صرف اور صرف ایک مقصد بتایا ہے کہ چاہو تو مجھے مانو چاہو تو میرا انکار کرو۔ خواتین و حضرات! ہمیں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ ہم اس انسانی عقل و شعور کو جس کا بنیادی مقصد خداشناسی ہے ہم اس کو کس کام میں استعمال کرتے ہیں۔ آپ دنیا کے کسی بھی بڑے انسان کے پاس، کسی بڑے مکتبِ فکر کے پاس چلے جائیں تو اسلام کے سوا تمام مکتبِ فکر یہ کہتے ہیں علم کا ایک بنیادی مقصد بتاتے ہیں اور وہ خودشناسی ہے

The entire movement of better knowledge is to know one's own-self.

سوائے اسلام کے جو علم کا مقصد خداشناسی بتاتا ہے۔ سوائے اسلام کے کوئی اور مکتبِ خیال و فکر یا مکتبِ عمل ایسا نہیں ہے جو علم کا واحد مقصد صرف اور صرف خداشناسی قرار دیتا ہے۔ اور خواتین و حضرات! خداشناسی کے لیے جن لوگوں نے جدوجہد کی ہے، جن لوگوں کے عقل و شعور نے اس طرف کوشش کی ہے۔ آئیے ذرا ان کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے کیا کہا ہے۔ حضرت عیسیٰ سے پوچھا گیا کہ خدا کو کیسے پہچانا جا سکتا ہے۔ فرمایا Know thyself, know thy God کہ اپنے آپ کو پہچانو تم اپنے رب کو پہچان جاؤ گے حدیث قدسی ہے جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ حضور گرامی مرتبت نے فرمایا اللہ جس پر بہت کرم کرنا چاہتا ہے جس پر بہت احسان کرنا چاہتا ہے اس کی آنکھ اس کے اوپر کھول دیتا ہے۔ خواتین و حضرات اگر ان تینوں Statements میں آپ دیکھیں گے تو ان میں غلطی کا پہلو نظر نہیں آتا۔ یہ تمام Statements ہمیں غور و فکر اور کسی اندرونی شعور کی طرف مائل کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ہمیں یہ بار بار سننا پڑتا ہے کہ

Know thyself and you shall know thy God.

Frankly telling you کہ ویسٹ نے Know thyself میں بہت پراگرس کی ہے اور علم نفسیات میں ان کی مہارت، سائیکالوجی، پیراسائیکالوجی

And all those institutions which they have established to improve a basic self into a better self.

یہ ان کا کریڈٹ ہے۔ اس سے پہلے ہمارے تمام صوفیائے کرام جو Self کی کھوج میں اپنے آپ کو اور دوسروں کو بھی شعورِ ذات اور شعورِ خداوندی عطا کیا کرتے تھے ان کی کھوج میں ایک فرق ہے کہ وہ چیدہ چیدہ مخصوص ہوتی اور صرف اہل لوگوں کو دی جاتی اور یہ آج کی ماڈرن سائیکالوجی کے بارے میں

I would say, Psychology if applied to others is a Science and if applied to one's ownself is mysticism.

[illegible] کی بات یہ ہے کہ تمام سائیکالوجی تمام علم نفس ماڈرن ہو کر بھی خدا کی شناخت نہیں دیتے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی موجودہ علم نفسیات کے پاس یہ مہارت نہیں ہے۔ حضرات گرامی! خدا کا انکار کرنے والے بہت لوگ ہیں اور ان میں سے پانچ بڑے مکتب ہیں۔ ان میں سے مارکسسٹ ہیں۔ [illegible] ہیں، Logical Positivist

ہیں۔ اور یہ تمام لوگ بڑے بڑے..... جو انتہائی [illegible] ہیں۔ یہ بڑے بڑے دلائل کی بنا پر خدا کو رد کرتے ہیں۔ خواتین و حضرات ان سب میں مشترک ہے

All those people who deny the existence of God.

ان میں ایک بنیادی بات ہے چاہے وہ رسل ہو، چاہے وہ وٹگنسٹائن ہو۔ چاہے وہ ہیگل ہو۔ کانٹ ہو یا برگساں ہو ایک بنیادی فرق ان تمام فلاسفہ مغرب میں موجود ہے کہ None of them try to search the God. خواتین و حضرات بڑی اہم بات میں آپ سے کر رہا ہوں کہ وہ تمام لوگ جنہوں نے خدا کا انکار کیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک شخص نے بھی خدا کی تلاش نہیں کی ہے جیسے خدا کہتا ہے کہ یا ڈھونڈے سے میں بات کہتے ہیں

For Example کارل مارکس کو آخر ایک سسٹم غلط نظر آیا اور اس یورپین فلاسفی اس کے نزدیک بدترین نتائج پیدا کر رہی تھی اور اس کو یہ سمجھ آیا کہ مذہب کے پاس انسان کے بنیادی مسائل کا کوئی حل نہیں ہے۔

اسے مسخ شدہ بتا رہی مس لیڈ مس گائیڈ Religion۔ جو خدا خود بار بار اپنی کتاب میں کہہ چکا ہے کہ ان لوگوں نے میرے مذہب کو خراب کیا۔ میرے رستے کو انہوں نے بت پرستی اور شرک سے گندا اور آلودہ کیا۔ بجائے اس خدا کا بجائے اس Corrupt اور Weak فلاسفی سے بچے ہو سکتا ہے مارکس نے تو کبھی خدا کو تلاش نہیں کیا Not as single one time in his whole life تلاش کر دیا کرتا۔ جیسے اقبال کہتا ہے۔

صاحب سرمایہ از نسل خلیل
یعنی آں پیغمبر بے جبرئیل

اگر تلاش کر دیا کرتا کہ وہ خدا کو اس پورے دل سے تلاش کرتا اور پھر ہمارے پاس آتا اور کہتا کہ میں نے اسے بہت ڈھونڈا ہے بڑے خلوص سے ڈھونڈا ہے

I didnot find God anywhere and i am sorry to say i don't believe it.

ایسا نہیں ہوا۔ رسل نے کبھی خدا کی تلاش نہیں کی۔ وہ بھی اپنی ایک مروجہ عیسائیت پر اعتراض کرتا رہا اور بہت ساری ان سائنٹفک Statement کی وجہ سے اس نے یہ اعلان کیا کہ

Chiristianity is totall in contradiction with the scientific results of the modern times

اس لیے یہ غیر شعوری مذہب ہے۔ غیر عقلی مذہب ہے۔ تو کسی نے اس کو کہا کہ قرآن نہیں پڑھتے ہو۔ قرآن بھی پڑھ کے دیکھ لو۔ اس نے کہا

Why should I, all gospel truth is alike.

میں نے کسی بڑے فلاسفر کو اتنی بڑی احمقانہ بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ رسل نے He pre-supposed ایک بات Pre-supposed کر لی کہ قرآن اور بائبل ایک جیسے ہیں آپ میں سے جنہوں نے بائبل اور قرآن کو پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ بائبل اور قرآن میں زمین و آسمان کا بعد ہے۔ تورات اور انجیل میں سے کوئی کتاب ایسی نہیں جس پر

خداوند کریم نے اپنے دین کی بنیاد رکھی ہو۔

خواتین و حضرات! اس کی وجہ تھی کہ جب تک پیغمبر آتے رہے، جب تک پیغمبروں کا سلسلہ جاری رہا، کتابوں میں Amendment ہوتی رہی اور معاشرہ ترقی کرتا رہا۔ انسانی شعور مختلف مدارج سے گزر کر جب ایک مرتبہ اعتدال تک پہنچا تو کتاب مکمل ہو گئی Message پورا ہو گیا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے تک انسان کا تمدنی شعور مکمل ہو گیا۔ اس سے پہلے کے لوگ آتے تھے جیسے Jews تھے تو وہ Basically جبلی اقدار کی خاطر پورے مذاہب کو Loss کرتے تھے۔ اور اللہ نے بڑا شدید اعتراض کیا کہ تم تو اپنی ایک غرض کی خاطر آیات بدل دیتے ہو۔ تم اچھی طرح جانتے ہوئے کہ تم کتاب کو صرف اپنے آقاؤں کے لیے تحریف کر دیتے ہو، اپنے مقاصد کے لیے تحریف کر دیتے ہو۔ جب خدا انہیں کہتا کہ یوم سبت کو مچھلی نہ پکڑو، اور ان کے مقاصد یہ ہیں کہ مچھلی پکڑنی ہے تو وہ دلیل گھڑتے ہیں جس پر خدا کہتا ہے کہ ہم نے ان کو آزمانے کی خاطر یا ان سے مذاق کیا۔ اللہ کی حس مذاق بڑی اچھی ہے کہ ہفتے والے دن ہی مچھلیاں اوپر آئیں باقی دن وہ نیچے رہتی تھیں اور خدا نے کہا کہ یہ اللہ سے مذاق کرتے ہیں پھر اللہ بھی ان سے ایسے ہی مذاق کرتا ہے۔ تو ہفتے والے دن سبت والے دن ممانعت والے دن مچھلیاں اوپر آتی تھیں اب اگر وہ یہ دیکھتے تھے کہ مچھلی پکڑنے کا پاس تو ختم ہو گیا ہے

So they tried to concoct many ways out of it.

انہوں نے چھوٹی چھوٹی نالیاں بنائیں تالاب میں اور پھر اپنے گھروں میں حوض بنائے اور پھر ان میں سے مچھلیاں ہوتیں کہ ان کے حوض میں آتی تھیں وہ پکڑ کے کھاتے تھے اور کہتے تھے ہم نے تالاب میں سے تو مچھلی پکڑی ہی نہیں ہے۔ تو تمام تاویلات کی بنیاد ان کے جبلی شعور پر تھی نالائق۔ خدا نے انہیں مچھلی پکڑنے سے منع کیا تھا کوئی تالاب کی تخصیص نہیں تھی مگر انہوں نے یہ عذر نکالا۔ خدا نے انہیں کہا کہ جب تم بیت المقدس میں داخل ہو تو تم "وادخلوا الباب سجداً و قولوا حطة نغفر لكم خطيكم" (البقرۃ آیت ۵۸) تو گھٹنوں کے بل رینگتے جانا، استغفار کرتے جانا، توبہ کرتے جانا تو انہوں نے صرف ایک نقطہ ڈال دیا بیچ میں حطة کو حطة کہہ دیا کہ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے جانا

And thus they tried to mock God.

چونکہ وہ اللہ کا اس طرح مذاق کرتے اور آیات الہیہ میں تبدیلی کر دیتے تھے اور اپنی Sharpness کو اپنے مقاصد اور خواہشات کی تکمیل کے لیے استعمال کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے شعور اور عقل کو اپنے پست مقصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرتے تھے۔

عقل جب اپنے معیار سے گرتی ہے تو صرف نقالی رہ جاتی ہے۔ خواتین و حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کا زمانہ آ گیا ہے۔ معاف کیجیے گا خواتین سے کچھ معذرت کے ساتھ کہ خواتین اور بچے زیادہ اس کے پیچھے ہوں گے کیونکہ انسانی معاشرہ ذہنی رنگ سے سوچتا نہیں ہے اور آپ عقل کو کسی اور طرح سے دیکھیں۔ ہم عقل کو اس کے معیار طلب سے دیکھتے ہیں، ایک انتہائی ذہین آدمی ایک اعلیٰ درجے کا نقاد، ایک بہت بڑا محقق اور ادیب چاہے تو

جس رب کا یہ پیغام ہے، اور خواتین و حضرات اس کی زندگی کا مقصد صرف شہرت ہے، صرف مال ہے تو آپ جانتے ہیں کیا ہو رہا ہے۔ اس کی تمام عقلی توجیہات، اس کے تمام ذہنی اشارات، اس کی تمام صلاحیتیں صرف مادی وجاہت اور عملی فوائد پر مرتکز رہتی ہیں۔ اور اس عقل کو کبھی خدا دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ یہ اپنے مقاصد مادیہ کو دیکھتی نہیں رہی، تو بندۂ عقل سے پوچھا جاتا ہے اور عقل اپنی جنس علمیہ سے پہچانی جاتی ہے کہ عقل کس چیز کو چاہتی ہے، وجدان کس چیز کو طلب کرتا ہے اور اگر عقل کو خدا کی آرزو نہیں، اس کی تلاش نہیں، اس کی محبت کی طلب نہیں تو یہ تمام عقل کے پیاسے بھٹکے ہوئے بندوں کی طرح صرف نقال عقل رہ جاتے ہیں اچھے لفظ بولتے یا سیدھے لفظ بولتے، ابجد اور لغو رہ جاتے ہیں۔

If the money is the only desire in your mind , if the status is the only desire in your mind.

تو تمام صلاحیتیں مرتکز کریں گے، تمام صلاحیتیں اسی ایک مقصد کو جائیں گی اور انسان کی حیثیت کا اندازہ اس کی علم و عقل و معرفت کا اندازہ اس کے اس منظر سے ہوگا، اور سوائے اسلام کے اور سوائے اللہ کے کوئی آپ کا تجزیہ علم و عرفان قائم نہیں کر سکتا۔ تو خواتین و حضرات! اس وقت تمام اسلام Revolution کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ انقلاب اسلامی کے آپ کتنے نعرے سنتے ہیں، ایسے لگتا ہے کہ جو Schizophrenic تھوڑا سا Religion پڑھ جاتا ہے وہ اٹھ کے ایک اسلامی انقلاب کی مصیبت لانے کے چکر میں ہے اور ان میں سے کسی ایک شخص کو پتا نہیں کہ انقلاب انسانوں کی ہمت سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی سے آتا ہے۔ کیا اللہ کو آپ انقلاب لا کے دیں گے جو تین سو برس کی فرعون کی حکومت کا انقلاب سے نہیں ایک شخص سے دلا دیتا ہے۔ تین سو برس کی انتہائی مستحکم فرعون کی حکومت کا یہ جو انقلاب نے نہیں دلایا، نہ اس کو کسی جنگ و جدل نے دلایا، نہ اس کو کسی اندرونی دشمن نے، ایک شخص نے صرف ایک شخص نے اور وہ بھی ایک ایسا شخص جو ان کے دربار جاتے ہوئے بھی ڈرتا تھا۔ موسیٰ جو بار بار اللہ کو کہہ رہے ہیں کہ میں دربار میں تو نہیں جاتا فرعون کے دربار میں۔ میں نے تو ان کا نقصان کیا ہوا ہے۔ میں نے ان کا بندہ قتل کیا ہوا ہے۔ یہ قصاص میں مجھے قتل کر دیں گے۔ اور اللہ کو کہنا پڑتا ہے کہ لا تخف "اے موسیٰ مت ڈر میں تو تیرے ساتھ ہوں۔" تو خواتین و حضرات کسی کے ساتھ اللہ ہو تو انقلاب آئے گا۔ کیا اللہ کے بغیر آپ انقلاب لائیں گے۔ کیا یہ تمام تمنائیں یہ تمام ہڑک ایک منٹ کے لیے نہیں سوچتے کہ پہلے ہم یہ تو معلوم کر لیں کہ خدا ہم میں سے کس کے ساتھ ہے۔ ایک بڑا مشہور قول ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس انقلاب کو نہیں روک سکتی جس کا وقت آ گیا ہو۔ وہ وقت کا فیصلہ تو پھر اللہ کرے گا۔ اور وہ ریاضتیں اور مرد بندے جو خدا کی اطاعت میں چلتے ہیں اور اس کے ساتھ کوئی ذاتی تعلق رکھتے ہیں اور اس کی محبت کا دم بھرتے ہیں جو اپنی کمزوریوں کے ساتھ۔ یہ تین اجتماعی صفات۔ جب آپ کے پیروکار متقین کی بات نہیں کرتا وہ متقین کی کون بات کر سکتا ہے۔ اللہ تو متقین پر بڑی سخت ہے "فلا تزکوا انفسکم" مت اپنے آپ کو پاک باز کہو، مت اپنے آپ کو پاک باز کہو۔ "ھو اعلم بمن اتقی" (النجم آیت ۳۲) میں اچھی طرح جانتا ہوں تم میں سے متقی کون ہے۔

خواتین و حضرات مشہور ہے کہ جب کسی کو علم دیا ہو اور اس کو معلومات الہامی ہو تو تاریکی سے لگتے ہیں کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں تو پیچھے کیا تھا اور اب کیا ہے۔ تو مجھے کیا پتہ بڑی اور تجربات تھا کہ خدا کریم نے انسان پر

تخلیق کی پہلی طرز کیا ہو انجام دے دیکھا ہے وہ بڑے عجیب و غریب تھے۔ وہ اس کو عقل کا علم نہیں دے رہا، بلکہ تجربات کا علم نہیں دے رہا، بلکہ خدا بتا رہا ہے "هو اعلم بمن اتقى" "میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کتنے متقی ہو" میں تو تمہیں اس دن سے جانتا ہوں، جب میں نے تمہیں زمین کے دامن میں رکھا، اور پھر انسان تو بھول گیا، وہ تو یہ کہتا ہے تمہیں بھی نہیں پتا "هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئا مذكورا" O "(الدھر: آیت ۱) کیا تمہیں پتا نہیں کہ اے انسان تو ایک زمانے میں ایسے رہا کہ تو کوئی قابل ذکر شے نہ تھا۔ اب تو بہت بڑا متقی بنتا ہے۔ تجھے پتا نہیں کہ تو کس غلاظت سے "صلصال كالفخار" (رحمٰن: آیت ۱۴) ٹھکرے جیسے، خواتین و حضرات یہ آپ جاننا چاہتے ہیں کہ جب پانی زمین کا خشک ہوا، زمین کیچڑ بن گئی، پھر دھوپ کی کرنوں سے وہ پتا نہیں کیا ہو گیا اس کے نیچے جو چپچپا سا گندہ کیچڑ تھا اس میں انسان کی زندگی کے پہلے پہل کی نمو ہوئی۔ وہاں خدا ٹھیک ہی تو کہتا ہے کہ کیا تمہیں پتا نہیں ہے میں تجھے اس وقت سے جانتا ہوں پھر کتنے لاکھ سال، کئی لاکھ سال پہلے انسان جب پرائمیٹس سے جدا ہوا۔ قافلہ زندگی کو پہنچا ہے تو اس کی آنکھیں، دیدے گول تھے، جیسے کہ الو یا طوطے کے، اور اس کا سر لمبوترا سا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں مڑے ہوئے تھے اور آج اگر آپ اس کی تصویر دیکھیں جو ابتدائی تصویر اس انسان کی بنتی ہے تو آپ خوف سے پاگل تو ہو جاتے ہیں، اسے انسان نہیں مان سکتے۔ یہ جتنے بھی آپ نے دیکھے ہوں گے کہ ایلینز ہوتے ہیں کہ وہ بالکل عجیب تصورات ہیں یہ دراصل اسی بنیادی انسان کا نقش ہے جس سے ڈویلپ ہو کر آج آپ اس خوبصورت اور اعلیٰ ترین شکل کو پہنچے ہیں کہ جس کے بارے میں اللہ نے کہا کہ میں نے اس انسان کو بہترین اعتدال اور توازن سے بنایا۔ مگر اس اعتدال اور توازن کو پہنچتے ہوئے ایک ارب نہیں لاکھ سال گزرے، اور خواتین و حضرات پھر دوسری بار کہتا ہے کہ میں تو تمہیں اس وقت سے جانتا ہوں، جب میں نے تمہیں بحیثیت ایک وجود، ایک جاندار اور ایک نطفے کے رکھا اور پھر وہ کہتا ہے میں تمہیں اس وقت سے بھی جانتا ہوں جب میں نے تمہیں ماں کے پیٹ میں رکھا۔ حضرات گرامی! وہ بتانا یہ چاہتا ہے میں آج تک زندگی میں فیاض اس کو نہیں سمجھ کہ جو مال بانٹتا ہے۔ خواتین و حضرات میں نے اور فیاض اس کو سمجھتا ہوں جو لوگوں میں عزت بانٹتا ہے۔ "فان العزة لله جميعا" O (النساء: آیت ۱۳۹) اللہ تعالیٰ کے پاس تمام عزتیں ہیں۔ اور وہ بڑا احمق ہے جو عزت کو اپنی متاع سمجھتا ہے جو اس بات پہ تفاخر کرتا ہے۔ فیاض تو وہ ہے کہ جسے خدا عزت عطا کرے اور وہ ان لوگوں کو عزت بانٹے جن کے پاس عزت نہیں ہے۔ ان غریبوں کو، ان ناقص لوگوں کو، ان محروموں کو اپنی طرف سے خدا کی عطا کردہ عزت بانٹے اصل میں متقی تو وہ ہے۔ اور ایک نکتہ عالیہ یہ بھی ہے کہ دوسری چیز جس پہ انسان کو کوئی ناز نہیں ہونا چاہیے اپنے پروٹوکول کا، اپنا نہیں سمجھنا چاہیے۔ خدا شناسی میں سب سے بڑی چیز جو ہماری زندگی میں حائل ہوتی ہے وہ Misplaced شناخت ہے، تمام عقل کا ایک غلط سمت لگانا۔ اگر آپ یقین کریں کہ یہ زندگی میری ہے اس کو میں نے بسر کرنا ہے، میں نے کمانا ہے، میں نے کھانا ہے، میں نے بچے پالنے ہیں، میں نے بیوی پالنی ہے

You are very very wrong, its not your job.

آپ کا یہ Job نہیں ہے جسے غلطی سے آپ Assume کر بیٹھے ہیں۔ آپ کا Job وہی ہے جو اوّل انسان کو دیا گیا اور آخری لمحہ زندگی تک مرحلہ قبر تک جائے گا جہاں آپ پہنچیں گے اور میں تو قبر کو ہمیشہ Gateway to the outer galaxies کہتا ہوں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ کا مقدر زمین پہ ہوتا ہی نہیں ہے۔ Transition میں تو کوئی مقدر نہیں ہوتا۔ وہ بھی منتقل ہے۔ جو زمین میں کھانے پینے کو مقدر کر دیتی ہے۔ ایک ہلکی سی چیز ہے۔ یہ زمین تو ایک چھوٹا سا کیمپ ہے۔ اس میں آپ کی تربیت، اس میں آپ کا آنا، اس میں آپ کی ٹیسٹنگ ایک ٹرانزیشنل تھوڑے سے وقت کے لیے ہے۔ اس وقت میں آپ کی ٹیسٹنگ یہ ہے کہ جو تھوڑی سی ساعت آپ کو عطا کی گئی جو غور و فکر کی ساعت آپ کو عطا کی گئی کیا آپ نے اس کا مقصد جانا پہچانا، کیا آپ اس مقصد تک پہنچ گئے۔ اپنے غور و فکر سے کہ آپ کیا کرنے آئے تھے اور کیا کر چلے۔ قبر کے دہانے پر اس کے سامنے ایک ہی سوال ہوگا۔ "من ربک" (مسلم، رقم الحدیث) شکریہ کہ آپ تشریف لائے

You are welcome

آگے بڑھنے کا پہ چھوڑ کے آئے ہو؟ یہ تھا اس ساری زندگی میں آپ کا رب کون تھا؟ تم نے تو کس کام کے لیے بھیجا تھا وہ تو ایک ہلکے پھلکے سوال کے لیے آپ کو زندگی دی تھی، زمین دی تھی، گھر دیا تھا، بیوی بچے دیے تھے خواتین و حضرات! یہ ساری چیزیں اس لیے عطا کی تھیں کہ اگر آپ قبر کے دہانے پر اس سوال کے جواب میں اللہ سے یہ کہیں کہ اے اللہ مجھے تو نے فرصت کب دی، میں تو مصروف تھا روزی کمانے کے لیے، میں تو مصروف تھا بچے پالنے میں، میں تو مصروف تھا ماں باپ کی خدمت میں۔ مجھے آپ نے کب فرصت دی کہ میں آپ کے اس سوال کا جواب ڈھونڈتا۔ تو رب کعبہ کی قسم ہے کہ آپ کی دلیل بھی ہوگی۔ اور آپ خدا کو یہ کہتے قبر کے دہانے۔ جب وہ آپ سے یہ پوچھے کہ من ربک کہ آپ کا رب کون ہے اور آپ جواب میں اسے کہیں میرے سات بہن بھائی تھے، میرے ماں باپ تھے، میں نے خدمت کرنا تھی، میں نے بڑا کام کرنا تھا، میں نے امتحانات دینے تھے، میں تو مشکل میں الجھا رہا، میرے پاس تو اتنا کام نہیں تھا کہ میں آپ کے اس سوال کا جواب ڈھونڈتا تو خدا کی قسم ہے کہ آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر خدا یہ کہتا ہے کہ تم درست کہتے ہو یہ تو پروٹوکول ہے اگر ان میں سے کوئی کام تمہارا ہوتا تو تمہیں جب میں نے تخلیق کیا تھا، تمہیں پتا تھا کہ تمہاری ماں کون ہوگی، تمہارا باپ کون ہوگا، تمہیں پتا تھا کہ پانچ سال تک یہ پڑھو گے، دس سال تک یہ پڑھو گے، پندرہ سال تک کرو تمہیں پیدا ہونے دیا جاتا اور پھر اس تمہیں موقع مل جاتا کہ اپنی مرضی پر گھر ڈھونڈو تو کسی غریب مسکین کا گھر بھی کوئی بچہ ڈھونڈتا، کوئی امیر کا گھر ڈھونڈتا، کوئی فاقے کا گھر ڈھونڈتا اور امریکہ کا بچہ پاکستان کا ملک ڈھونڈتا، پھر دنیا تو کبھی ہوتا، دنیا کبھی نہ ہوتا۔ پروٹوکول میں کوئی دستگاہ نہیں ہے۔ یہ Arrangments ہیں انشاءاللہ تعالیٰ العزیز

Next time, we will get together.

ہمارا اگلا سیشن جو خانقاہ میں آ رہا ہے وہ جو مقدر کے موضوع پر ہے انشاءاللہ تعالیٰ

We will invite you all

اس میں اس پر تفصیلاً روشنی پڑے گی تو خواتین و حضرات اب میرا خیال ہے مغرب کا وقت بہت قریب ہے اذان ہو رہی ہے تو میں بس مختصراً آپ سے یہ کہوں گا کہ

To me and to my mind, the only top priority of intellectual curiosity is

God and nothing else.

اللہ کے سوا سوچ کی کوئی ترجیح اول نہیں ہے جب آپ ترجیح اول سے نمٹ لیتے ہیں تو یہی عقل آپ کو زندگی کے کام نمٹانے میں بھی کام آتی ہے اور آپ اپنی فراست سے جہاں خدا پہچانتے ہیں وہاں زندگی کے معاملات بھی سنوار لیتے ہیں۔

وماعلینا الاالبلاغ

سوالات وجوابات

جہاد اور توکل میں فرق اور ارتقاء کی صورتیں!

سوال کیا ارتقاء کا عمل اب رک چکا ہے۔ اور حضرت آدمؑ جب تشریف لائے اس دنیا میں تو اس وقت اس کی کیا اشکال تھیں؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ جو جہادی کام ہے وہ اسی توکل پر چھوڑ دیا جائے کہ اللہ کی طرف سے کوئی آواز آئے گی اور جب فلسطین اور کشمیر حل ہو جائے گا؟

جواب جناب محترم میں نے صرف Placing of Priorities کی بات کی ہے کسی کو Reject نہیں کیا۔ نہ تو کسی عمل کو Reject کیا اور ظاہر ہے ہمارے نزدیک طریقت جو ہے شریعت کی نیت ہوتی ہے۔ اعمال کو ترتیب دینا، ان کو اپنی اپنی جگہ دینا، اور جیسے باب ایمان میں جناب سیدنا بخاری نے حدیث نقل کی کہ "انما الاعمال بالنیات" اور حضور گرامی مرتبت نے یہ فرمایا کہ جب کسی کام کے بارے میں جانتا ہو کہ وہ کیا ہے تو اس کام کے کرنے سے پہلے اس کام کی نیت کر لیا کرو۔ باقی پہلے حصے کی طرف کہ ارتقاء کا عمل نہ کبھی رک سکتا ہے نہ رکے گا، مگر ارتقاء کا معیار جو ہے وہ داخلی بھی ہے اور خارجی بھی ہے اور ارتقاء کا معیار قرآنی ہے۔ میں یہاں آپ کو ایک عجیب وغریب بات بتاؤں کہ خارجی معیار کا ارتقاء تو تمام دنیا میں ہر زمانے میں ہوتا رہا اور اللہ کی یہ آیت موجود ہے اور تاریخ اس پہ موجود ہے اور [illegible] کی اور سلسلہ ہو اللہ کی اتنی بستیوں کی تمام تاریخ گواہ ہے [illegible] کہ قومیں اس وقت تباہ کی گئیں جب وہ اپنی معیشت کی انتہا پر تھیں۔ قومیں اس وقت تباہ نہیں کی گئیں جب وہ معیشت و افلاس میں تھیں تنزل میں تھیں۔ بلکہ جب بابل اور نینوا کے معلق باغات تھے تب تباہ کی گئیں، جب اہرام مصر اپنی انتہا پہ پہنچے تب تباہ کی گئیں تو وہ اس لیے تباہ کی گئیں کہ ہمیشہ معیشت اور معاشی ترقی کی جو انتہا ہے وہ اخلاقی مورل انحطاط سے آشنا کرتی ہیں اور جناب والا ایک عجیب وغریب آپ کو حقیقت بتاؤں جو شاید آپ کو پہلے عجیب لگے اور پھر آپ اس کے لیے تاریخی حقائق کھوجیں گے کہ آج تک کسی انسانی معاشرے نے کوئی مورل قانون تخلیق نہیں کیا اور یہ آخری انتہائی عجیب بات ہے جو میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ آج تک کسی انسانی معاشرے نے کوئی مورل قانون تخلیق نہیں کیا بلکہ جو سب سے پہلا ہمارے پاس انسانی معاشرہ ملتا ہے وہ پیغمبرانہ سوسائٹی کا ہے اور پیغمبرانہ سوسائٹی میں پیغمبر ہمیشہ اپنی مورل گائیڈنس کو کسی بالائی قوت سے ہی اس کا

مذہب ڈیفائن کرتا رہا اور معاشروں میں تمام تر تاریخی عوامل رہا میں انجکشن سے مورل Create ہوتا رہا۔ اب اسے ہم لوگ ڈیوائن انجکشن کہیں گے۔ جس طرح صاحب قرآن یہ کہتا ہے کہ میں نے ہی ہر قوم کی ابتدا اور انجام میں اس کو گائیڈ بھیجے اور تمام لاز جو انسان نے تخلیق کیا ہے وہ سہولت کا قانون ہے جتنا بھی انسانی معاشروں نے قانون تخلیق کیے یا قانون سازی کی وہ سہولت تھی Laws of Facility تھے تاکہ معاشرتی، معاشی Friction کو کم کیا جا سکے۔ ان قوانین کا مطلب خدا خالق پیدا کرنا تھا۔ نہ اس کو فرض کیا جاتا تھا بلکہ معیشت کی اور معاشرت کی Frictions کو کم کرتا تھا جیسے آپ کے ٹریفک لاز ہیں یا جیسے آپ کے مالی معاملات کو سپورٹ کرنے والے لاز ہیں یہ تمام قوانین جو انسان نے تخلیق کیے اپنی اعلیٰ ترین اجتماعیت کی حالت میں انسان نے کبھی بھی کوئی مورل لا تخلیق نہیں کیا۔ اگر آپ غور کریں تو اس وقت تمام زمانے میں ایک بنیادی Question جو چل رہا ہے۔ ہم چھوٹے چھوٹے Questions کو نظر انداز کر دیں تو سب سے بڑا Question جو پورے انسانی معاشرے میں جاری ہے وہ Choice versus Morality ہے کہ ایک طرف تمام تعلیم، تمام نظریات، مغربی جدید انسان کو چوائس آفر کر رہے ہیں کھلے ڈھلے مقاصد اس کو دے رہے ہیں۔ اس کے ذاتی مقاصد اس کو خصوصی شعور دلا رہے ہیں اور دوسری طرف ہر نوجوان بچے کے ذہن میں ایک Question پیدا ہو رہا ہے کہ

Why should we obey the moral law, Who is God,

کیوں کہ مورل لاء Flexible نہیں ہے۔ مورل لا اتنا Rigid ہے Moral law خدا کا دیا ہوا ہے Over the centuries محیط ہے اور اگر آج کا امریکی معاشرہ یا برطانوی معاشرہ یا یورپ یا آپ کا جدید معاشرہ جب چوائس کی ایجوکیشن لے گا تو سب سے پہلے آپ کا بچہ Question کرے گا کہ اگر میں زنا کروں، شراب نوشی کروں، چوری کروں تو

Who is going to punish me and when you tell him that God is the master mechanic of this system, then they have one more basic question who is God?

اور جب یہ سوال پیدا ہوتا ہے تو آپ کے پاس جواب نہیں ہوتا اس لیے کہ آپ نے اپنی زندگی میں مورل لاز کو مجبوراً خالق کا اساسی رستہ ہموار کیا جاتا ہے مگر آپ نے کسی مورل لاء کو By Choice اختیار نہیں کیا ہوتا۔ تو نتیجتاً یہ آج کے زمانے کا سب سے بڑا Crisis ہے جو ہمارے مشرق و مغرب دونوں طرف پیدا ہے اور جب تک ہم فلسفہ خداوندی پر غور نہیں کریں گے اور اللہ کی طرف سپیشل رجعت نہیں کریں گے۔ جو آپ نے بات کی ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو مسلمان ہوا جس نے ابتدائے اسلام کی یا جس نے مسلمان ہونے میں قدم رکھا اس نے پریکٹیکل Issuance پہ ہمیشہ آغاز کیا۔ اس پریکٹیکل Issuance میں نماز بھی ہے، روزہ بھی ہے، حج بھی ہے، زکوٰۃ بھی ہے۔ کوئی شخص Hardly یہ Imagine کر سکتا ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو مسلمان ہو اور ان Institutions کا انکار کرے۔ اور میرے خیال کے مطابق ایمان میں رکھتا ہوں کہ آپ رکھتے ہیں مگر مقصد یہ ہے کہ کیا آپ نے ہمیشہ کے لیے اپنی پانچویں کلاس میں ہی رہ جانا ہے یا اس سے بھی زیادہ ترقی کرنا ہے۔ ایک اعلیٰ ترین مابعد الطبیعیاتی اور روحانی Religion کو ہم چند ایک پریکٹیکل

اقدامات میں محدود نہیں رہتے۔ دیکھیں جب یہ دونوں سسٹم ساتھ چل رہے تھے نیات اور عمل کا اس وقت۔ ایک سادہ سا صحابی ایسا تھا وہ صحابی ہو شاید آپ نے پہلے بھی یہ قصہ سنا ہو کہ حضرت بلال فرماتے ہیں کہ مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں عورت کا زرخرید غلام ہوا۔ جب میں نے اپنے آپ کو ایک عورت کی غلامی میں دیا ایک وقت کی روٹی کے لیے۔ جب بلال یمن گئے وزیر بنا کے گئے اور ان کو بھیجا جا رہا تھا۔ رستے میں ان سے کسی نے کہا بلال آج لباس تو تبدیل کر لیتے تو بلال نے جواب دیا تم مجھے آدمی سمجھاتے ہو۔ میں اس وقت کو جانتا ہوں جب میں ایک عورت کا زرخرید غلام ہوا ایک وقت کی روٹی کے لیے۔ پھر مجھے خدا نے وہ تقویٰ اور وہ ایمان عطا فرمایا کہ وہ عورت مجھ سے اتنی متاثر ہوئی کہ وہ میرے نکاح میں آئی۔ اس نے تمام مال و اسباب مجھے سونپا۔ میں اپنی اوقات اور اپنی اصلیت کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں تمہارے کہنے پر اپنے عادات و خصائل تبدیل نہیں کر سکتا تو جناب والا اس سے مراد صرف اتنی تھی۔ جیسے میں نے کہا اگر ایک Instituton کا سربراہ ہی موجود نہیں ہے تو ہم اس Institution سے اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتے لہذا جب جہاد جزوی اور انفرادی ہو گا تو اس جہاد کو کلی طور پر انڈرسٹینڈ نہیں کر سکتے یوں تو کہنے کو جو بھی ہمارا فوجی اور سپاہی جنگ میں جائے گا اس کی بنیادی تربیت شاید یہ ہوتی کہ آپ نے جہاد کرنا ہے یا کسی کے خلاف ملک کی حفاظت کرنا ہے۔ But پھر Internal Intention پر فیصلہ ہوتا کہ شہید کون ہے اور غازی کون ہے یہ کسی خارجی کیفیت سے نہیں ہوتی اور اس لیے میں جو آپ کو آج کی بات بتا رہا تھا۔ میں آپ کو وہ دخل اندازی محسوس کرنے کے لیے کہہ رہا تھا کہ اگر مذہب ماننا ہی ہے تو اسے خدا کے لیے مانا جائے۔ اگر آپ نے اپنے شعور کو حاصل کرنا ہے اور رسم و رواج کو نبھانا ہے۔ مجھے انگلینڈ سے ایک ینگ آدمی نے Question کیا کہ

What is so strange about the practices of Islam.

ہماری بھی پریکٹسز ہیں آپ کی بھی پریکٹسز ہیں ہمیں بھی Vesper اور Mass ملتا ہے۔ بلکہ ہماری عادات آپ سے بہت اچھی ہیں ہمیں تو عبادات کرنا زیادہ مرغوب لگتا ہے۔ ہم اسے پورے انسانی شعور کے ساتھ نبھاتے ہیں۔

What is so special about Islam?

تو میں نے اس سے کہا کہ

I swear my honour کہ There is no difference

عادات و مشاغل کسی بھی قسم کی ہوں ان میں اگر تربیت کا ایک لامبا پچیس سال سے ہمالیہ کی ترائی میں بیٹھا ہوا ارتکاز کر رہا ہے۔ تو وہ اپنے مقصد کے حصول میں آپ سے بڑھ کر بے زیادہ مشقت کر رہا ہے۔ آپ اسے کتنا ہی کم سمجھتے ایک جوگی جو پچیس سال سے قبر میں پڑا ہے کوئی مراقبہ کر رہا ہے۔ کوئی سورج مکھی، شمع بینی کر رہا ہے تو اس میں اور کسی مسلمان میں فرق ہونا چاہیے

The difference is very simple.

میں نے اسے کہا کہ اگر مجھے کسی اور مذہب میں خدا ملتا ہے۔ اگر مجھے بدھ مت میں سے خدا ملتا تو بدھ مت میرے لیے follow کرنا آسان تھا۔ اگر کرسچینٹی سے خدا ملتا

I would prefer it to Islam.

مگر مقصد فیصلہ ہوتا ہے۔ رستے مانگنیں ہوتا ہے کہ میں کس چیز کے لیے یہ اختیار کر رہا ہوں۔ مجبوری یہ ہے کہ اللہ نے اپنے آپ کو باقی تمام ادیان سے چھین کر دیا ہے اور فرمایا اگر تم مجھے پانا چاہتے ہو اور میری طرف آنا چاہتے ہو تو اب اسلام کے سوا کسی رستے پر تمہیں نصیب نہیں ہوں گا۔ "ان الدین عند الله الاسلام" (آل عمران۔ آیت ۱۹) اب اللہ کے نزدیک یہ Secret رستے ہو چکے ہیں تم نہیں پاؤ گے۔ اب اگر تم نے اللہ کو پانا ہے تو پھر تم صرف اسلام پہ چل کے آؤ گے۔

There is no mysticism in any other religion.

ہر جگہ جہاں بھی آپ مذہبی Spiritualist پائیں گے وہ روشنی کے بہت قریب ہیں۔ جب تک آپ قرآن، خدا اور اسلام کو دل میں نہیں بسا لیتے آپ کبھی بھی اللہ کی آگہی نہیں پا سکتے اور میں اس کی بڑی واضح سی مثال کرسچین Religion سے دیتا ہوں کہ کرسچین رومن Catholicism میں بہت بڑے Saint ہیں ماشاءاللہ تعالیٰ بہت بڑے سینٹ اور وہ سینٹ فرانسس آف Excellency کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے مراقبہ تثلیث کیا اور مراقبہ تثلیث میں یہ ہے کہ

Condition of the christ is involved into one own slef.

اور یسوع مسیح کی کنڈیشن یہ تصور کی کہ انہیں صلیب پہ چڑھایا گیا کوڑے مارے گئے تو سینٹ فرانسس چالیس دن مراقبے میں رہے اور بے شمار لوگوں نے گواہی دی کہ جب وہ باہر نکلے تو ان کی کمر پہ کوڑوں کے نشان تھے اور ان کے ہاتھوں میں اسی طرح کے صلیب کے نشان تھے۔ جیسے حضرت عیسیٰ کے ہاتھ میں بقول

The entire Roman's catholic religion.

مگر اگر ہم اس کو تسلیم کر لیں تو سینٹ فرانسس

One of the greatest Saints of all times

جنہوں نے اتنی زیادہ مراقباتی جدوجہد کی مگر آپ قرآن کو پڑھیں گے تو یہ آپ کو [illegible] بالکل غلط نظر آئیں گے۔ پتا یہ لگے گا کہ سینٹ فرانسس کسی استدراج اور کسی شیطانی طاقت کے شکار ہوئے ہیں۔

It is no more God. It has never come from God. Comes that way to anybody the christ was.

کیونکہ قرآن حکیم بالکل صاف الفاظ میں کہتا ہے۔ "وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم" (النساء آیت ۱۵۷) نہ انہیں قتل کیا گیا نہ انہیں صلیب دی گئی۔ اگر ایک شخص کو صلیب دی ہی نہیں گئی تو مراقبہ صلیب کیا ہو گا؟ تو میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اعمال کی حیثیت اتنی زیادہ نہیں ہوتی کہ ہم ان کو Over emphasize کریں۔ اعمال اپنی جگہ مسلمہ ہیں اور کوئی بھی فرد واحد امت مسلمہ کا نماز، روزہ، جہاد اور ان چیزوں کی تلقین سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا اور کوئی شخص یہ جرأت نہیں رکھتا کہ جو شریعتیں ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہیں ان کو منسوخ کرے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جیسے میں نے عرض کیا

معاذ بن جبل فرماتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میں سجدے میں جھکتا ہوں، جب میں صف کی نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو مجھے جنت میں ملائکہ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں اور حدیث بخاری حق ہے کہ وہ مسلمان جب ایک اندھیری رات میں گزرے تو ان کے سامنے وہ چراغوں کی لویں روشن تھیں جو ان کو مسجد تک پہنچا گئیں۔ اسید بن حضیر نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قرآن کی تلاوت کر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ بادل جھک آئے اور ان میں سماوی نوری روشنیاں تھیں اور وہ ذرا جھک آئے کہ میرا بچہ گھوڑے کے قریب بیٹھا ہوا تھا اس دوران میں گھوڑا ہنہنانے لگا اور میں ڈرا کہ بچہ نہ کہیں روند دے تو میں نے تلاوت بند کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسید یہ ملائکہ تھے جو تیری تلاوت کے وجدان میں نیچے اتر آئے تھے اگر تو تلاوت جاری رکھتا تو یہ لوگوں سے کھل کر تجھ سے مصافحہ کرتے حضرات یہ دانی ایس تو اس رخ میں بتا رہا ہوں کہ آخر انسان Academics سے آگے سب بڑھ چکے تھے۔ الہیات کے عمل سے وہ آگے گزرے گا۔ خود آگہی کے پراسس سے پیچھے آگے جائے گا۔ خود شناسی یہاں اور خدا شناسی کہاں۔ کیا اسلام کا مقصد صرف اکیڈمکس ہے یا

Islam is also a way to God. And if it is a way to God.

تو پھر اس میں یہ لوگوں کے Citadel اور Pyramid بناتے ہیں۔ ایک جماعت میں ایک خدا شناس بھی نہیں ہوتا۔ اچھے آدمی ہوتے ہیں، ہم کسی جماعت کو رد کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ بڑی تبلیغی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سنی اہل حدیث کو، سنی دیو بندی کو، بریلوی کو ہر ایک سوال مارے ذہن میں تو ابھرتا ہے کہ مجھے دیو بند اور بریلوی اس لیے Join نہیں کرنا کہ مجھے دیو بند اور بریلوی کی اینٹوں سے پیار ہے۔ مجھے تو یہ دیکھنا ہے ان میں سے کون سا سکول آف تھاٹ مجھے میرے مطلوب اور مقصود تک پہنچا سکتا ہے اور میرا مطلوب و مقصود صرف اللہ ہے اور اگر اس پورے پیرا ڈائم میں یہ نہیں کہتا کہ اس لاکھ آدمی خدا شناس ہیں

But I have a question to ask all these religious people

کہ ٹھیک ہے آپ اپنے اپنے سکول آف تھاٹ میں ایک تو چراغ لے کر کوئی خدا شناس ہو ایک کو تو دکھائیے میں کہہ سکوں کہ ہاں اس سکول آف تھاٹ میں بڑی برکت ہے۔ اس میں ایک خدا شناس تو موجود ہے یہ یاد رکھیے اور المیہ یہ ہے اس معاشرے کا کہ وہ لوگ جو اللہ کا نام لے کر آتا پاور فل کلچر ڈویلپ کر چکے تھے۔

Unlike all the colonial powers in the west.

آپ اسلام کی Colonial پاور کو ذرا دیکھیں تو آپ حیران ہو جائیں گے کہ جہاں بھی مسلمان سیاح، اور گروہ گئے ہیں انہوں نے کوئی کالونیز قائم نہیں کیں۔ آپ انڈونیشیا کو دیکھیے

One of the most leading Muslim Countries.

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے انہیں انڈونیشیا سامنے رکھنا چاہیے۔ جہاں کوئی فوج نہیں اتری کوئی سپاہی نہیں اترا۔ چند لوگ اور ان کا کلچر کتنا مضبوط تھا۔ آج بھی میں آپ کو مثال دوں، آج کون سا آدمی ہے جو ویسٹ کو جاتا ہے اور وہاں رہنے کو آمادہ نہیں ہوتا۔ کون سی عورت ہے جو آپ ویسٹ سے بیاہ کے لائے ہیں اور وہ

ایسے میں خبر کی ہے۔

What is the difference?

The difference is ,they are so much convinced of their cultural superiority. They might change their religion. They might change their aspect of life. But they would not change their pattern of life, you see.

وہ اپنے کلچر میں اتنے مدہوش ہیں کہ وہ زیادہ دیر تک آپ کے اس کلچرل Denial کو نہیں Accept کرتے۔ وہ جلد از جلد واپس جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ہمارے وہ لوگ بھی جو اتنے چندھیا جاتے ہیں اس کلچر کی Brilliance میں کہ جب وہ یورپ میں جاتے ہیں

They don't easily come back.

مردوں میں پھر ایک تعداد موجود ہے۔

But I have hardly seen the women who have gone out and they still like to come back. it is very difficult.

یہ کلچر خارجی کلچر نہیں ہے۔ یہ اعمال سے پیدا نہیں ہوتا۔ یہ کلچر اس اسلامی نیت اور اخلاص سے پیدا ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں اللہ کہتا ہے کہ مومن جب بازار میں بھی چلتا ہے تو اس کے آگے اس کا نور دوڑتا ہے۔

I am only talking about that particular culture

اور میں اس نیت اور اس عمل کی بات کرتا ہوں جو اعمال کو رونق دے۔ میں اس نیت کی بات کرتا ہوں جو ہمارے اعمال کو ایک قدر، رونق اور خوبصورتی دیتی ہے جس سے ہمارا عمل واقعی مسلمانوں کا سا عمل لگتا ہے ورنہ یہ ایک جانورانہ تقلید ہے جو کوئی چیز نہیں ہوتی۔ ان شر الدواب عند الله الصم البكم الذين لا يعقلون (الانفال آیت ۲۲)

حضرات گرامی! یہ ایک سوال ہے جو میرے دوست دے گئے ہیں کہ "الله نور السمٰوٰت والارض" (النور آیت ۳۵) یہ پوری آیت Quoted ہے۔ خواتین و حضرات! اس میں خدا نے اپنی مثال دی۔ ابھی اس مثال کو سمجھنے کے لیے ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ یہ ہماری تخلیق کائنات ہماری بالائی کائنات کس پیٹرن میں موجود ہے۔ خداوند کریم نے اس کی مثال ایسے طاق سے دی ہے جس طاق میں ایک چراغ ہے چراغ کے باہر آئینہ ہے اور آئینے کے باہر روشنی ہے۔ اور یہ Exactly ان کی Lines پہ چلتے ہوئے ہم فلاسفۂ اشراق کو Nine Intelligences کہتے ہیں اور روشنی اشراق ملا یا ہے کہ خداوند کریم اپنے وجود مطلق میں جب ظاہر ہوا تو اس نے سب سے پہلے اپنے آپ کو Finest Possible نور میں ڈھالا۔ پھر وہ نور آگے بڑھتا ہوا گیا۔ انسان اور شجر حجر تک پہنچا۔ اس طرح متن میں نئی روایات مولانا روم نے اپنی شاعری میں نقل کی ہیں۔ مگر آج کے زمانے میں اس کی مثال ذرا Different ہے۔ اس وقت جو کائنات کی وضاحتیں آ رہی ہیں کہ یہ Big Bang سے آ رہی ہیں اور یہ وضاحت کی جا رہی ہے کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ مکمل ہے۔ بلکہ کائنات پیچھے سکڑتی ہوئی اپنے مرکز کو رجعت کر رہی ہے۔ اور ایک سینٹر سے اس کا اخراج ہو رہا ہے۔ اس کی

مثال یہ ہے کہ اگر کوئی بہت بڑا شخص ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھ جائے اور سوچنا شروع کرے اور اس کی سوچ ہمہ جہتی ہو اور ہر طرف پھیلتی شروع ہو جائے تو وہ اپنے اردگرد ایک جہان تخلیق کرسکتا ہے۔ طریقہ جو اس کا ماخذ ہوتا جہاں وہ بیٹھا ہوا ہوگا اور جہاں سے اس کا دائرہ جتنا بھی پھیلا ہوگا وہ وسیع اور غیر معقول ہوگا۔ آپ کے تصور کی کوئی Limit نہیں، کوئی جہت نہیں۔ جدھر چاہو آپ اسے پھیلا لو۔ خدا اور بندے کی سوچ میں صرف یہی فرق ہے کہ جب بندہ سوچتا ہے تو وہ اپنے ان تصورات کو عمل میں نہیں ڈھال سکتا۔ خدا کی سوچ یہ ہے کہ جب وہ سوچتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ ارادہ کرتا ہے بلکہ وہ قدرت رکھتا ہے اور جب وہ کلام کرتا ہے تو چیزیں ویسے ہی وجود میں آجاتی ہیں تو یوں سمجھئے پروردگار ایک مقام کی نشاندہی کرتا ہے کہ جس مقام پر پوری تخلیقات کا سینٹر ہے۔ اور اس سینٹر کی مثال وہ دیتا ہے کہ خدا اپنے کام کاج سے قطعی تھکتا نہیں ہے۔ یہ ایک بے پناہ ذہنی قوت ہے۔ اس اعتبار سے کہ وہ اپنے تمام معاملات کو جیسے سوچتا ہے ویسے پریکٹیکلی ڈھال رہا ہے اور جیسے آپ دیئے کے پاس آکر اصلی روشنی کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب خداوند کریم اپنے مظاہر میں اترتا ہے تو اس کی روشنی کم نہیں ہوتی نہ اس کے نور کی کمی ہوتی ہے بلکہ اس کا اوریجنل سینٹر جتنا مضبوط ہے اتنا ہی رہتا ہے اور طاق کی مثال اگر آپ غور کیجئے تو خدا نے اپنی مثال اس طرح دی ہے کہ ایک طاق میں وہ کائنات کو پوری طرح پھیلا رہا ہے اور ابھی کچھ اور وقت گزرے گا کیونکہ ابھی سائنسدان اس مقامات تک نہیں پہنچیں۔ سائنسدان ابھی بہت سارے ایسے مقام تک نہیں پہنچیں جہاں قرآن نے وضاحت کی ہے جیسے قرآن حکیم میں سنگل یونیورس کا کوئی آئیڈیا نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے ملٹی یونیورس کا آئیڈیا پیش کیا ہے۔ جیسے سات آسمان ہیں وہ ایک کائنات نہیں بلکہ سات کائناتی تصور ہے جو قرآن دیتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن جب آسمان دنیا کی بات کرتا ہے تو قرآن یہ کہتا ہے کہ "ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے سجایا۔ یہ جو ہمارے Lesser Conceptual جو لوگ تھے وہ پہلے سورج کی ایک Constellation کو آسمان قرار دیتے تھے حالانکہ قرآن بالکل واضح ہے کہ "ولقد زينا السمآء الدنيا بمصابيح" (الملک آیت ۵) "ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے سجایا"۔ ایک چراغ سے نہیں سجایا۔ Infact بات یہ ہے کہ یہ چراغ بھی Particular ہے۔ اللہ تعالیٰ چاند اور سورج کو کہیں بھی چراغ نہیں کہتا ہے۔ اب اگر دیکھا جائے تو ہماری اس Galaxial Order میں تو بلین Suns ہیں۔ اور کم از کم 200 بلین چاند ہیں۔ اب جتنے بھی جس حد تک بھی ہمیں آسمان پر یہ جلنے والے ستارے نظر آتے ہیں یہ خدا کے کہنے کے مطابق ایک آسمان ہے اور جہاں تک ہمارا علم کہتا ہے یہ سنگل یونیورس ہے۔ جو میں نے کاسموس، اللہ اور کائنات پر لکھا ہے، اس میں میں نے یہ بڑی وضاحت کی ہے کہ خدا کے نزدیک یہ پوری کائنات ستاروں سے بھری کائنات ہے یعنی یہ ایک سنگل کائنات ہے۔ اور اس کی بالائی کائناتیں کئی قسم کی ہیں۔ No body knows۔ اس کے ساتھ ساتھ خداوند کریم نے نہ صرف یہ کہا کہ ہم نے سات آسمان بنائے ہیں بلکہ فرمایا کہ سات دنیائیں بھی Create کی ہیں۔ "اللہ الذی خلق سبع سموت ومن الارض مثلھن" (الطلاق آیت ۱۲) اللہ تو وہ ہے جس نے سات آسمان تخلیق کیے اور ایسی ہی سات دنیائیں۔ اور یہ نہیں ہے کہ وہ دنیائیں خالی ہیں یا ان میں انسان نہیں ہیں یا بندے نہیں ہیں بلکہ فرمایا "یتنزل الامر بینھن" ان تمام زمینوں میں ہمارا حکم اترتا ہے۔ "لتعلموا ان الله علی کل شیء قدیر" (الطلاق آیت ۱۲) تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ تمہارا رب کتنی قدرت والا ہے۔ تو قرآن کی آیات کا وہ

ادراک جو ہمارے پاس ہے نہایت محدود ہے۔ اور جب ہمارے علم کی وسعتیں بڑھتی ہیں تو ہماری آگہی وسعت اور آگہی کائنات بڑھتی ہے۔ ہمیں خدا کی مثالیں عجیب و غریب نظر نہیں آتیں بلکہ بڑی Pertinent نظر آتی ہیں۔ یہ عجیب سی بات ہے کہ ہمارے پاس جو جنتوں کے تصور ہیں بڑے محدود ہیں قرآن کی ایک آیت ہی جنت کا ایسا تصور تخلیق کرتی ہے کہ جو زمین و آسمان میں کہیں سمایا نہیں جاتا۔ اب عملی تجربات کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اس مثال میں اس نے کہا کہ میری مثال چراغ کی طرح ہے طرحدار کو خود دیکھیے تو وہ کہتا ہے کہ یہ تابدار سورج ایک تارا ہے اور جو ایک سورج جو ہمارے سر پہ چمکتا ہے۔ جو کروڑ میل دور سے ہمیں زندگی عطا کر رہا ہے۔ اس کو خدا کہتا ہے۔ یہ ایک چراغ ہے۔ "وجعل الشمس سراجا" (نوح، آیت ۱۶) ایک جلتا ہوا چراغ۔ اب جو پروردگار ہے ہمارا رب جو سورج کو ایک دیا کہہ رہا ہے، جو اس قسم کے کروڑ ہا رب ہا سورجوں کو دیے کہہ رہا ہے اس کی اپنی عظمت کا کیا پیمانہ ہوگا۔ اور جو جنت اس نے آپ کے لیے بنائی ہوگی، اس کا اندازہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ آج ہم جس کائنات کی ملکیت پر کھڑے ہیں، اس کے عین وسط کی نشاندہی کرنے والا دور افتادہ ایک ستارہ دریافت ہوا ہے جو ہماری دنیا سے پندرہ بلین لائٹ ایئرز کے فاصلے پر ہے۔ اب پندرہ بلین لائٹ ایئرز کے فاصلے پر جا کے ہم کائنات کو ابھی تقسیم نہیں کرتے۔ ہمیں پتا نہیں کہ کائنات کہاں ہے اور کہاں نہیں ہے اور یہ ایک کائنات ہے اور اس کے بالا کیا ہے۔ اس کے آگے کیا ہے اور ایک ایک سورج کائنات میں اتنا بڑا ہے کہ آپ کے اندازے ہزار سورج اس میں آجاتے ہیں۔ اب یہ میکانیکس ہے۔ کوانٹم تھیوری ہے۔ Relativity تھیوری ہے۔ اب آگے کوانٹم اور Relativity کے فلاسفرز نے فیصلہ دیا ہے کہ یار پکی کوئی بات نہیں۔ قطعی کوئی پکی بات نہیں۔ کوئی پکی بات ہم کر ہی نہیں سکتے وہ کہتے ہیں آپ کوئی آپشن کائنات میں سوچ لو گے کہ وہ اس حد تک چلے گئے ہیں کہ کائنات میں آپ کوئی تخیل بنا لو کوئی نہ کوئی شکل آئے گی۔ تو سوچیے وہ یہ جاننے کی کوشش کر رہے ہیں کہ کائنات بالا میں انسانی ذہن کا وہم جو وسوسہ جو خواب پورا ہو سکتا ہے اور جو بھی کائنات آپ کو سمجھ میں نہیں آ سکتی تو اس کائنات میں اللہ تعالیٰ جنت کا حدود اربعہ واضح کرتا ہے فرمایا زندگی اور موت کے بعد مومنین اس جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ "وجنة عرضها السموت والارض" (آل عمران، آیت ۱۳۳) جس کی چوڑائی اور لمبائی سات زمینوں اور سات آسمانوں سے بھی زیادہ ہے؟ Can you imagine? کیا آپ تصور کر سکتے ہیں۔ ہماری جنت کا تصور کیلے کے لگے ہوئے باغوں کا ہے اور خداوند کریم نے یہ چیزیں قرآن میں لکھی ہیں۔ مگر جو ہماری حدود ان کو متعین کرتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ہے کہ جس کے نیچے ایک آدمی سو برس چلتا جائے گا اور وہ ختم نہیں ہوگا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت میں ایک مکان سے دوسرے مکان کا فاصلہ پانچ سو برس کا ہے۔ تو وہ وہاں کیسے جائیں گے۔ فرمایا براق پہ۔ یعنی ایک مکان سے دوسرے مکان کا فاصلہ 500 لائٹ ایئرز کا ہے۔ تو آپ سوچتے ہیں کہ جنت

Is the huge most galaxy, inconceivable greater than seven earths and the skies

اور اس Galaxy میں کتنی جگہ ہے۔ یہ بھی تھوڑی سی بات آپ کو بتا دوں کہ کتنی جگہ ہے اس میں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جب جنت میں لوگ داخل کر دیے جائیں گے تو پھر بھی جنت میں جگہ بچ جائے گی اور اللہ

پھر نئے لوگ پیدا کرے گا اور نئی پھر آزمائشیں ہوں گی اور پھر نئے لوگ داخل ہوں گے

Do you understand what he says?

اس زمین پہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑا یہ فلسفہ خیال نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ پہلی دنیا نہیں ہے۔ یہ تو ایک مسلسل تخلیقی پراسس ہے جو سات دنیاؤں کا اور وہ کہاں کہاں واقع ہیں اللہ اس کو بہتر جانتا ہے اور یہ بھی میں آپ کو یقین سے کہتا ہوں کہ آپ لوگ اپنے مرنے سے پہلے شاید ایک آدھ دنیا کا سگنل دیکھ لو۔ میرا یقین یہ کہتا ہے کہ Sciences اس وقت تک ہیں جب تک قرآن کی یہ ہزار ہا باتیں پوری نہیں ہو جاتیں

Scientist is learning the same thing in hard way, which God has stated to the people with easier way.

تو فرق صرف اتنا ہے کہ خداوند کریم نے جو باتیں لکھ دی ہیں۔ ابھی تو بہت ساری باتیں ایسی ہیں قرآن کریم کی۔ ابھی آپ دیکھیں گا کہ پانچ سال میں قرآن کی ایک اور بات پوری ہو جائے گی۔ جس پہ کبھی پرویز صاحب نے بڑا شدید اعتراض کیا تھا کہ جانوروں کی بولی سلیمان نہیں سمجھتے تھے اب ایسے آلے نکل آئیں گے جو آپ اپنی جیب میں رکھ کر اپنے جانوروں سے کلام کریں گے۔ ہوتا ہے صبح سویرے مرغ کی اذان آپ لفظ بلفظ سنیں گے۔ وہ کیا کہہ رہا ہے، کیا نہیں کہہ رہا۔ تو یہ بات اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری ہونے والی ہے۔ مگر جو تحقیق یہ ہے کہ یہ [illegible] جال ہے اور یہ سائنس ایک Limit تک ہے اور اس کے بعد جیسے اللہ چاہے گا جب قرآن اپنے تمام حالات میں ثابت ہو جائے گا۔

And in the next ten years آپ کی اطلاع کے لیے ہے کہ لوگ جہاز کے ذریعے سے Travel کرنے کے بجائے شعاعی طریقے سے Travel کریں گے۔ اسی طرح جیسے ملکہ بلقیس کا تخت لایا گیا تھا۔ ابھی میٹل کی ایک چھوٹی سی ڈلی انہوں نے ایک جگہ سے دوسری جگہ ٹرانسفر کی ہے۔ اب Fusion اور De fusion بھی ہو چکی ہے اور آپ کو پتا ہے مارکونی نے پہلے پہل ریڈیو کی Length ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک پہنچائی تھی۔ بعد ازاں اس کا نتیجہ آپ کے ہاں کن کن حالات میں نکلا۔ تم بہت بہتر جانتے ہو۔ مگر میں عرض یہ کر رہا ہوں کہ خدا اتنی بلندی اور اتنی وسعت میں چھپا ہوا ہے کہ یہ بتانا مشکل ہے۔ اسی لیے خدا نے دوسری جگہ یہ فرمایا کہ تمہارے پاس میری جیسی کوئی شے نہیں، کوئی مثال نہیں ہے۔ یہ مثال میں تمہیں سمجھنے کے لیے دے رہا ہوں۔ یہ میری مثال نہیں ہے۔ میں اگر تمہیں بہت اچھا بتاؤں۔ تمہیں بہت پریشانی ہو۔ تمہارے ذہن میں بہت سارے سوال آئیں کہ خدا کیسے کائنات چلاتا ہے۔ خدا کائنات میں کیسے ہوتا ہے۔ خدا کائنات میں کہاں بیٹھتا ہے تو میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ پوری کی پوری کائنات پیچھے تھی ہوئی ایک خالق کی طرح ایک نظر میں آ جاتی ہے۔ اور اس نظر میں، میں دنیا سوچتا ہوں اور جیسے جیسے میں سوچتا ہوں چیزیں پھیل رہی ہیں جیسے تمہارا دماغ ایک خالق کی طرح ہے۔ اس میں دماغ کا چراغ جلتا ہے اور اس میں آپ خواب و خیال Built کرتے ہو۔ پتا نہیں کہاں سے کہاں چلے جاتے ہو۔ [illegible] لیتے ہیں۔ [illegible] کہتے ہیں اور اچھے ہوتا ہی ہے کہ اتنی بڑی سوچیں تم اور یہاں میں نیچے ہوئے ہیں، انتہا نیچے ہوئے ہیں باتیں ہو رہی ہیں اور ملاقات ہو رہے ہیں۔

شادیاں ہو رہی ہیں، کاروبار چل رہے ہیں مگر جب ہم اٹھ جاتے ہیں تو ایک جھٹکے سے کہتے ہیں! بس بھئی۔ That's all

And the moment you get up come into the real sense the whole show is lost. And dreams are lost.

اسی طرح اللہ میاں کہیں گے کہ یقیناً ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ پھر جب اتنے سارے خواب دیکھ لے گا اتنے سارے Dream world کو ختم کرے گا اور اس کی ڈریم ورلڈ Real ہے غلط نہیں ہے۔ اس لیے کہ خدا نے انسان کو پیدا کرتے ہوئے ایک چیز اس کے لیے بڑی دو چیزیں اپنی دی ہیں۔ اللہ قدیر تھا۔ انسان کو اللہ نے مرید کر دیا۔ متکلم کر دیا قدرت دے دی۔ یہ قدرت اس کے لیے ہے اگر ہم قدیر بھی ہوتے ہم بڑا قدیر نہ ہو سکتے ہیں ہم قدیر نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم قدیر ہوتے تو ہم اپنی ہر خواہش کو پورا کر سکتے۔ آپ نے سنا ہے جنت میں یہ ہوتا ہے۔ آپ خواہش کریں گے اور چیز آ جائے گی۔ یعنی آپ کی ذاتی قوتیں اتنی بڑھ جائیں گی کہ آپ کو اللہ میاں وہ قدرت دے گا جو اس کی اپنی ذات تخصیص ہے اور جنت میں یہی ہوگا کہ جو چاہو گے بناؤ گے۔ اگر موتیے کا پھول پسند ہے تو موتیے کا پھول موجود ہو جائے گا۔ اشیا فطرت میں ایک ہیں، اپنی تخصیص میں ایک ہیں۔ اپنے Origin میں ایک ہیں۔ اپنی Nature میں ایک ہیں اور اسی لیے رسل نے کہا تھا کہ

We only know the relationship of things, we don't know the nature of things

ہم صرف اشیا کے تعلق کو جانتے ہیں، اشیا کی فطرت کو نہیں جانتے اور رسول کریمؐ کی مرتبت کی ایک دعا ہے کہ اے اللہ مجھے اشیا کی فطرت کا علم دے۔ دیکھیے دو چیزوں میں کتنا فرق ہے۔

This is what I am always telling کہ اگر آپ کو خدا سے واقفیت ہوئی تو آپ اللہ سے اشیا کی فطرت کا علم مانگیں گے تو یقیناً آپ کی وسعت ذہن، آپ کا ایمان، آپ کی قدرت، ذہن زیادہ بڑھے گی اور West is no West, East is no East یہ تو بات اللہ کے بندوں کی ہے، اور اللہ کا بندہ بننے کی۔

تصوف کی روشنی اور سائیکالوجی کے سائے!

سوال آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ والی بات کی ہے کہ کون و مکان کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ جب ہم یہ باتیں سائیکالوجی کے سٹوڈنٹ سے کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے جی

It falls in curriculum of para Psychology Is it so? Sir

جواب یہ بات سمجھنا چاہیے کہ سائیکالوجی کی اپنی حدود ہیں۔ سائیکالوجی کی کبھی بھی Intention خدا شناسی نہیں رہی۔ بہر حال اس کی Intention خود شناسی اور خود آگاہی ضرور ہے۔ اور سائیکالوجی کا مقصد یہ ہے کہ بدتر اور کمزور Self کو بہتر اور طاقتور Self میں تبدیل کیا اور اس کے لیے ماڈرن سائیکالوجی جتنے بھی Complexes جتنے بھی فوبیاز جتنے بھی Superstitions سے لڑتی ہے

Psychology likes to provide a good scientific reason for all the deeds. ہوسکتا ہے آپ جسے جن قرار دے رہے ہیں۔ سائیکالوجی اسے ہسٹیریا قرار دے۔ آپ جسے عمل تعویذ اور جادو سمجھ رہے ہوں، سائیکالوجی اسے Obsession اور Posession کا عمل قرار دے۔

And there we fully agree with psychology, because God is not God of unreasonable incidents. God is a God of Reason. علم و حکمت اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ہے اور خدا اللہ کریم نے انسانی درجات کو آپ پر نہیں تخلیق کیا۔ اللہ نے علم پر انسان کے درجے تخلیق کیے ہیں۔ (آیت '' جس کے چاہتا ہوں درجے بلند کرتا ہوں اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے'' مگر حضرات گرامی! سائیکالوجی قطعاً آپ کو خدا شناسی کا سبق نہیں دے سکتی اس لیے کہ سائیکالوجی Move کرتی ہے۔

From self to the self سائیکالوجی Self سے Self کو Move کرتی ہے۔ سائیکالوجی نفس کی تعلیم ہے۔ نفس کی ترجیحات کی تعلیم ہے۔ نفس کی Arrangements کی تعلیم ہے مگر جب Ultimately کہیں لے کے جائے گی تو آپ کو ایک بہتر نفس تک ہی لے کے جائے گی اور یہاں سے تصوف شروع ہوتا ہے "ولمن خاف مقام ربه جنتن" (الرحمن آیت ۴۶) "کہ جو خدا کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس نے اپنے نفس کی مخالفت کی"

Now you see, the difference is understandable between the two کہ ایک آدمی ترقی کرتا ہے Initiative رکھتا ہے وہ ایک چھوٹے سے افسر سے ترقی کر کے گورنر یا صدر بن جاتا ہے۔ تو سائیکالوجی اس کو کامیاب انسان کہے گی۔ اعلیٰ ترین انسان کہے گی اس کی صلاحیتوں کی تعریف کرے گی۔ ہو سکتا ہے وہ خدا کی سائنس میں اول درجے کا مردود ہو، اس لیے کہ مکر فریب سے، قوت سے، چالبازیوں سے اس نے اپنی زندگی کے اقتدار کو حاصل کیا اور سائیکالوجی اس کو Appreciate کرے گی۔

He has used his skill. He has used his determined actions. He has used this and that and ultimately he reached at very high position. مگر اللہ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ خدا کے نزدیک ان لوگوں کی حیثیت ہے جو اپنی نچلی اقدار کو عقل و علم کے لیے قربان کرتے ہیں۔ وہ پہلی عقل، متعدد اس وقت پیدا ہوئی جب کل انسان نے جہالت کے خلاف جہاد کیا اور خواتین و حضرات آج بھی یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف بہترین عقل سے پہچانا جا سکتا ہے۔ اور عقل کے بغیر تلاش کا جو شوق ہوتا ہے وہ آپ کے معاشرے میں بالکل ظاہر ہے کہ ہر آدمی تعویذ دھاگا اور جادو ٹونے کی مصیبتوں میں مبتلا ہے۔ And nobody realizes کہ جہاں اللہ ہے اور جہاں پر رحمانی یا روحانی وجود ہے اور جہاں خدا اللہ کریم کا آسرا نصیب ہو وہاں کسی قسم کے ظلم و ستم کا شائبہ نہیں ہو سکتا۔ مگر خدا نے کہا "ومن یعش عن ذکر الرحمن نقیض له شیطانا فهو له قرین" (الزخرف آیت ۳۶) کہ جو رحمان کے ذکر سے غافل ہوئے ہم ان پر شیطان کو غالب کر دیتے ہیں وہ ان کے قریب ہے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو سائیکالوجی تصوف کے بہت سارے واقعات کو Paranoid Illusion

سمجھتی ہے۔ Paranoid Illusion یا Delusion سمجھتی ہے، حقیقت سے Paranoid Illusion یا Delusion ہو بھی سکتا ہے بشرطیکہ ایک بندہ صوفی ہو۔ مصیبت یہ ہے کہ چونکہ تصوف کے تمام معیارات عقلی ہیں اور تصوف کا اعلیٰ ترین معیار اعتدال ہے کیونکہ بہت سارے لوگ صوفیانہ مزاج کے ہوتے ہیں نہ معتدل ہوتے ہیں اور نہ عاقل ہوتے ہیں۔ اس لیے پاگلوں کو انہیں ذہنی [illegible] کرنے میں آسانی ہوتی ہے کیونکہ ہوتا ہے کہ آپ مجذوب بن رہے ہیں وہ اتنا پاگل پن کی ذہنی ہو۔ اس لیے آپ پاگلوں کو Ignore نہیں کر سکتے۔ علم نفس کی مہارت، محبت اور اعتدال جو انہوں نے اسلامی زندگی میں Gain کی ہے اس کی ہر حال تعریف کی جانی چاہیے۔ مگر تصوف اس سے ذرا آگے ہے۔

اللہ کا اسم ہی اسم اعظم ہے

سوال مفہوم آپ نے آیت پڑھی "وعلم آدم الاسماء کلھا" (البقرۃ آیت ۳۱) اسماء سے کیا مراد ہے۔ کیا ان سے مراد اسمائے الٰہی ہیں؟

جواب یہ آخری سوال ہے جو میں ڈیل کروں گا اور بھی سوال ہیں اس کے بعد۔ بہت سارے انسان اس مستقل ذہنی انسانیت میں اپنے مصائب کے لیے رب کو پکار رہے ہیں۔ اب ایسا ہے کہ میں ماں سے زیادہ بندے سے پیار کرتا ہوں تو پھر یہ کیوں حل نہیں ہو رہے ہیں۔ یہ عمل بے روح کیوں ہے۔ جواب تو آپ نے دے دیا کہ یہ عمل بے روح ہے۔ اس لیے بہت سارے لوگ جو اللہ کو پکارتے ہیں، بہت سارے لوگ اسی وقت بہت سارے اسباب کو بھی پکار رہے ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا کہ تو اگر اللہ کو ایسے پکارے کہ تیرے دل میں اللہ کے سوا کوئی نہ ہو تو یہ تیرا اسم اعظم ہے۔ In Fact میں نے اپنی زندگی میں اس شخص کو کبھی پریشان، دردمند اور رسوا نہیں دیکھا جو مصائب میں صرف اللہ کو پکارتا ہے۔ اصل میں ہمارے پاس اللہ ایک Excuse کی طرح ہے۔ ایک ایسا Excuse کہ جب تمام اسباب کی خداوندی کم ہو جائے، جب ہم تمام خدا دیکھ لیں، اسباب سارے دیکھ لیں اور اس کے بعد اگر ہمارے مسائل حل نہ ہوں تو پھر ہم اللہ کو پکارتے ہیں اور یہ پکارنا تجربہ ہوتا ہے۔ ہنسی کی بات ہے کہ چلو جی اب ایک خدا باقی رہ گیا ہے جسے اللہ کہتے ہیں، چلو اس کو بھی Try کر لیتے ہیں۔ آپ اللہ کو پکارتے ہیں۔ اے اللہ تو یہ کام کر، جب وہ نہیں کرتا تو کہتے ہیں اللہ تجھے بھی دیکھ لیا

In fact, you see, God has always served people as an excuse.God has not been taken as almighty Allah, As one who can realy solve every bit of your problems .

یہ توکل میں کمی اور خدا کے اعتقاد میں کمی کے باعث ہوتا ہے اور آپ کے اندرونی بحران کی وجہ سے ہوتا ہے ورنہ ایسی کوئی بات نہیں کہ خدا سنتا ہی نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سنتا ہے اور اگر نہیں سنتا تو اگر آپ کی باری ہے تو میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ آپ کو اتنا صبر کرنا پڑے گا کہ آپ اس بات کے کتنے حق دار ہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا آپ کو آزمائش میں تنہا چھوڑ دے مگر چونکہ وہ لوگوں کا حال جانتا ہے "واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون" (البقرۃ آیت ۳۳) میں اچھی

طرح جانتا ہوں جو تمہارے دلوں میں ہے اور جو تم چھپاتے ہو۔" وہ آپ کے دلوں کو جانتا ہے کہ آپ کو اللہ پر کتنا یقین ہے اور دوسرے خداؤں پر کتنا بھروسا ہے۔

کیا خدا شناسی کا علم مخصوص لوگوں کے لیے ہے؟

سوال: حضرات گرامی! ایک بہت طویل سا سوال ہے کہ خدا شناسی کے علم پر آج جو نشست ہوئی کیا یہ علم بہت زیادہ پڑھے لکھے یا سمجھدار لوگوں کے لیے ہے یا پھر اس سے عام طالب علم بھی مستفید ہو سکتا ہے۔ اگر یہ علم عام لوگوں کے لیے مشکل ہو یا عام ہو سکتا ہے تو پھر اس سلسلے میں کیا آپ کسی یونیورسٹی کے قیام کا ارادہ رکھتے ہیں یا اس علم کو صرف چند سو افراد تک محدود کرنا چاہتے ہیں؟

جواب: حضرات گرامی! یہ بڑا اچھا سوال ہے۔ دراصل مجھ سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ چلو جی آپ نے تصوف کا پڑھا لکھا، آپ نے کوشش کی اور آپ خدا تک کسی نہ کسی صورت حال میں ہو گیا مقصد تک پہنچ گئے تو وہ لوگ کیا کریں گے جو اتنا علم نہیں رکھتے۔ تو حضرات گرامی! میں سمجھتا ہوں آج کا انسان خاصا ذہین ہے۔ اپنے آپ کو ذہین سمجھتا ہے تو جو آدمی اپنے آپ کو ذہین، سمجھدار، پڑھا لکھا اور درست سمجھے اس کو تو چاہیے کہ خدا کو تلاش کرے اور اگر کوئی ایسے سادہ لوح بھی ہیں جو یہ کام نہیں کر سکتے تو پھر ان کے لیے دوسرا راستہ یہ ہے کہ وہ کوئی خدا شناس تلاش کریں۔ تو دونوں صورتوں میں برکت ہے۔ Range of mind is different اور ہر کسی کی اپنی Capacity of mind ہوتا ہے، پورا احساس نہیں ہے تو پھر وہ ایسے کریں کہ یا خود تلاش کریں یا پھر کسی ایسے کو تلاش کریں جو پہلے سے حقیقت علم سے واقف ہو۔ باقی جو میری بات ہے Frankly telling you جو کچھ بھی آج بات محبت کی شکل میں مجھے ملا ہے وہ لوٹا رہا ہوں جو اللہ نے دیا ہے، زندگی سے جو سیکھا ہے۔

I think everybody is capable of knowing God.

میرا اپنا خیال یہ ہے ایک سادہ ترین انسان سے لے کر اعلیٰ ترین ذہانت کے انسان تک سارے لوگ اللہ کو جاننے کے قابل ہیں۔ خدا نے ہمارے کمپیوٹر میں ایک Inherent صلاحیت رکھی ہے اور یہ صلاحیت کوئی اور کام کر سکے یا نہ کر سکے مگر خدا کو جاننے کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمام لوگوں سے قبر میں ایک ہی سوال نہ پوچھا جاتا۔ لیکن جب ایک موچی سے، ایک قصائی سے، ایک پروفیسر سے، ایک ڈاکٹر سے، ایک مزدور سے ایک ہی بات اللہ پوچھ رہا ہے کہ من ربک تو ایک ان پڑھ آدمی بھی تو کہہ سکتا تھا کہ یا اللہ میں نے تو ساری عمر جوتیاں گانٹھی ہیں میں نے تو کتاب پڑھی ہی نہیں میں کہاں سے تجھے جواب دوں تو پھر وہ بچا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ میاں میں پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ مگر خدا کہتا ہے نہیں میرے بندے! نہ تو مت کہنا، یہ صلاحیت میں نے ہر انسان کو دے رکھی ہے وہ بقدر استطاعت اپنے رب کو پہچان سکتا ہے۔

جلوہ بقدر ظرف نظر دیکھتے رہے
کیا دیکھتے ہم ان کو، مگر دیکھتے رہے

حضرات! دوسری ایک حقیقی بات یہ ہے کہ تین آدمیوں سے یہ قلم اٹھا یعنی سوئے ہوئے، مجنون اور مجذوب سے یہ قلم اٹھا لیا جاتا ہے۔ بچے سے یہ قلم اٹھا لیا جاتا ہے ورنہ اور کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جس پہ شناخت پروردگار بقدر ظرف نہ آئے۔ یہ Inherent گواہی ہے جو انسان کے خمیر میں اللہ تعالیٰ نے کم از کم یہ معرفت و شناخت تو رکھ دی ہے۔ میں ایک سادی بات ہے کہ ایک شخص نے مجھے کہا کہ پروفیسر صاحب آج میں خدا کو مان گیا ہوں بڑا excited میرے پاس آیا۔ تو میں نے کہا کیسے مان گئے ہو تو اس نے مجھے کہا کہ آج میں گھر سے قسم کھا کر نکلا تھا اللہ میاں اگر مجھے سڑک پر پچاس روپے کا نوٹ مل گیا تو تجھے اللہ سمجھوں گا ورنہ نہیں سمجھوں گا۔ وہ مجھے کہنے لگا پروفیسر صاحب قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ میں جونہی سڑک پر آیا تو پچاس کا نوٹ پڑا تھا۔ میں نے کہا تیرے اللہ کی قیمت پچاس روپے ہے، دیکھ لو۔

But I would say this is a manner of argument in every body.

ہر آدمی نے اللہ کے بارے میں اپنی اپنی Argument رکھی ہوئی ہے۔ یہ ہو گیا تو سمجھوں گا اللہ ہے، یہ نہ ہوا تو سمجھوں گا اللہ نہیں ہے And Then اپنے اعتبارات کو Build کرتا ہے مگر Main Argument جو آپ نے دیکھا، حضرت ابراہیمؑ، نمرود کا مکالمہ ہوا، اور نمرود نے کہا اے ابراہیم تو کہتا ہے خدا زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے "قال انا احیی و امیت" (البقرۃ آیت ۲۵۸) "میں بھی زندہ کرتا ہوں میں بھی مارتا ہوں" اور پھر اس نے ایک بندے کو جسے پھانسی کی سزا ہوئی تھی اسے چھوڑ دیا اور ایک دوسرے بندے کو جو اچھا بھلا جی رہا تھا اسے قتل کر دیا تو اس نے کہا دیکھا ابراہیم۔ تو ابراہیمؑ نے اسے Argument دی اور Argument یہ تھی کہ خدا ایک چھوٹے سے دربار کا خدا نہیں ہے۔ ایک مملکت کا خدا نہیں ہے۔ بلکہ خدا ایک پوری کائنات کا خدا ہے اور جب تک تو اپنے عمل کو پوری کائنات تک مجھے کر کے نہیں دکھاتا کہ میں اس Argument کو تسلیم نہیں کروں گا۔ اب ابراہیمؑ نے کہا "قال ابراہیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فأت بها من المغرب" (البقرۃ ۲۵۸) "کہ میرا رب تو مشرق سے سورج چڑھاتا ہے تو مغرب سے چڑھا" کافر مبہوت ہو گئے۔ تو ابھی جیسے خدا کے ثبوت کے لیے جو معجزات پیغمبروں کی زندگی میں آتے ہیں یہ آدمی کا Place of Faith ہے۔ ایک شخص نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تجھے پیغمبر نہیں مانوں گا جب تک چاند دو ٹکڑے نہیں ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے وہ ساعت قریب آ گئی چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور جو درجنوں شرطیں جو حضرت موسیٰ پہ ان کی قوم نے رکھیں۔ وہ یہ وضاحت کرتے ہیں کہ ہر آدمی کا

Standard of justification of truth is different

اور اپنی اپنی قدر کے مطابق ہے۔ ابھی حرف انکار کے دلائل ایک بہت بڑے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ آف فلاسفی جو اللہ کے بڑے سخت خلاف تھے تو میں نے ان سے پوچھا آپ کے پاس کوئی دلیل ہے؟ جی ہاں ہے۔ میں نے کہا حضور کیا ہے؟ تو کہنے لگے دیکھو میرا ایک جوان بھائی تھا مجھے اس سے بے پناہ محبت تھی خدا نے اسے جوانی میں یوں اٹھا لیا، پھر کیا بھی ثبوت ہو یہ خدا انصاف نہیں ہو سکتا ہے۔ میرے ساتھ بڑی زیادتی بڑی ناانصافی کی۔ ایک اور صاحب ملے انہوں نے کہا پروفیسر صاحب میں تو ایمان سے چلا گیا۔ میں زندگی بھر روزہ کے اپنے بھائی کی زندگی کی دعا میں مانگتا رہا میں حج کو گیا۔ میں حج کے دوران میں جہاں بھی گیا ایک ہی دعا مانگی میں نے کہا یا اللہ میرے بھائی کو بڑی طویل زندگی

دے، میں واپس آیا تو وہ مر گیا۔ اس کا میں کیا کروں۔ میرا خدا سے اعتبار ہی اٹھ گیا ہے۔ میں نے کہا بھائی اگر اللہ پر اس طرح کا اعتقاد ہے تو وہ تو جو بھی بدل کے دیکھ لو تم جذباتی ہوئے ہو تو یہ چیزیں ہو جاتی ہیں تمہارا بچہ مر جائے تو وہ بے یقین ہو جاتے ہیں۔ جب ایک چھوٹی سی Mathematical Preposition تمہارے جذباتی تغیر اور تبدل سے نہیں بدلتی تو اتنی بڑی کائنات حقیقت کہ تم ماں باپ کے مرنے سے بدل دیتے ہو تمہارا بچہ مر جائے تو تم خدا پر اعتبار چھوڑ دیتے ہو God has no such concept اس کو اتنی بڑی کائنات چلانی ہے کہ اس کے پاس ان چھوٹی چھوٹی Sentimental Approaches کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ پتہ نہیں کیسے یہ خیال آیا کہ میں نے انسانوں سے محبت کرنی ہے، خیال رکھنا ہے، میں نے انسانوں کو گلے لگا کے رکھنا ہے اور یہ بات اپنی کتاب میں بھی لکھ دیا۔ اپنی کتاب میں دیکھو اللہ میاں کیسے اپنے آپ کو اپنے اوپر ملامت کرتا ہے کہ کتاب میں لکھ دیا کہ میں نے اپنے اوپر یہ فرض کر لیا ہے میں ہر حال میں انسان پر رحم کروں گا۔ ایک عجیب معاملہ ہے سوچ یہ ہوا کہ نظر ہی نہیں آتا کیونکہ اتنی بے پناہ قوتوں کے درجات کے باوجود انسانوں کی محبت اور رحمت اپنے اوپر واجب کر لی "کتب علی نفسہ الرحمۃ" اور جب یہ فرض کر لی تو یہ فرق پڑا کہ اس رحمت کو Abstract رکھا ایک بے کراں رحمت کو Abstract رکھا بلکہ اس بے کراں رحمت کو مجسم کر دیا۔ اتنا کہا "الحمد للہ رب العالمین" (الفاتحہ آیت ۱) اور کہا "کتب علی نفسہ الرحمۃ" (الانعام آیت ۱۲) اور کہا "وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین" آپ غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی یہ تخلیق نظر آتی ہے کہ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے رحمت اپنے اوپر واجب کر لی۔ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اوپر واجب کیا اور کتاب میں یہ لکھ دیا کہ اس میں کوئی خاص کوئی Imagination استعمال نہیں کر رہا میں سیدھی سی قرآنی آیات کا ترجمہ آپ کو پیش کر رہا ہوں۔ اللہ نے فرمایا "الحمد للہ رب العالمین" ایک جگہ فرمایا کہ میں نے مخلوقات کی تخلیق سے پہلے یہ لازم کیا کہ ہر حال میں ان پر رحمت فرماؤں گا "کتب علی نفسہ الرحمۃ" ایک جگہ فرمایا "وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین" صرف رب اور رحمت کا فرق رہ جاتا تو بندے کے سوا آج تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقامات سمجھ نہیں آتے خالق مخلوق کا فرق تو کبھی نہیں مٹایا جا سکتا مگر خالق مخلوق کے درمیان وجہ سمجھ آتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق کی کہ جیسے ہر آدمی کی Appreciation جو ہے کسی بالغ نظر کو Appreciate نہیں کر سکتی۔ میں اگر ایک بہت اچھا فلاسفر ہوں یا دانشور ہوں یا شاعر ہوں تو ہر آدمی کی تعریف مجھے خوش نہیں کر سکتی۔ اگر ایک ان پڑھ آدمی آ کے واہ واہ شروع کر دے گا تو میں خاصی شرمندگی محسوس کروں گا اور اگر ایک پڑھا لکھا آدمی خاموش رہے گا تو میں کہوں گا جس کو سمجھ آئی تھی اس نے تو تعریف ہی نہیں کی اور جس کو سمجھ ہی نہیں آئی خواہ مخواہ وہ مجھے اچھالے جا رہا ہے۔ تعریف میں تو دراصل خدا کو بھی سب کی تعریف پسند نہیں آئی جب تعریف کے Ranks بھی بنائے گئے تو اسے ایک ہی بندے کی تعریف اپنے لیے پسند آئی اور اس نے اس کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھا۔ احمد کا مطلب ہی یہی ہے کہ تعریف کرنے والا۔

تو حضرات گرامی یہ ایک سوال ہے کہ علم اور معرفت میں کیا فرق ہے؟ کیا معرفت محض عطائے الٰہی ہے؟ یا کوشش سے ممکن ہے۔ حضرات گرامی علم کا نتیجہ ہی معرفت ہے۔ اور آپ کا ذہن تجسس اور سوال رکھتا ہے جاننے کی جستجو کی اور آپ کا شعور Progrresive ہے تو علم سے گزرتے ہوئے اس کی دوسری منزل لازم ہے۔ تمام عقلی جدوجہد، شعور

اور بالخصوص فرمایا کہ اللہ پاک کے تحت ہوتی ہے اور آپ کو علمی جدوجہد سے اللہ نہیں ملا تو آپ کو اپنی پالیسی کے بارے میں سوچنا ہوگا کہ نقص کس جدوجہد میں کہاں ہے

Then must be some fault in your understanding and approach.

اور یقین جانئے کہ Reasonable آدمی جو پچھلے دنوں ایک امریکن ایمبیسڈر رہتے تھے انہوں نے انڈیا میں کہیں میرا ذکر سنا تو وہ آتے ہی مجھے کہنے لگے

I am a spiritualist for the last 30 years.

I have come to share my spirtual and celestial experiences with you.

میں نے کہا Welcome۔ تو میں نے کہا جی موضوع کیا ہوگا تو کہنے لگے "Spiritual" تو میں نے ان سے کہا کہ پیشتر اس کے کہ آپ سے کچھ سنیں، میں آپ کو ایک بات بتانا چاہتا ہوں کہ Spiritualism means nothing اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں جو کچھ بھی آپ کے پاس ہے اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

Because I know you have no knowledge of God.

تو ظاہر ہے انہوں نے کہا جی آپ pre-guess کر رہے ہیں تو میں نے کہا نہیں

I am not pre-guessing

آپ اس Path پہ کیوں نہیں ہیں تو میں نے ان سے پوچھا تم کیا کرتے رہے ہو۔ اس نے مجھے بتایا کہ میں مدتوں سے خدا کی تلاش میں ہوں۔ میں خدا کی تلاش میں بیس سال رومن کیتھولک رہا۔

I did not find God. so I change my religion

پھر میں Jew ہو گیا۔ میں بنیادی طور پہ Jew تھا میں پھر اپنی Judaism کو لوٹ آیا تھا

I stayed there about 10 years . I did not find God.

پھر میں نے Judaism کو چھوڑ دیا تھا میں ہندوازم کی طرف راغب ہوا اور چونکہ میں انڈیا میں تھا تو میں نے پانچ سال مسلسل جانچا پرکھا۔ ان سب کا مطالعہ کیا

I did not find God. پھر میں بدھ ازم کی طرف گیا لیکن مجھے خدا نہیں ملا۔ میں نے کہا خدا نہیں ملا تو spiritualism کیا ہوتا ہے

What do you mean by spiritualism

تو میں نے اس سے question کیا؟

Why did you not try Islam.

I do not know why, but i did not try Islam.

کہتا ہے I did not know why, but I did not try Islam میں نے کہا نہیں

You have to answer this question.

تمہیں دکان چاہیے تھی کہ سودا چاہیے تھا اگر تمہیں سودا چاہیے تھا تو تم اسلام کو کیوں Ignore کر گئے۔ باقی مذاہب کو تم نے بڑا پوچھا، بڑا ادھر ادھر گئے، سارا Try کیا تو کہتے ہو کوئی خاص بات نہیں۔ میں نے کہا خاص بات تھی کہ اسلام کے خلاف تمہارے دل سے تعصب نہیں گیا۔ تمہیں خدا کی تلاش نہیں تھی، اگر خدا کی تلاش ہوتی اور اگر تمہیں پتا تھا کہ مسلمان بھی یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ ہم سے خدا ملتا ہے تو تم اسلام بھی Try کرتے۔ تو میں نے کہا اور پھر دل ٹٹول کے دیکھو تم ابھی اپنی سائیکالوجی آف سیلف ہی سے نہیں نکلے تم نے آگے کیا بڑھنا ہے۔ اللہ کے پاس کون سی Spiritualism تم تلاش کر رہے ہو۔

But you know he said, I could agree with you , I could agree with you do you suggest me some thing .

میں نے کہا ہاں I could suggest you something الحمد للہ خاصا فرق پڑا اس کو میں جو بھی آپ سے کہہ رہا ہوں کہ He sent me a message

I think I have reached some where, in the search of God

اور میں چاہتا ہوں یہاں آ کے میرے اور بڑے دوست ہیں، حلقہ احباب ہے

We are arranging a session for you

تو شاید وہی مجھے Invite کر رہے۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کا اپنا ایک Clear مقصد ہونا چاہیے کہ You really need God یا آپ کو ہر روز اپنے آپ سے پوچھنا پڑے گا کہ کیا واقعی آپ کو خدا کی تلاش ہے اور اگر آپ کا دل گواہی دے کہ آپ کو خدا چاہیے تو میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اتنی مشکل دنیا میں اتنی آسان اور قابل حصول شے کوئی نہیں جتنا خدا ہے

The reason is very simple, He has created you for him.

اس نے آپ کو روٹی کے لیے پیدا کیا، نہ پانی کے لیے، نہ بیوی بچوں کے لیے یہ ضمنی مقاصد ہیں۔ جب مجھے پیدا ہی اس نے اپنے لیے کیا ہے تو وہ مجھے کیسے انکار کرتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی چالیس سال تک مراقبات میں رہے، چالیس برس کے بعد جب ان کو آگہی ہوئی کچھ شعور، خداوند تک پہنچے تو کہنے لگے کہ چالیس برس میں خدا کی تلاش میں رہا جب میں نے اسے پایا تو پتا چلا کہ وہ مجھ سے پہلے میری تلاش میں تھا اور یہ حقیقت ہے جس کو خدا کی تلاش ہے، جس کو طلب ہے وہ اس رستے کا منتظر رہتا ہے خواہ وہ مشرق میں ہے یا مغرب میں ہے، خواہ وہ Antarctic یا Arctic میں ہے جب وہ طلب دل سے، سچے دل سے خدا کی آرزو کرتا ہے تو وہ خود اسے اپنے تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے اس کو راستہ پتہ چل جاتا ہے

You got muslim names and some people have christian names and some peoples have got hindu names

انسان بنیادی نیچر میں ایک ہے سوائے اس شخص کے جو اپنے آپ کو آدمیت سے محروم کرتا ہے جو اپنی زندگی

کے مقصد کا تعین کرتا ہے جو اللہ کی دوستی کی آرزو کرتا ہے۔ وہ اللہ سے دور نہیں رہ سکتا Not at All اور یہی معرفت ہے اللہ کی طرف پہنچنے کے تین راستے ہیں The first is argument جو ممکن ہے آپ کو راستے سے ہٹ جائے۔ چھوٹے چھوٹے چھکاروں سے اپنی Argumnet کمزور ہو جو کسی منافق کے رشتوں سے اچھائی اور نیکی اور شر کا عمل بھول جائے

You must have a very strong argument

پیغمبر ہوتے ہیں یا اللہ کی دلیل ہوتے ہیں۔ پیغمبر اللہ کی حجت ہوتے ہیں۔ ایک پیغمبر کا تجربہ اس کا اپنا نہیں ہوتا۔ پیغمبر کی دلیل ربانی ہوتی ہے وہ ایک ایسے شخص کی طرح ہے جو غیر معقول میں بھی دلیل رکھتا ہے اور معقول میں بھی دلیل رکھتا ہے۔ ایک شخص کو عقلی دلائل سے واسطہ نہیں ہوتا مگر جب وہ کہتا ہے کہ اے پیغمبر اگر بارش برس جائے تو میں تجھے پیغمبر مانوں گا تیرے خدا کو خدا مانوں گا تو وہ بتا دیتا ہے کہ میرے پاس بارش ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ میں Existing Data پر یہ دیکھتا ہوں کہ بارش نہیں ہوگی

And if i go to man of God, and i tell him

بارش تو نہیں ہوگی تو میں مانوں گا؟ اللہ کو مانوں گا تو ہمیشہ اللہ یا خدا کے تصور سے جدوجہد کرتا ہے اور آج کے انسان کی سب سے بڑی بدبختی Data Intoxication ہے جو زمانے میں نئے نئے نقشے ہوتے ہیں آج کا شخص یہ ممکن نہیں ہے Data Intoxication ہے جو آدمی کہتا ہے کہ ہمارے پاس Reasoning ہے کا منطق Reasoning ہے اور سائنسدان کو دیکھیے کہ قرآن اس لیے نہیں پڑھتا آپ کو پتا ہے ایک بہت بڑے سائنسدان مجھے اسلام آباد میں ملے انہوں نے کہا پروفیسر صاحب قرآن سے سائنس نہیں ثابت ہوتی، چھوڑیے آپ قرآن سے نہ ڈریں۔ اللہ پر ایسے یقین درست نہیں میں نے کہا

Why are you afraid,why are you afraid of looking through the pages of Quran

اور تمہارا خدا اتنا کمزور ہے کہ تمہارے سائنسی حقائق کی تردید ہو جائے قرآنی آیات کو بدل دیں گی تو پھر تمہارا ایسے قرآن اور خدا پر یقین کا کیا مطلب ہے Why do you believe in God then اگر تم قرآن پڑھو گے تو ایک دفعہ کھول کر دیکھو سائنسی حقائق کیا کہتے ہیں اور تمہارا قرآن کیا کہتا ہے پھر تو کوئی مزہ آئے۔ میں نے کہا قرآن آج کی بات کرتا ہے قرآن تو قیامت تک کی ترقی اور عظمت اور انتہا تک کی بات کرتا ہے قرآن تو قیامت کا نقشہ کھینچ رہا ہے "القارعۃ ما القارعۃ" قرآن تو قیامت تک کی بات کرتا ہے۔ اللہ تو کل انسان کے علم اور علم کی انتہا تک کے انسانی تقاضوں کے انسان کی بات کرتا ہے وہ کہتا ہے تم جہاں تک پہنچو، جب آسمان کھول دیا جائے، جب تارے بجھ جائیں گے "اذا الشمس کورت" جب سورج بجھ جائے گا "اذا النجوم انکدرت" تارے مدھم پڑ جائیں گے یہ وہ چوٹی کا ارتقائی مقام انسانی ذہن کی ترقی سے قائل ہوگا۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ کسی نے دنیا کا انجام لکھا یا اس کو پتا نہیں ہوتا کہ یہ Intellectual ہیں ہمارے تیس یا سو برس پہلے کا اس کو پتہ نہیں تھا کہ فلسفے میں Existentialism

بھی آتے تھے۔ اس کو یہ نہیں پتا ہوتا کہ مارکسزم آئے گا اور میرا انکار کرے گا۔ Semantic آئیں گے اور مجھ میں کیڑے نکالیں گے۔ وہ انسان کے ذہنی پراگرس کا خالق ہے۔ وہ انسانی ذہنی کمپیوٹر کا خالق ہے۔ اس کمپیوٹر کی چھوٹی سی Exhibition آپ کو دینا چاہتا ہوں اس کے Connections جو ہیں zero 18 x 36 ہیں اور اس کے کنکشن کی پریکٹیکل مثال یوں ہے ذہن کے برین کنکشن ایسے ہیں ایک کاغذ پر صفر اور صفر لکھتے جائیے پندرہ بلین میلوں تک لکھتے جائیے تو ذہن کے کنکشن پورے ہوتے ہیں Do you think جو اتنے پیچیدہ کمپیوٹر کا خالق ہے اس کو یہ نہیں پتا کہ ستاروں تک منڈیریں پھلانگنے والے میرے بارے میں کیا سوچیں گے اور اس نے کیا کرنا ہے۔ بائبل انجیل اٹھا کے دیکھیے تورات اٹھا کے دیکھیے آج سے ڈھائی ہزار سال قبل حضرت جبرئیل امین نے دانیال کو زمین پر تباہی اور بربادی کی خبر دی تھی۔ حضرت دانیال نے پوچھا جبرئیل امین یہ تباہی کب آئے گی۔ جبرئیل امین نے فرمایا جب انسان ابھارنے والی دو چیزیں نصب کرے گا اجرام فلکی پر دراندازی کرے گا۔ اب حضور گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات دیکھیے فرمایا ہو سکتا ہے کہ اللہ دنیا کی عمر آدھا دن اور بڑھا دے۔ آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدھا دن کتنا ہوگا۔ کہا پانچ سو برس اور بڑھائی جا رہی ہے۔ غور کیجیے کہ خدا کے لیے یہ کتنا آسان ہے۔ اس کے اختیار اور اقتدار کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔ کہ آدھا دن اور بڑھ جائے۔ پانچ سو برس اور بڑھ جائیں، ہم از کم ہیں جتنے اور بڑھ جائیں ان میں سے کئی ٹریلین انسان اور بڑھ جائیں۔

It makes no difference to God. And look at this tiny little human biengs جو اپنے چھوٹے سے کمپیوٹر کے ذریعے کی وجہ سے اتنا اکڑ رہا ہے کہ براہ راست اُن کو چیلنج کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

حضرات گرامی اللہ کا انکار وہی کرتا ہے جس نے کبھی اللہ کو جاننے کی کوشش نہیں کی۔ اور اللہ ہر زمانے میں اپنی دلیل خود مہیا کرتا ہے اور جو دلیل ہوتی ہے وہ اس زمانے کی دلیل ہوگی۔ اگر Babylonians، کیلڈینز کے زمانے میں علم نجوم بہت زبردست تھا اور جادو عروج پر تھا "یعلمون الناس السحر وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت و ماروت" (البقرۃ آیت ۱۰۲) اور ہاروت ماروت جادو سکھاتے تھے تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام بھی موجود تھے اور خدا نے کہا کہ انسان کے Possitive اور Negative علم دونوں ساتھ چلتے ہیں۔ اور قرآن حکیم میں فرمایا کہ ہم مثبت علم کو رکھ چھوڑتے ہیں اور منفی کو نابود کر دیتے ہیں۔ آپ ذرا غور کیجیے۔ آج کے زمانے میں قاعدہ وہی ہے انسان کو دیکھیے کہ اس زمانے کے مہذب دور میں علم ہیئت کے ہوتے ہوئے، Astronomy کے ہوتے ہوئے لوگ آج بھی آدم خوری کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔ جو انسانی ذہنی کمزوریوں کے باعث تخلیق ہوتے ہیں، جو منفی

Reasoning سے کام لیتے ہیں، ان کو اللہ نے ترک کر کے بہتر علم کی مدد سے معاشرہ انسان کو آگے بڑھایا اور انسان کا یہ عالم ہے کہ اتنا مہذب ہو کر بھی پھر اسی علم کو پلٹتا ہے

ایک Question یہ ہے جی کہ علم لدنی کیا شے ہے؟ حضرات گرامی! علم تین یا چار Catagories میں ہے۔ ایک کو ہم کہتے ہیں Intelligence جو علم کے Basic Instrument ہیں

Intelligence is the instrument. یہ انسان میں جانور میں سب میں موجود ہوتی ہے۔ جب اس کو تعلیم دی جائیں ڈیولپ کیا جائے تو یہ Intellect بن جاتا ہے عقل بن جاتی ہے ذہانت بن جاتی ہے۔ اس پہ آگہی پیدا ہوتی ہے۔ Intelligence profession ہو جاتی ہیں۔ جب عقل کسی چیز پہ مرتکز ہو جائے اور مسلسل غور و خوض کرے جیسے نیوٹن نے کیا، [illegible] نے کیا تو پھر Intuition نکلتی ہیں عقل کا ارتقاء وجدان میں ہے۔ علم کے یہ تین درجات تمام انسانوں کے نصیب میں ہیں "ولقد کرمنا بنی ادم" (الاسراء آیت ۷۰) انسان کو ان تین درجات علم سے کرامت بخشی مگر جب خدا کے تصور سے علم حاصل کیا جائے۔ اور اللہ کے شوق میں تو اس وقت ایک قسم روح علم کی پہنچتی ہے ذہانت تک پہنچتی ہے جسے الہام کہتے ہیں الہام غیر معمولی شے نہیں ہوتا الہام کوئی آسمانوں سے اتری ہوئی شے نہیں ہے یہ انسانی ذہن کا اعلیٰ ترین ارتقاء ہے۔ Intuition سے ایک درجہ آگے الہام ہے۔ جو معرفت خدا کی معرفت اور اس کے تعلق سے ذہن کو نصیب ہوتا ہے اور اس کا اصول قرآن حکیم میں درج ہے کہ انسانی ذہن پر دو قسم کے خیالات وارد کیے جاتے ہیں "ونفس وما سواھا" ہم نے نفس انسان کو درست کیا، برابر کیا "فالھمھا فجورھا و تقوھا" (الشمس آیت ۷-۸) ہم نے اس پہ فسق و فجور اور تقویٰ کے خیالات الہام کیے پھر جس نے نیکی کو چنا، خیال خیر کو چنا "قد افلح من زکھا" (الشمس آیت ۹) وہ فلاح پا گیا، نجات پا گیا، وہ اپنے مقام سے آگے بڑھ گیا "وقد خاب من دسھا" (الشمس آیت ۱۰) جس نے Negative کا پیچھا کیا وہ خسارے میں رہا تو حضور گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے پچاس ہزار بندے بغیر کسی حساب کتاب کے جنت میں داخل کیے جائیں گے تو پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کون لوگ ہیں فرمایا جو فال نہیں لیں گے

Those who do not believe in guesses جو پانسے نہیں پھینکتے، جو پانسہ باز نہیں ہیں جو انتہائی Objective and Practical ہیں۔

Those who are sentimental in approach towards God, but very objective in the understanding things around them.

"ویتفکرون فی خلق السموت والارض" (آل عمران آیت ۱۹۱)۔

حضرات گرامی! ایک آخری سوال یہ ہے پاس تین چٹوں کی صورت میں موجود ہے ان میں ایک ہی سوال کیا گیا ہے کہ علم لدنی کیا ہے اور اس کو کیسے سمجھا جاتا ہے۔ تو حضرات گرامی چونکہ اس علم کی وضاحت پہلے سے تین بھی مرتب

نہیں ہے اور ایک مشترک سی بات حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے بعد اگر کسی شخص نے اس کی تھوڑی سی Exibition کی ہے تو وہ شیخ محی الدین ابن عربی ہیں اور اس کے بعد اس دور حاضر میں Perhaps اس علم پر کوشش کی ہوگی مگر وہ اس کی سائنٹفک Objectivity دریافت نہیں کر سکے، ایسے اصول متعین نہیں کر سکے، جس سے یہ قابل حصول علم بن جائے اور حروف مقطعات کا یہ علم جو ہے ہمیشہ سے عجیب و غریب رہا اور لوگ اس کی آرزو میں مرتے رہے

But they did not find clue to understand the nature of these 14 Asma

چودہ اسماء جو ہیں ان کی وہ تفہیم نہیں سمجھ سکے تو بہت مدت کے بعد جب میں اپنی ابتدائی تحقیقات میں مصروف تھا تو میں نے اللہ سے ایک گلہ کیا کہ باقی چیزیں تو چلو Waste ہو جائیں ٹھیک ہیں مگر تو نے قرآن میں یہ Waste کیا تو میرا خیال ہے اللہ کو بات کافی پہنچی ہوئی ناگوار ہے تو میں نے اس سے کہا کہ جو چیزیں تو نے ایسی قرآن میں لکھ دی ہیں جو ہمارے سمجھنے کے لیے ہی نہیں ہیں تو پھر تو تو خود کہتا ہے غور و فکر کرو، غور و فکر کی کیا بنیاد ہو۔ اللہ میاں ایسی چیزیں دے رہا ہے جن کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں تو میں نے اس سے پوچھا یہ "الم" کیا ہے یہ "حم" کیا ہے، "عسق" کیا ہے جیسے بہت سارے مفسرین کہتے تھے۔ اور علمائے حاضر نے بھی لکھا ہے کہ یہ رب کا ذاتی کلام تھا۔ حروف کلام ہیں کسی نے کہا "یس" کا مطلب ہے سردار ہے۔ کسی نے کہا "طہ" کا مطلب بھی سردار ہے تو

But frankly telling you, i was not ready to accept this. To me it meant some thing.

اور Clue اس کا انسان کے اس ابتدائی معاشرے میں تھا کہ جب سے انسان نے ٹیکنالوجی شروع کی تو اس کو ٹیکنالوجی پڑھائی گئی "وعلم آدم الاسماء کلہا" (بقرۃ آیت ۳۱) اور لازم بات یہ ہے کہ انسان نے سب سے پہلے ان چودہ حروف سے ایجوکیشن شروع کی تو پھر تمام علوم انہی سے اخراج شدہ ہیں اور یہ چودہ حروف اپنے اندر Basic کیٹیگری کا علم رکھتے ہیں

Its the knowledge of the basic category

اب Question یہ تھا کہ ان کی صفات کیا ہو سکتی ہیں ان کے خلیے کیا ہو سکتے ہیں، ان کے درجات کیا ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ نے شطرنج دیکھی ہو تو آپ کو پتا ہوگا کہ اس میں سادہ اور زیادہ سے زیادہ بتیس مہرے ہوتے ہیں مگر اس کی جب چالیں کام کرتی ہیں تو وہ ملین سے بھی زیادہ ہیں اسی طرح حروف مقطعات کی جو Basic خصوصیات ہیں وہ تو Simple ہو سکتی ہیں مگر جب یہ Interrelated ہوتے ہیں تو پھر یہ تمام علوم کی Basic بنیادیات بن جاتے ہیں۔

And every thing is very much understandable, if you have this knowledge

مثلاً کوئی شخص ہو کا نام ہو

If I know the name. I would know the nature of that man. I know the category, I know the man. where does he stand where he will go, perhaps.

شاہ جی کہا کرتے تھے کہ میں ایک شخص پر نگاہ ڈالتا ہوں اور میثاق سے لے کر برزخ تک اس کے مقامات دیکھ لیتا ہوں یہ شاید بڑا Wide Claim ہے مگر Fact یہ ہے کہ حروف مقطعات ایک قسم کا خلاصہ کائنات ہیں اور ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے۔ وہ ایک

Uncountable source of estimate

ہے۔ یہ سمجھو کہ یہ کسی Basic Computer کی کلید اور کنجی ہے جس سے کھلتی جاتی ہے ایک پورا Chapter منکشف ہو جاتا ہے

But i have been demonstratıng this knowledge hundered & thousand of people

مگر میرا مقصد نہ Exhibition ہے اور نہ اس کا مقصد یہ ہے کہ میں اس سے کوئی فائدہ اٹھاؤں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں کی basic nature کے متعلق جو بات مجھے علم میں آتی ہے

It becomes easy for me to guide them to instruct them & to teach them.

جو انسان کے اپنے پیٹرن کی اصلاح بھی انہی حروف سے ممکن ہے۔ So after a long tıme میں آپ سے معذرت خواہ ہوں کہ ہمارے سالانہ سیشن کا ایک بہت بڑا موضوع تشنہ رہ گیا ہے میں اس موقع پر انشاءاللہ حروف مقطعات پر ایک پورا پیکج Arrange کروں گا اور آپ کو اس کے اصول بتاؤں گا اس کے Chapter-wise آپ کو عنوان دوں گا یہ آپ کی مرضی ہے کہ آپ یاد رکھتے ہیں اور یا نہیں؟

رسول مقبولؐ کی زندگی کے معنوی گوشے

(خطاب [illegible] فیلڈ یو کے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیراO

(الاسراء آیت ۸۰)

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفونO وسلم علی المرسلینO والحمد للہ رب العلمینO

(الصافات آیت ۱۸۲،۱۸۱،۱۸۰)

اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد وبارک وسلم

خواتین و حضرات! آپ سے اس ملاقات کے لیے جمیل صاحب کا بھی شکر گزار ہوں اور آپ کا بھی اور ان آنے والے تمام لمحات کا بھی شکر گزار ہوں جو ذہن میں آپ کے حوالے سے اور ملاقات سے مجھے ملیں گے

خواتین و حضرات! زمان و مکان میں کبھی کوئی ایسی ساعت محترم نہیں اتری تھی کہ اس وقت جب رب العالمین نے رحمت عالم کی تجسیم فرمائی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا نام رکھا۔ انسان ایک طویل تہذیبی قدروں کے دوران سے گزرا۔ ہمارے پاس تاریخ سات اور آٹھ ہزار سال سے پیچھے نہیں جاتی۔ وہ معاشرے، ماحول اور زندگیاں جو انسان نے اپنے تہذیبی دور کے آغاز میں جاری رکھیں، ان کا تجزیہ کیا جائے، وہ سلطنتیں جو قائم ہوئیں، وہ حکومتیں جن کا تخت انسان کے دل و دماغ پر جاری ہوا، اگر آپ ان کا مرحلہ وار جو بھی مطالعہ کریں تو انسانی ذہن کی تاریخ کو صرف دو ادوار میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ایک وہ دور جب انسان نے پہلے پہل سوچنا شروع کیا اور Homo Sapiens کہلایا۔ وہ سوچتا ہوا انسان تھا۔ اس کی ترقی میں جس قدر بھی ایک لاکھ سال کی جانورانہ صلاحیتیں اس میں رہی تھیں۔ وہ جانوروں سے علیحدہ ہو رہا تھا مگر ابھی جانورانہ صلاحیتیں اس کے وجود اور اس کے نفس کا حصہ تھیں۔ ابھی عقل کو وہ عروج حاصل نہیں ہوا تھا۔ ابھی عقلی روایات تمام نہ ہوئی تھیں۔ خاندان بن رہے تھے مگر مذہب اور خالق کے اصول مرتب نہیں ہوئے تھے۔ اتنی بھی کوئی جلدی نہیں کر رہا تھا

خواتین و حضرات! جب آپ ایک بچے کی زندگی کو دیکھتے ہیں تو آپ ایک انتہائی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور پڑھے لکھے انسان ہونے کے حوالے سے یہ کوشش تو نہیں کرتے ہیں کہ ایک نوزائیدہ، نومولود کے ذہن پر بہت ساری کتابوں کا بوجھ

ڈالی ہیں۔ آپ اس عقل کے بلوغت تک پہنچنے کا انتظار کرتے ہیں۔ جب تک انسان سوچنے کے قابل نہ ہو اور اسے غیر معقول اور معقول میں فرق محسوس نہ ہو، اس کو کوئی فلسفہ خیال نہیں دیا جا سکتا۔ اس کو کوئی قانون نہیں دیا جا سکتا۔ شریعت بھی بالغ کی قدر کرتی ہے اور بلوغت سے ہی شریعت کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت انسان نے اپنا آغاز بھی اپنے ایک قبیلے وجود سے کیا اور وہ قبیلہ وجود جس میں تجسس اور اس کے تعلیمی استغراق نے جاننے، سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کی اور وہ بالآخر بستیوں کی آبادی، سلطنتوں اور نظام ہائے زندگی تک پہنچا۔ تبھی آپ میسوپوٹیمیا کی وہ عظیم سلطنتیں دیکھتے ہیں جو آج قصہ پارینہ ہیں اور کبھی آپ بابل اور نینوا کے معلق باغات کی داستانیں سنتے ہیں کبھی شداد اور فرعون وہامان کے نام سنتے ہیں اور کبھی کبھی پرانے حمورابی جیسے قانون دان کا بھی نام سن لیتے ہیں۔ یہ تمام انسان سیکھنے اور جاننے کی کوشش کر رہے تھے مگر ہدایت ابھی باقی تھی۔ خواتین و حضرات! قرآن سے پہلے بھی قرآن تھا۔ اللہ کہتا ہے کہ الیوم اکملت لکم دینکم (المائدۃ آیت ۳) میں نے دین کو مکمل کیا ہے۔ اس سے پہلے بھی دین تھا جو جستہ جستہ آتا اور رسول کی مدد فرما رہا تھا۔ وہ تمام پیغمبران کرام جو پہلے گزرے تھے آدم سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک شریعت جستہ جستہ آتی رہی کا بے لحاظ قتل و قتل ایک آدھ معمولی صورت میں منعکس ہو رہی تھی۔ کبھی قانون قصاص اتر رہا تھا کبھی Ten Commandants آ رہی تھی جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کی گئیں۔ قرآن ان پہلی آیات الٰہیہ کو بھی سمیٹے ہوئے ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ ہم نے قرآن کو پہلی مرتبہ نازل نہیں فرمایا بلکہ آج اسے مکمل کیا ہے۔ آج آپ کا دین مکمل کیا ہے۔ پہلے یہود کو بھی جستہ جستہ آیات قرآنی دی گئیں۔ جو انھوں نے اپنے معاشرے میں اسے نافذ کیا۔ بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ کسی انسانی معاشرے نے اپنے لیے کسی قسم کا کوئی Moral قانون نہیں بنایا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ آج بھی کوئی اخلاقی قانون نہیں بنا سکے کیونکہ جمہور ہدایت کے قریب ہے۔ جمہور عقل سے دور، دانش سے دور جذبوں کے قریب ہوتی ہے۔ جمہور کا واسطہ زندگی کی ضروریات سے پڑتا ہے۔ جمہوریت Romantic نہیں ہوتی۔ Philosopher نہیں ہوتی۔ ان کا اپنا جو خیال ہوتا ہے اسی لیے تو اقبال کہتا ہے

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

فکر انسان، اخلاقی اصول اور وہ قوانین جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیے ہیں بقائے حیات اور بقائے معاشرہ کے لیے تھے جن کے سہارے آپ سلامتی سے چلتے ہوئے دور حاضر تک پہنچے ہیں۔ یہ سائنس کے قانون نہ تھے یہ زندگی کے قانون تھے۔ معاشرے کے قانون تھے۔ جب معاشرہ ایک دوسرے کو قتل کر رہا تھا، جب انسان انسان کے درپے آزار تھا۔ جب مذاہب قتل انسان کے لیے مستقل عذاب بن رہے تھے کہ ابدی فنا کے پھیلاؤ کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ تو اللہ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے انہیں سمجھایا۔ انہیں بتایا اور ایک آیت بخشی ولکم فی القصاص حیوۃ یاولی الالباب (البقرۃ آیت ۱۷۹) اے اہل عقل غور کرو۔ قصاص میں زندگی ہے۔ اگر ایک جان کے بدلے تم ایک قبیلہ ضائع کرو گے۔ ایک معمولی سے نقصان کے بدلے تم ایک پوری انسانیت کا نقصان کرو گے۔ اس لیے اللہ نے قابیل کو تیغ سے درس دیا، وہی درس جو اب قانون میں درج ہے کہ جس نے ایک انسان کی زندگی ضائع کی گویا اس نے تمام انسانیت کو قتل کیا اور جس نے

ایک انسان کی زندگی بچائی تو گویا اس نے معاشرے کو Save کیا۔ نسلِ انسانی کی بقا کی حفاظت کی۔

خواتین و حضرات! ابھی انسان اتنا Mature نہیں ہوا تھا، اتنا بالغ نہیں ہوا تھا باوجود اس کے کہ کافی [illegible] گزر چکے تھے۔ ابھی انسان بار بار بھٹک جاتا تھا۔ پھر ہم نے دیکھا کہ پیغمبروں کے آنے پر بھی ان کی تعلیمات کی خلاف ورزی کی گئی، اللہ کی نعمتوں کی خلاف ورزی کی گئی، اللہ کے قانون کے احکامات دوسروں کو قتل کیا گیا، اور خدائی قانون کو نفس اور مفادات اپنی ذاتی خواہشات کی بھینٹ چڑھایا گیا۔ اس لیے پروردگارِ عالم قوم یہود کو ایک الزام دیتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے بہت ظلم کیا کہ جب ہم نے ان کو تعلیم و ہدایت و رشد بخشی تو انہوں نے صرف میری آیات میں تحریف کی انہوں نے اللہ کی آیات کو ذاتی منفعت کے لیے استعمال کیا ثم یحرفونه من بعد ما عقلوه (البقرۃ آیت ۷۵) کہ تم نے ہماری آیات کو جاننے سمجھنے کے باوجود اقتدار، ہوسِ زر، جذباتی ترجیح اور خواہشاتِ نفس کی خاطر انہیں مسخ کیا۔ اور اللہ نے پھر ان عالموں کی مثال دی کہ وہ لوگ جو دینِ خدا کو اس طرح رسوا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو آیاتِ الٰہی کو مسخ کرتے ہیں ان کی مثال اس کتے کی طرح ہے کہ جس کی آدھی زبان باہر اور آدھی اندر ہے جیسے اسے سیری نہیں ہوتی ایک دنیادار عالم کی بھی سیری نہیں ہوتی وہ ہر وقت اپنی خواہشِ نفس اور خواہشِ دنیا کی تکمیل کے لیے دین کے مسائل کو نظرانداز کرتا ہے اور انسانوں کے لیے ایک مصیبت اور فتنہ کا باعث بن جاتا ہے۔

خواتین و حضرات! قوم یہود پر ایک حملہ بار بار کیا گیا۔ ان کے بہت سے گروہوں کو مسخ کیا گیا "ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت فقلنا لهم کونوا قردة خاسئین" (البقرۃ آیت ۶۵) کہ دھتکارے ہوئے بندر ہیں۔ خواتین و حضرات! آج بھی آپ یورپ اور اپنی زندگی کا موازنہ کریں تو Individuality جو خودی اور ذاتی انفرادیت مشرق کے لوگوں میں پائی جاتی ہے مغرب میں نہیں پائی جاتی۔ "فقلنا لهم کونوا قردة خاسئین" کہ یہ وہ نقال ہیں جن کی مثال ان بندروں کی طرح ہے یہ ایک دوسرے کی کاپی کرنے والے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی مشرق میں بھی، ہمارے معاشرے میں بھی یہ Copying نقل سازی ایک دوسرے کے رجحانات کی پوری طرح نقل کرنا ان کے پیچھے چلنا اور بندروں اور زمانے کی تقلید کرنا یہاں بھی تھا، یہ آج آپ میں بھی آ رہا ہے۔ اور صرف اس وجہ سے آ رہا ہے کہ آپ نے اس علم، اس خیالات، اس ترقی کو جو آپ کے رسول نے آپ کو بخشی تھی اسے مکمل Ignore کر دیا۔ خواتین و حضرات! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک آئیں ایک عجیب و غریب حقیقت سے شناسائی ہوتی ہے۔ ایک دم انسان منقلب ہو جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ جاہل انسان جو صدیوں سے چل رہا تھا، یہود و نصاریٰ سے گزر رہا تھا۔ ان کی تاریخ بے اعتدالیوں سے گزر رہا تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ معاشرہ جو وحشت، بربریت، ظلم اور جہالت کی علامت تھا، وہ غلام اور فاسق لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن میں خطاب کیا ہے وہ جاہل معاشرہ ایک دم سے اصحابِ رسول میں بدل گئے۔ تہذیب کا یہ انقلاب زمانے میں پہلے بھی آیا نہ بعد میں آیا۔ یہ ایک فرد کی بات نہیں تھی یہ چند ہزاروں کی بات نہیں تھی یہ تو ایک پورا معاشرہ تھا۔ اصحابِ بدر ہوں 500 تک اصحاب بیعت رضوان 5000 ایک پورا معاشرہ، ایک شہر، ایک مملکت کا ہر فرد آپ کو عقل و معرفت سے آشنا نظر آتی ہے، وہ شعور نظر آتی ہے، ذہنی فراست کے نئے نئے اصول بنا رہے ہیں۔ اعلیٰ ترین کردار سازی ہو رہی ہے۔ اب ایسے پتا چلتا کہ جہالت پر عقل حاوی ہو گئی۔

ایسا لگتا ہے کہ ایک استاد معظم ایک بہت بڑے عالم اور ایک بہت بڑے دانشور کی بدولت وہ دور جہالت رخصت ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو اگر تم غور کرو تو مجھے اللہ نے ہدیہ تمہیں بخش دیا کہ میں رحمت ہوں اور اللہ نے اپنی مخلوق پر تم لوگوں پر مجھے ہدیہ تمہیں بخش دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں زلف و رخسار تو بڑے محقق ہوں گے۔ ان کا سراپا تو بہت خوبصورت تھا اور ہے۔ ان کے چشم مبارک سے تو گفتگو ہی نہیں، پیشانی مبارک کی روشنی تو آسمان کی پہنائیوں تک پہنچتی تھی۔ خواتین و حضرات یہ وہ استاد معظم ہے جیسا زمین پر پہلے کوئی نہیں گزرا تھا

Extreme patience, high intellectualism

ایسا بلند و بالا اور حسین تو پہلے ماں تک بھی نہیں کوئی رکھتا تھا۔ ایک ایک جملے میں کائنات کھنچی ہوئی اور سب سے بڑا علم وہ نہیں ہوتا جو تصور میں رہ جاتا ہے۔ خواتین و حضرات یاد رکھیے کہ علم وہ نہیں ہوتا جو تصور میں رہ جاتا ہے۔ علم وہ نہیں جو Armchair میں بیٹھ کر جس کی Gossiping کی جائے۔ علم وہ نہیں ہے جو صرف کتاب کے اوراق کی زینت بن کے رہ جائے۔ بہترین علم کی علامت صرف ایک ہے کہ وہ اپنے عمل کے قریب ترین ہوتا ہے۔ ہم اسی کو علم کہتے ہیں۔ ہم اسی کو علم کہتے ہیں کہ جس کا نفوذ ہو اندر سے ہو اور جب وہ خلائق تک پہنچے تو علم اور عمل میں کوئی تضاد نہ رہے۔ جو مخلوق تک پہنچ رہا ہے اور ایسا کامیاب استاد ایسا مکمل عالم زمین و آسمان میں پہلے کوئی نہیں گزرا جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ جیسا علم تھا ویسا عمل تھا۔ ایسی گہری ہم آہنگی، ایسا مکمل ملاپ، ایسا وصال علم و عمل پہلے زمین و آسمان میں کبھی نہیں گزرا اور یہی وجہ تھی۔ اور یہی وہ رسول تھے جنہوں نے انسانوں کو اس درجہ آگہی بخشی کہ ان کے دل و دماغ ہی بدل گئے۔ حضرت بلال جو ایک صحابی بھی تھے وہ ایک غلام تھے ان کو زندگی کا کچھ پتا نہیں تھا لیکن جب حضرت بلال کو دمشق کا گورنر بنا کے بھیجا گیا، جب ان کو اقتدار بخش دیا تو انہوں نے اپنے کپڑے پہنے ہوئے تھے تو کسی نے راستے میں پوچھا کہ بلال آج تو اچھے کپڑے پہن لیے ہیں علم کا انکسار دیکھیے ان کی خود شناسی دیکھیے کہ فرمایا کہ تم مجھے آج تبدیل ہونے کا مشورہ دے رہے ہو۔ کیا میں اس وقت کو نہیں جانتا ہوں جب میں ایک عورت کا زر خرید غلام ہوتا تھا وہ مجھے صرف ایک وقت کی روٹی دے دیا کرتی اور پھر اللہ نے ہمیں ہدایت بخشی اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت نے وہ وقت عطا کیا کہ ہمیں یہ فائدہ ہوا کہ میں اسی عورت کا آقا ہوا۔ میرا اس کے مال پر تصرف ہوا۔ اب تم ہمیں خود آگاہی سے دور کہاں لے کے جاؤ گے ہمیں خود شناسی سے دور کیسے لے کر جاؤ گے

خواتین و حضرات استاد تو بڑے ہوتے ہیں مگر ایسی خود شناسیاں جو استاد اپنے شاگردوں کو عطا کرتے ہیں وہ بہت کم ہوتے ہیں، بہت کم۔ حضور کی رحلت کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ علم پھر خسارے میں چلا گیا۔ عقل پھر خسارے میں چلی گئی۔ حیرت کی بات ہے اگر پہلے انسانی قدریں کم تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد انسانی قدریں تو بڑھ گئیں۔ ذہن کے بہت سارے خلیے اور کھل گئے ہیں۔ کروڑ دو کروڑ خلیے اور کھل گئے مگر ان خلیوں کا انجام آپ دیکھیے کہ وہی بات کہ جہالت کی سرکشی نے ان کی تمام عقل کو ان کے مقاصد ذات کے لیے استعمال کرنے پر مجبور کر دیا اور وہ ایک سبق، وہ ایک بڑا درس، وہ درس علم، وہ درس اخلاق اور وہ تمام تر نعمتیں انسان کے ہاتھ سے چھن گئیں اور آج کا انسان بھی اتنا ہی

وحشت اور بربریت کا حال ہے جیسا اس زمانے کے کبھی صحرائی تھے جب کبھی Babylon کے قصے سنتے ہیں وہی آج بھی ناقص ہیں جنہوں نے ماضی کی تمام داستانیں مات کر دی ہیں۔

خواتین و حضرات! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر انسانی قافلۂ حیات کو اس طرح چلنے کی اجازت دی جائے۔ اگر اسی طرح آگے بڑھنے کی اجازت دی جائے۔ اگر اسی طرح عاد و ثمود کی روایات کو Repeat کیا جائے گا، اگر اسی طرح نسلِ انسانی، اخلاقی پستیوں اور گمراہیوں میں ڈوب جائے تو پھر آپ اس کا انجام اس کے سوا کیا دیکھیں گے جو پہلے اقوام کا ہو چکا ہے۔ پہلی اقوام بھی بہت بری تھیں مگر آقائے رسول کے بعد کم از کم چند ایک سالوں کے لیے ایک ایسا زمانہ گزرا ایسے انسان پیدا ہوئے، ایسی ایسی خلاقیت تخلیق ہوئی کہ اس سے بہتر معاشرہ، اس سے بہتر انسانوں کا تصور آج تک بھی ہماری کتابِ حیات میں نہیں ہے۔ خواتین و حضرات یہ فارسی کا پرانا ایک شعر ہے۔ شیخ سعدی نے لکھا

تا مرد سخن نگفته باشد
عیب و هنرش نهفته باشد

جب تک مرد کے منہ سے کلام نہیں نکلتا اس کے عیب و ہنر چھپے رہتے ہیں اور آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب اقوالِ زریں کی کتاب کھولی جاتی ہے تو اس میں بڑے بڑے مشہور عالموں اور مفکروں اور مصنفوں کے نام کے ساتھ ایک دو چار اس اقوالِ زریں درج ہوتے ہیں۔ مگر خواتین و حضرات کبھی آپ نے حدیث پڑھی کبھی آپ نے اقوالِ رسول پڑھے ایک ایک جملہ اپنے اندر جہانِ معنی لیے ہوتا ہے۔ ایک ایک جملے میں اس دین کی جھلک نظر آتی ہے جو کہ ماضی میں ذرا بعد میں ذرا آپ آقائے رسول کے ذہن کا معیار دیکھیں کہ جنگ کی مثال دی جا رہی ہے خیبر کے قلعے کے سامنے اترے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں کہ بربادی ہے ڈرائے ہوؤں کی سحر۔ جب تک آپ بہت بالغ نہ ہوں آپ کو اس چھوٹے سے جملے کی کبھی بھی سمجھ نہیں آئے گی۔ کیا بلیغ جملہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ بربادی ہے ڈرائے گیوں کی سحر کہ ایک طرف ہم ہیں جو اللہ کے بندے ہیں اللہ کا نام لے کر آئے ہیں۔ میں جو اللہ کا رسول ہوں اس میں کوئی شک نہیں اور میرے ساتھ اللہ کے بہترین دوست ہیں اور ہم ایک ایسے آدمی کے مقابل اترے ہیں جو ہمارے ساتھ لڑے گا۔ اس کو تو اول و آخر صرف جسم سے آشنائی ہے اس کی موت اور اس کی زندگی تمام بربادی ہے تو برباد ہوں گے لوگ جو وحشت میں جن کے خلاف ہم میدانِ جنگ میں اتریں گے تو فرمایا بربادی ہے ڈرائے ہوؤں کی سحر۔

خواتین و حضرات! ایک ایک جملہ جب یادِ خدا کی تحسین فرما رہے تھے تو فرمایا کہ آج تو چھوٹا سا جملہ آپ دیتے کہ حدیث میں فرمایا اور بڑی پیاری حدیث ہے کہ کسی مومن میں دو خصلتیں بخل اور بد اخلاقی جمع نہیں ہو سکتیں۔ کاش ہم اپنے رسول کو مانتے اور جانتے ہوتے۔ ان دونوں نصیحتوں کے بیچ میں خدا کو دیکھتے تو حضور نے فرمایا کہ کسی صاحبِ ایمان میں دو چیزیں بخل اور بد اخلاقی جمع نہیں ہو سکتیں۔ کیا اس معاشرے کو دیکھتے ہوئے ہماری سخاوت اور مہمان نوازی اٹھ گئی، ہمارے اخلاق کے طور طریقے بدل گئے۔ آپ کو پتا ہے کہ عرب کے ان جاہلوں، سرکشوں اور بدکاروں کو اللہ نے کیوں چنا! خشن بدو نادان میں یہ صفات تھیں ایک تو جان کی پروا نہیں کیا کرتے تھے اور دوسرے بہت سخی تھے ہمیشہ Generous تھے بہت دل والے تھے۔ مہمان کے لیے جان قربان کر دیتے تھے اور اپنے دروازے ہمیشہ آنے جانے والوں کے لیے

کشادہ رہتے تھے۔ اسی لیے ان پہلے لوگوں کو ایمان کے لیے چنا گیا کہ وہ بخیل نہیں تھے۔ آج بھی اہل ایمان کو اگر اپنا ایمان پرکھنا ہو، اعمال، نماز اور عبادات سے نہیں۔ یہ تو ضروری کام ہیں جو ہر مسلمان نے کرنے ہوتے ہیں لیکن اگر آپ کو اپنا ایمان پرکھنا ہو تو یہ دیکھ جانے کی کوشش کیجیے کہ آپ بخیل تو نہیں؟ آپ بداخلاق تو نہیں؟ اس لیے کہ اسلام کے اعمال کی بنیاد آپ کے اندرونی ایمان کی مضبوطی پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پڑھنے تعلیم کرنے کا کیا فائدہ کہ ان کی ہدایات اور اخلاق کے قرینے آپ کے دل پر نہ اتریں، چہ ایسا ہو کہ تم پر بھی وہ قانون لاگو ہو جائے۔ قرآن کہتا ہے بعض کہ یہ ایک دوسرے کی نقالی اور دنیاداری کی طلب میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ حق سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے جدا رہے۔

خواتین و حضرات! اسی مضمون پر بات ہے۔ سادہ، آسان اور مختصر بات حضور اکرم نے فرمائی ہے کہ سخی اللہ، جنت اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے اور بخیل اللہ، جنت اور لوگوں سے دور ہوتا ہے۔ اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں فرمایا پھر سن لیجیے اپنے رسول کا قول، بار بار کہ سخی اللہ، جنت اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے اور بخیل اللہ، جنت اور لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے مگر جب Categonse کرتے گئے تو عبادت والے بخیل کے لیے رسول اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جاہل سخی بخیل عابد سے زیادہ محبوب ہے۔

خواتین و حضرات! جب علم عملیت سے دور اور اعمال طبیعت سے دور ہو جائیں تو آپ کو کبھی اسلام کی سمجھ آئے گی اور نہ ایمان سمجھ آئے گا۔ اصحاب رسول کا زمانہ توازن اور اعتدال کا زمانہ تھا۔ آج آپ تاریخ عالم اٹھا کے دیکھ لیجیے کہ اتنا معتدل معاشرہ، اتنا معتدل انسان، اتنا معتدل پیغمبر اور اتنے معتدل Followers کسی بھی زمانے میں نہیں گزرے۔

خواتین و حضرات! یہ اعتدال اور توازن اعمال سے نصیب نہیں ہوتا۔ اعمال ظاہر ہے نماز آپ نے بھی پڑھنی ہے میں نے بھی پڑھنی ہے۔ روزے رکھنے ہیں۔ جو کچھ اللہ نے کہا ہے وہ پورا کرنا ہے مگر اس کے بعد آپ کا کام ختم نہیں ہو جاتا۔ اس کے بعد ہی تو مطابعت رسول شروع ہوتی ہے۔ اس پر اخلاق کا نظام بند نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ کچھ Questions ایسے ہیں کہ اللہ کے رسول نے اٹھائے ہیں جو بدنی نہیں ہیں یہ ذہنی ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل سے اللہ کے رسول نے فرمایا کہ اے معاذ تو جانتا ہے کہ اللہ کا بندے پر کیا حق ہے۔ فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔ ذرا اس جملے کو دیکھ لیجیے۔ آج تک کسی صحابی نے یہ نہیں کہا کہ اللہ ہی خالی جانتا ہے۔ کسی صحابی نے نہیں کہا یہ بات بلاشک وشبہ ہے کہ اللہ ہی سب کچھ جانتا ہے۔ مگر آپ اصحاب رسول کا Response دیکھ لیجیے کہ جب بھی ان سے پوچھا گیا کہ کیا ایسے ہے تو جس صحابی نے بھی جواب دیا اس نے یہی جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ اس لیے کہ ہمارے علم کی Information اور Source سوائے اللہ اور اس کے رسول کے اور کوئی بھی نہیں ہے۔ ہم اللہ کو رسول کے توسط سے جانتے ہیں۔ ہم اللہ کو رسول کے وسیلے سے جانتے ہیں۔ اگر رسول نہ ہوتے تو پھر اللہ کو جاننے والا کوئی نہ ہوتا۔ پھر شاید اللہ کو خود زمین پر اترنا پڑتا۔ دوسری مرتبہ اللہ نے کہا کہ اگر ہم ان پر ملائکہ اتار دیتے تو پھر تم پر حجت تمام نہ کرتے۔ رسولوں کے آنے کی سب سے بڑی وجہ رحمت یہ ہے کہ رسول آنے کے بعد اور پیغام پہنچا دینے کے بعد بھی انسان کو موقع دیا جاتا ہے مگر جب ملائکہ اتر جائیں تو پھر انسان کو کوئی دوسرا Chance نہیں دیا جاتا اور

اس کے باوجود کہ ملائکہ اترے۔ انسانوں نے سرکشی کی اس کے باوجود خدا سامنے تھا۔ اس کے باوجود کہ ملک سامنے تھے۔ جنات سامنے تھے پھر بھی ابوالبشر سے غلطی ہوئی تو خدا کے سامنے ہونے سے ملائکہ کے سامنے ہونے سے حجت تمام ہو جاتی ہے۔ اللہ کے رسول آنے کی سب سے بڑی وجہ رحمت یہ ہے کہ ان کے آنے کے بعد بھی انسانوں کی خطا کے Chance رہتے ہیں۔ انسان غلطیاں کرتے رہتے ہیں اور اللہ ان کو معاف کرتا رہتا ہے۔

خواتین و حضرات! حضرت معاذ سے اللہ کے رسول نے پوچھا اے معاذ تو جانتا ہے کہ اللہ کا بندوں پہ کیا حق ہے۔ فرمایا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ اس کی ذات میں کسی کو شریک نہ کریں۔ پھر پوچھا یہ بھی پتا ہے کہ بندوں کا اللہ پہ کیا حق ہے تو معاذ نے کہا یا رسول اللہ ہم تو نہیں جانتے آپ ہی جانتے ہیں تو فرمایا کہ اگر کوئی اللہ اور اس کے رسول کو جانے اور اللہ کو وحدہٗ لاشریک جانے تو پھر اللہ پہ بندوں کا یہ حق ہے کہ وہ ان کو عذاب نہ کرے، آگ نہ دے۔ یعنی بندوں کا بھی یہ حق ہے کہ وہ اپنے اللہ کو ذہنی اور قلبی طور پر وحدہٗ لاشریک مانیں۔ مگر خواتین و حضرات! آپ دیکھیے کہ آپ کے معاشرے میں کیا ہوتا ہے۔ میں ایک استاد کی حیثیت سے جانتا ہوں کہ جو آتا ہے مجھے کہتا ہے کہ میرا رزق کسی نے بند کر دیا ہے، شادیاں بند کر دی ہیں، ترقیاں بند کر دی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ دوسرا عالم ہے خدا کو رخصت کر دیا گیا ہے اور تمام وہ کام جو اللہ کرتا تھا اب جادوگروں کے سپرد ہو گئے ہیں۔ تعویذ گنڈوں کے سپرد ہو گئے ہیں۔ یہ کوئی ایمان نہیں ہے اور رب کعبہ کی قسم اس کو آپ کسی قیمت پر بھی اسلام نہیں کہہ سکتے۔ اللہ کے احکام میں مداخلت اس کے Absoluteness میں مداخلت ہے۔ جس کو اللہ کسی قیمت پر گوارا نہیں کرتا۔ اپنے ایمان کو اس قسم کے ناقص اعتبارات سے ضائع نہ کیجیے۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول مبارک ہے کہ اللہ کی حکومت میں، اس کے افعال میں، اس کی کارگزاری میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کیا جائے تو پھر آپ کا اللہ پر یہ حق ہے کہ اللہ بھی آپ کو کبھی عذاب نہ کرے۔ کبھی دوزخ کی صورت نہ دکھائے۔

خواتین و حضرات! بہت سارے علماء کی آپ نے باتیں سنی ہوں گی۔ بہت سارے علماء ڈراتے ہیں لوگوں کو پریشان کرتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر عذاب کی وعید دیتے ہیں۔ علماء کی باتیں سنو تو ایسے لگتا ہے کہ امت مسلمہ میں سے کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ ایسے لگتا ہے کہ گنہگاروں کی کوئی بقا باقی نہیں ہے۔ آخر جو انسان اپنے آپ کو جانتا ہے وہ اپنے آپ کو خطاکار کی حیثیت ہی سے جانتا ہے۔ پھر علماء آپ کو وہ حدیث نہیں سناتے جس میں آپ کا فائدہ ہو، عوام کا فائدہ ہو، ایک عام مسلمان کا فائدہ ہو اس لیے کہ انہوں نے تو اپنی تمام تر سیادت کی بنیاد ہی آپ کے اعمال پر رکھی ہوئی ہے۔ آپ کو اعمال کی باتیں سنا سنا کے انہوں نے مغموم کر دیا ہوا ہے۔

جب آپ اسلام میں داخل ہوتے ہیں تو اسلام کے احکامات اور اعمال لازم ہیں۔ مگر ان اعمال میں آپ سے کوتاہی ہو سکتی ہے مگر پیارا پروردگار عالم بھی ان ساری کوتاہیوں کی بنا پر آپ کو صرف جہنم کے عذاب سے روشناس کراتا ہے۔ ذرا حدیث مبارک حضرت انس بن مالکؓ کی سنیے مستند ترین حدیث کہ معاذ بن جبلؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سواری پہ بیٹھے تھے ایک تو انس بن مالکؓ اور پھر معاذ بن جبلؓ یعنی دو واسطے بزرگ ترین اصحاب کی روایت سے سنیے آپ نے فرمایا اے معاذ حالانکہ پیچھے بیٹھے تھے مگر یہ انداز تخاطب تجاہل عارفانہ ہے کہ پیچھے بیٹھے تھے لیکن یہ پوچھا جیسے

انہیں احساس دلا رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انداز بہت خوبصورت ہیں بہت ہی خوبصورت۔ بڑے سے بڑا ادیب بھی اس طرز ادا کو نہیں پہنچ سکتا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا فرمایا اے معاذ انہوں نے کہا حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فرمانبردار ہوں کہ میں آپ کے پاس ہی تو ہوں اور آپ کی اطاعت کے لیے میں کوشش بھی کر رہا ہوں حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میں آپ کا فرمانبردار ہوں۔ دوسری دفعہ پوچھا پھر پوچھا اے معاذ فرمایا حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کا فرمانبردار ہوں کہ جو بات آپ مجھے عطا کریں گے جو لفظ آپ مجھ سے کہیں گے، جو حکم آپ مجھے ارشاد فرمائیں گے، میں ہر حال میں اس کی تقلید و تابعداری کروں گا اور اسے آگے پہنچاؤں گا۔ یہ جو تخاطب تھا ظاہر ہے کہ قریب بیٹھے ہونے کے باوجود دو مرتبہ پوچھا کہ اے معاذ جو بات میں اب کہہ رہا ہوں یہ فیصلہ کن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تو کہیں اسے بھول جائے۔ فرمایا جو بندہ اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں تو اللہ اس پر جہنم کو حرام کر دے گا۔ بہت سادہ سا Faith تھا۔ ایک کہنے کی بات تھی ایک ذہن نے تسلیم کرنا تھا کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اس کے بندے ہیں تو ایک دم سے سارے اعمال ہی نکل گئے سارے اعمال بیچ میں سے نکل گئے حضرت معاذؓ اتنے خوش ہوئے کہ پھولے نہ سمائے۔ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لوگوں کو اس کی خبر دوں وہ بڑے خوش ہوں گے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ معاذؓ کو بھی پتا تھا کہ لوگ بڑے خوش ہوں گے۔ لوگ تو ابھی ڈر رہے ہیں۔ لوگ تو بیچ کے لوگوں کی وجہ سے ڈر رہے ہیں۔ لوگ تو علمائے مفت اور فقہائے جرم کی وجہ سے ڈر رہے ہیں۔ تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگ تو بڑے خوش ہوں گے یہ بات سن کر ایک ذہنی اور ایک قلبی اعتبار پہنچتا ہے اللہ کی طرف سے یہ خوشخبری تو بڑی ہے تو فرمایا اچھا رہنے دو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تکیہ کر لیں، ایسا نہ ہو کہ اعمال کرنے سے ترک کر دیں۔ ایک نہایت Important بات اس حدیث کے آخر میں یہ ہے کہ پھر معاذ نے گناہ سے بچنے کے لیے موت سے پہلے اس حدیث کو بیان کیا۔

خواتین و حضرات ذرا ملاحظہ فرمایئے کہ موت سے پہلے صرف گناہ سے بچنے کے لیے کہ اگر وہ بات جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی اور وہ بات جو ذہنی اعتبار اور قلبی اعتبار پالا ہوا ہے اور جس میں کسی اور چیز کا ذکر نہ ہو اور میں نے چھپائی اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات لوگوں تک نہ پہنچائی اور یہ امانت علم و عقل لوگوں تک نہ دی تو میں گنہگار ہوں گا اور موت سے پہلے گناہ سے بچنے کے لیے حضرت معاذ نے یہ بات لوگوں تک پہنچائی

خواتین و حضرات جیسے میں نے آپ سے پہلے کہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی مرتبت نے جو اخلاق قوانین بیان کیے ہیں ان میں بدترین اخلاق کی چیز نفاق ہے۔ نفاق دل کی تقسیم کو کہتے ہیں منافق اس کو کہتے ہیں جس کا دل تقسیم ہو اور جب اس کا دل تقسیم ہو تو دنیا کو دین پر غلبہ حاصل ہو اس کو نفاق کہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ حضرات آج جو سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ اہم بات کر رہے ہیں تو میرا خیال یہ ہے کہ سننے کا صرف ایک فائدہ ہے کہ ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ وہ کیا باتیں تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتائیں اور وہ کیا باتیں ہیں جن کو ہم اپنے دل میں اتار کر اس فسق و فجور اور نفاق سے بچ جائیں جس سے بدترین جرم کوئی

نہیں۔ اللہ نے کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ منافق جہنم کے بدترین حصے میں ہے اور نبی یا پیغمبر نے کوئی بات نہیں چھوڑی۔ آپ کو اس کی واضح طور پر نشانیاں بتا دیں جب ہم اپنی زندگیوں کو دیکھیں گے اور ان نشانیوں کو پائیں گے تو ہمیں پتا چل جائے گا کہ ہم منافق ہیں یا نہیں ہیں۔ فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹی کرے۔

خواتین و حضرات! Scandals are too common amongst us یعنی جب بات کرے Scandalise کرے۔ جھوٹی کرے۔ جب معاہدہ کرے کبھی پورا نہ کرے یہ تین نشانیاں ہیں منافق کی۔ جب بات کرے جھوٹی کرے۔ جب معاہدہ کرے تو کبھی پورا نہ کرے۔ جب امانت لے تو ہمیشہ خیانت کرے۔

خواتین و حضرات! One should be very careful۔ اب ذرا تھمتا ایک بڑی خوبصورت بات آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتا دوں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہم سے بھی مذاق بھی فرماتے ہیں تو اصولاً آپ نے دیکھا ہوگا کہ مذاق میں مصدقہ بات نہیں ہوتی بلکہ لوگ ایک دوسرے کو خوش کرنے کے لیے بہت ساری باتیں ملا دیتے ہیں۔ تو ابوہریرہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی آپ ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں، مذاق فرماتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں حق کے سوا کبھی کچھ نہیں کہتا یعنی میرا مذاق بھی سچائی پہ مبنی ہوتا ہے۔ میں کسی کو خوش کرنے کے لیے بے ربط بات نہیں کرتا۔ میں کسی کی خوش طبعی کے لیے جھوٹ نہیں بولتا بلکہ میرا مذاق بھی مکمل سچائی پر مشتمل ہوتا ہے۔ فرمایا میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔

خواتین و حضرات! ہمارے معاشرے میں ستاروں پہ اعتبار کرنا اور Astrology سیکھنے کی بات بہت عام ہے۔ اس علم کو سیکھنے کی حد تک کوئی برائی نہیں ہے۔ اگر ذہین لوگوں کو اس علم کی خواہش اور تجسس ہو اور وہ سیکھنا چاہیں تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ جہاں اعتبار کی بات ہے اللہ آپ کو ان چیزوں پہ اعتبار کی اجازت نہیں دیتا۔ آپ ان کو سچ نہ سمجھیں۔ قرآن حکیم نے ان لوگوں کو خراص کہا ہے۔ اٹکل پچو وجو اندازے لگاتے ہیں، تخمینے لگاتے ہیں اور ان میں کسی قسم کی کوئی سچائی نہیں ہوتی ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔ حدیبیہ میں رات کو پانی پڑا تھا۔ بارش ہو چکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو کہا تم جانتے ہو کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے۔ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں میں سے بعضوں کی صبح ایمان اور بعضوں کی کفر پر ہوتی ہے یعنی جب بادل برس چکے، پانی پڑ چکا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے نماز ادا فرمائی لوگوں کو قریب سے جھانکا اور ان کے اعتبارات دیکھے تو فرمایا پتا ہے تمہیں اللہ نے مجھے کیا کہا کہ تم میں سے کچھ لوگوں کی صبح ایمان اور کچھ کی کفر پر ہوئی ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کیوں ہوا فرمایا جس نے یہ کہا کہ پانی اللہ کے فضل و رحمت سے پڑا وہ مجھ پر ایمان لایا اور جس نے یہ کہا کہ یہ بارش مریخ، زہرہ اور قمرین کے اقتران سے ہوئی یا قران سعد سے ہوئی یا قران نحس سے ہوئی۔ جس نے یہ کہا کہ بارش تاروں اور ستاروں کی گردش سے ہوئی وہ کافر ہوا اور وہ ایمان لایا ستاروں پر وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا

خواتین و حضرات! علم علم ہے۔ جاننا اور سوچنا علم۔ مگر اعتبارات اور کسی چیز کو شریک خداوند ٹھہرانا مختلف ہے۔

یہی وہ Delicacies ہیں، یہی وہ اعتبارات کی Delicacies ہیں کہ ہم معقول کو غیر معقول اور اصلی نام کو اس کی ماہیت سے محروم کرنے کی فروگزاشت کرتے ہیں۔ مجھے پتا ہے کہ ہم سب کا ایمان اللہ پر ہے مجھے پتا ہے کہ ہم اہل اسلام اللہ کو مانتے ہیں۔ مجھے پتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتے ہیں۔ لیکن اگر ہم واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلیم و رضا کی منزل سے مانتے ہیں تو پھر آپ کی یہ بات غور سے سننا پڑے گی کہ اپنا اصلی اعتبار، اعتبارات اور عقل و ایمان کی ضائع نہ کرو۔ کسی شخص کو کسی شے کو وہ ماہیت عطا نہ کرو جو اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ بڑی خوبصورت بات ہے۔ یہ تھوڑا سا فرق ہے جو اللہ کے رسول کے سوا آپ کو کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ وہ شخص جس کے دل میں ذرا برابر غرور ہے اور گھمنڈ ہے وہ کبھی جنت میں نہیں جائے گا وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ غرور کسی کا جس کے دل میں ہے۔ جس کے دل میں غرور ہے۔ عبداللہ بن مسعود سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص کبھی جنت میں نہیں جا سکے گا جس کے دل میں غرور ہے۔ اشیاء کا غرور ہے، مکان کا غرور ہے، اولاد کا غرور ہے، کسی شے کا غرور ہے وہ کبھی جنت میں نہیں جائے گا مگر ایک شخص نے بڑا معقول سوال پوچھا ہے یہ سوال وہ ہے جو میں اور آپ بھی پوچھ سکتے تھے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر آدمی چاہتا ہے کہ میرا جوتا اچھا ہو، میرے کپڑے بہتر ہوں، خوشبو لگا کر پھروں تو کیا یہ بھی غرور اور گھمنڈ میں آئے گا کیا اس کی وجہ سے بھی سزا ملے گی فرمایا ان اللہ جمیل ویحب الجمال (مسلم مسند احمد ترمذی) اللہ جمیل ہے۔ اللہ حسین ہے۔ اللہ خوبصورت ہے۔ اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ اچھا لباس اور اچھے جوتے پہننا غرور نہیں ہے، اچھی زندگی بسر کرنا اور اچھا کھانا کھانا غرور نہیں ہے بلکہ غرور یہ ہے کہ جو چیز آپ میں موجود نہیں ہے اس کو Claim کرنا، جو طاقت آپ کی نہیں ہے اس طاقت کو اپنا خیال کرنا، عارضی زندگی کو اپنا سمجھنا، اعتبار کے اقتدار کو اپنا سمجھنا اور دوسرے لوگوں کو صرف اس لیے درگزر کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا اور حق بات کو اس لیے رد کر دینا کہ وہ آپ کو پسند نہیں ہے۔ اصل غرور یہ ہے۔ اچھا جوتا پہننا، اچھا لباس پہننا غرور نہیں ہے۔ میں نے پہلے بھی آپ کو ایک حدیث سنائی تھی۔ یہ وہ حدیث ہے جس کی اس زمانے کے مسلمانوں کو اس کی بڑی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ خطا انسان کے دل میں مایوسی پیدا کر دیتی ہے۔ جب ہم خطا کرتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ اب تو بخشش کا کوئی طریقہ نہیں رہا تو اللہ کی طرف سے پلٹ جاتے ہیں اور گناہوں کے ہاتھ اپنی زندگی کو بیچ دیتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ شیطان ہمارے اندر گناہ کی مایوسی اور یاس کو اتنا بڑھا دیتا ہے کہ ہم اپنی عاقبت کی خوشخبری سے محروم ہو جاتے ہیں یہ حدیث غور سے سنیے متفق علیہ بخاری اور مسلم انس بن مالک سنن ابی داؤد، ابن ماجہ، جامع ترمذی، و نسائی میں متفق علیہ حدیث۔ حضرت ابوذر نے یہ روایت کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو آپ ایک سفید کپڑا اوڑھے ہوئے سو رہے تھے۔ پھر آیا میں تو آپ سو رہے تھے پھر میں آیا تو آپ جاگتے تھے آپ کو جاگتے دیکھا تو میں آپ کے پاس بیٹھ گیا آپ نے فرمایا غور سے سنیے جو لا الہ الا اللہ کہے پھر اسی اعتقاد پر مر جائے جس نے دل سے اور دماغ سے لا الہ الا اللہ کہا اور پھر اسی اعتقاد پر مر جائے تو وہ جنت میں جائے گا۔ تو ابوذر تھوڑی سی ذہنی پیچیدگی میں آئے کہ یہ تو کوئی Total سی Statement دی جا رہی ہے اس میں تو کوئی مکافات نہیں ہیں اس میں کوئی Exceptions نہیں ہیں تو فوراً ایک سوال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا، چاہے وہ زنا کرے، چاہے وہ چوری کرے۔ تین بار پوچھا کیا فرمایا تو تینوں بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چاہے وہ زنا کرے مگر

چوتھی بار جب ابوذر کو اعتبار نہیں آ رہا تھا جیسے آج کل کے ملا کو اعتبار نہیں آتا۔ یہ چیزیں تو ان کے لیے بار ہیں۔ آپ لوگوں کو تو پتہ ہی نہیں ہے کہ اس خطا کار کو بخشش ملی۔ دیا ہی ان کے نصیب میں نہیں۔ جس ہم سے غلطیاں ہو جاتی ہیں ہمارے زمانے سے ہو گئی ہیں جو ہماری پوشیدہ ہیں ان کی تو اللہ نے بڑا چھپا کر رکھا ہوا ہے اور جو ہمارا تمام ظاہر ہو ان کی توبہ ظاہر میں کر رہا ہو اور جو نا شریعت کی زد میں آ گیا ہے اس کی سزا قبول کرنا کہ آپ پاک صاف ہو جاؤ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب چوتھی مرتبہ ابوذر نے کہا چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگرچہ ابوذر کی ناک میں خاک ہے تو ابوذر جب یہ حدیث سنایا کرتے تھے تو ہمیشہ یہ اتنا کہا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابوذر کی ناک کو خاک لگے یعنی تمہاری شرمندگی مانی ناراضی ہو سکے کہ ابوذر تجھے پتا ہونا چاہیے جب میں تجھے جو کہہ رہا ہوں پیارے نبی جیسے میں نے کہا ہے تو تو اتنی بحثیں اتنے سوال کیوں کر رہا ہے وہ سرزنش کا انداز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا کہ چاہے تیری ناک کو خاک لگے جو میں نے کہا سچ ہی ہے۔

سوالات وجوابات

حضور پر اترنے والی وحی کا اختلاف!

سوال: سر ولیم میور نے اپنی کتاب دی لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لکھا ہے کہ جب آپ پر وحی نزول ہوتی تھی تو وہ کہتا ہے وحی نہیں ہوتی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (معوذ باللہ) مرگی کے دورے پڑتے تھے اور عجیب عجیب آوازیں نکلتی تھیں۔ اس کی تفصیل بیان کریں؟

جواب: جیسے اسی طرح پروفیسر میکڈونلڈ نے بھی رسول اللہ ﷺ کے بارے میں Psychopathic ہونے کا دعویٰ کیا مگر ایک بات اس کی ثبات سے Objectively کسی درجے تک تحقیق چاہیے تھی۔ میرا خیال یہ ہے کہ Objective Sciences میں MRI اور CT Scan کے ذریعے جو کروڑ بار مرگی والے انسان ہیں ان میں سے کسی نے قرآن نہیں سنا اور پروفیسر میکڈونلڈ نے علامہ اقبال کو لکھا کہ Prophet was a psychopath تو اقبال نے اس سے کہا دیکھو

If he was a psychopath we need such psychopaths

تو تمہاری دنیا کو ایسے بیماروں کی بڑی ضرورت ہے مگر آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ مرگی کا دورہ زندگی میں جب بھی پڑتا ہے وہ Functional inability create کرتا ہے۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ کی زندگی میں تادم آخر Disability کا کوئی حوالہ نہیں ملتا ہے Secondly اگر آپ مرگی کے اصول جانتے ہوں تو یہ Brain اور Veins میں Clotting ہوتی ہے جو Brain کی طرف جا رہے ہوتے ہیں اور Vision میں بڑا فرق پڑتا ہے۔ مرگی کے مریض کو خاص طور پر T.V نہیں دیکھنے دیتے۔ اس کا Light سے بڑا فرق پڑتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری

زندگی روشنی میں رہے۔ آپ نور تھے اور نور میں رہے۔ کسی نے ان کے بارے میں جو مرگی کا الزام رکھا ہے، اگر یہ مرگی کے دورے ہوتے تو Hundred Great Men کی کتاب میں جو وہ مغربی دانشور Historians نے مرتب کی، انہیں یہ تو لکھنا چاہیے تھا کہ مرگی کا یہ مریض تمام انسانوں میں اعلیٰ ترین قدر و منزلت کا مالک ہے۔ اگر یہ مرگی ہوتی تو یقیناً وہ یہ کارلائل جب Prophet as a Hero کا انتخاب کر رہا تھا تو اس کا اپنا پیغمبر تو عیسیٰ علیہ السلام تھا مگر اس نے کہا کہ کسی فرد واحد نے انسانی نسلوں اور معاشروں پر اپنی تربیت کا اتنا گہرا اثر نہیں چھوڑا جتنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا ہے اور میں جب Heroes کا ذکر کرتا ہوں تو تمام پیغمبروں میں میرے ہیرو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سوچئے کہ کوئی بے بنیاد بات ہو اور کسی پر کوئی اتہام رکھنا آسان ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات تحقیق طلب ہے کہ جس شخص نے یہ اعتراض کیا اس پر خود کوئی نہ کوئی دورہ پڑا ہوگا۔

نور اور بشر کی بحث کا پس منظر!

سوال: نور و بشر کیا ہے اور ان کی نوعیت کیا ہے؟ اور ایمانی قبولیت کے لیے مسئلے کے بغیر کیا فرق پڑتا ہے؟

جواب: نور و بشر کے حوالے سے میں آپ سے بات کرتا ہوں لیکن میں اس سے پہلے آپ کو اس کا پس منظر بتاتا ہوں۔ برصغیر میں ہمارے علماء کی رغبت کسی تاریخ اور علم پر نہیں رہی۔ ان کی ہمیشہ رغبت چھوٹے چھوٹے معاملات یا اپنے کم علم اساتذہ کے رحم پر رہی۔ بلکہ سب سے بڑا المیہ یہ رہا کہ اگر کوئی گلی کوچے کا چھوٹا سا عالم ہوا تو اسے شیخ العرب والعجم بنا دیا گیا۔ کسی کو شیخ الحدیث بنا دیا گیا، کسی کو شیخ العلم بنا دیا۔ یہ ہمیں عادت جاری رہی ہم نے تمام چھوٹے موٹے اساتذہ کو بانی مذاہب تسلیم کر کے اپنے لیے مصیبت کھڑی کر لی یعنی جب ہم عام سے لوگوں کو یا جب شیخ العرب والعجم کے خطاب سے نوازیں گے تو پھر ہم ان سے سوال کرنے کی ہمت ہی نہیں کر سکتے۔ ہوا یہ کہ سترہویں اٹھارویں صدی میں Clergy اور Secularism میں جنگ شروع ہوئی۔ سترہویں اٹھارویں صدی میں مذہب میں اس جنگ کا آغاز Christianity سے ہوا۔ یہ سوال یورپی مسلمانوں میں نہیں تھا۔ بلکہ یورپ میں تھا۔ سوال یہ تھا۔

Whether God is energy or God is matter?

سوال یہ تھا کہ اللہ نور ہے یا مادہ ہے۔ ایک معترض یہ کہتا تھا کہ اگر اللہ نور ہے تو اس سے مادے کا اجراء کیسے ہے اور یہ نہیں ہونا چاہیے اور اگر اللہ مادہ ہے تو اس سے نور کا اجراء نہیں ہو سکتا۔ اس وقت یہ سوال مادیت، سیکولرازم اور مذہب کے موضوعات کے ساتھ ساتھ ہماری یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ہمارے Academic ماحول میں آیا۔ سترھویں اٹھارھویں صدی میں یہ سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ مذہبی علماء Clergy، پریکٹیکل سائنٹسٹس کے ساتھ اس موضوع پر لڑ رہے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ فکر یہ سوال کہ اللہ نور ہے یا مادہ اللہ کی طرف جانے کے بجائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف موڑ دیا گیا کہ رسول اللہ نور ہیں یا بشر۔ اب آپ سوچئے کہ ہوا یہ جب 18th Century میں آئن سٹائن آیا تو اس نے وہ مسئلہ حل کر دیا اور یورپ میں جو نور بشر کا جھگڑا شروع ہوا تھا وہ ختم ہو گیا کیونکہ جب اس نے E=Mc square کا فارمولا دیا اور Relativity دی کہ Mass کو Energy اگر بہت تیز رفتاری سے 1,86000

Miles per Second کی رفتار سے گزارا جائے تو مادہ نور میں بدل جائے گا۔ اس سے ایک اصول پیدا ہوا کہ تمام مادہ ایک Condensed Energy ہے۔

You have to pass it through with a high speed of 186,000 miles per second.

کی رفتار سے گزارا جائے تو یہ مادہ نور میں بدل جائے گا The same is true کوئی وجود، وجودِ مادہ نہیں ہے۔ تمام وجود نور ہے۔ زمان و مکان میں مادہ نور کی Distant صورت میں ہے اور کسی بھی وقت یہ توانائی میں بدل سکتی ہے۔ یہ عظیم مثال آپ کے سامنے ہے اور اس کی Shape بدل سکتی ہے۔ جب یہ عالم Simplest Level پہ سائنس کے روبرو آتی ہے تو پھر اس مسئلے کو مذہب کے ناقص ترین علما کیا Comments کیے جا رہے ہیں۔ حقائق یہ بتاتے ہیں کہ کوئی مادہ نہیں بلکہ تمام اجسام نور یا اجسام توانائی کی شکل ہے۔ اب آپ دوسری طرف آئیے کہ نور کا الٹ بشر ہے۔ قرآن حکیم میں "اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور، والذین کفروا اولیئھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمت، اولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون O" (البقرۃ آیت ۲۵۷) اب اگر آپ اس سوال کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی مرتبت کے سامنے ایک Natural صورت میں رکھیں ایک تو آپ تخمینے سے ماورا بات کر رہے ہیں۔ معاذ اللہ استغفر اللہ اب بشر کی جگہ ظلمت جو نور کا متضاد لفظ ہے۔ تو کیا آپ یہ سوچتے ہیں۔ کیا یہ سوال کی قیمت پہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں Discuss کیا یا پوچھا جا سکتا؟

تکبرات سے بچنے کی سبیل!

سوال جب ہم چھوٹی چھوٹی نیکیاں کرتے ہیں تو تکبر آ جاتا ہے اور وہ Guilt بن جاتا ہے۔ اس سے بچنے کے لیے کیا کیا جائے؟

جواب قرآن حکیم نے تزکیۂ نفس کو فرض کہا ہے۔ خالی تزکیہ کو فرض نہیں کہا۔ یہ حقیقت ہے کہ جب تک علم بڑھتا ہے اس وقت تک آپ کو نیکی سے بھی تکبر کا خطرہ رہتا ہے۔ مثال کے طور پر Human Services ہیں۔ اگر آپ تصور کریں Differentiate کریں کہ آپ Human Services کو نیکی کیوں کہتے ہیں آپ انسانی جذبات کو کیوں نیکی کا درجہ دیتے ہیں اور آپ کیوں یہ سمجھتے ہیں کہ اندھے کو سڑک پار لے جانا آپ کو کیوں سارا دن یاد رہتا ہے۔ اور ہر جگہ اس کا کیوں ذکر کرتے ہیں۔ ایک روپیہ کسی کو دے دینا کسی کی مدد کر دینا تو Generally آپ اوقاتی Categorise کر رہے ہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مسلمانوں کا مسلمانوں پہ حق ہے اور وہ صدقات ہیں۔ اگر آپ ہر کام کو اس کی حیثیت اور نوعیت سے دیکھیں تو پھر آپ سے بنیادی فرائض میں شامل ہو جاتا ہے۔ مشکل تو یہ ہے کہ ہم ہر کام کو نیکی میں لے جاتے ہیں۔ ہر شعبے میں مبالغہ اتنا ہے کہ ہم ہر اتنا کہ سب کام بنا دیتے ہیں۔ بہر حال اللہ کے کرم اور مہربانی سے ہم مسلمان ہیں اور اللہ نے ہمیں دوزخ سے نجات بخشی ہے۔ ہمیں مبالغے سے بچنا چاہیے اور ان چھوٹی چھوٹی نیکیوں پر بہت زیادہ اترانا نہیں چاہیے۔ خواتین و حضرات ہم اس مبالغے کو علم سے رفع کر سکتے ہیں۔ ہمیں یوں سمجھنا

چاہیے کہ ہم فقط اللہ کی توفیق سے یہ کارِ خیر سرانجام دیتے ہیں۔ ورنہ ہم تو اس قابل ہی نہیں ہیں کہ نیکی کا کوئی تصور ہم سے ہو سکتا ہو۔ جب ہم اپنی حیثیت کو محسوس کریں گے تو ہمارا ہر کام چھوٹا ہو جائے گا اور ہم متکبر نہیں بنیں گے یا ہم ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جو رات دن جانوروں کی خدمت کرتے ہیں۔ اگر ہم National Geographics کو دیکھیں تو ہمیں معلوم ہو کہ وہ لوگ کہاں کہاں پہنچتے ہیں اور خدا کی مخلوق کے لیے کن سمندروں میں غوطے لگاتے ہیں لیکن دوسری طرف وہ اتنے فاسق ہیں کہ قتل و غارت کی وارداتیں لیے پھرتے ہیں لیکن مسلمان کے نزدیک اس کی بڑی سے بڑی نیکی کا اجر اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا ہے کہ خدا اس کی خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور یہی مسلمان کی سب سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔

فرقہ بندی کا ذمہ دار کون اور سدباب کیا ہے؟

سوال مسلمانوں میں فرقہ بندی کا ذمہ دار کون ہے اور اس کا علاج کیا ہے؟

جواب یہ تو مجھے نہیں پتا کہ فرقہ بندی کا کون ذمہ دار ہے۔ لیکن یہ تو ایک تاریخ ہے جو مجھے ابتدا سے اسلام سے شروع کر کے پچھلی صدی جہاں سے Islamic Litrature کی تقسیم شروع ہوئی تھی قرآن و حدیث کی ایک بات آپ سے کرنا چاہتا ہوں قرآن میں اللہ نے فرمایا یعنی جن لوگوں نے دین میں فرق کیا اور اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے بہتر معزز اور اعلیٰ و ارفع سمجھا اور ایک گروپ بن گئے اور اپنے مخصوص انداز کے رنگ ڈھنگ ٹوپیوں، مسلکوں، مسجدوں اور داڑھیوں سے اپنی شناخت اور پہچان کرانے لگے اور ایک گروپ اور فرقے میں بٹ گئے۔

اے پیغمبر آپ ان میں سے نہیں ہو۔ یہ ایک نہایت واضح آیت ہے جس کی روشنی میں ہمیں ایک اچھا Follower ہونے کے لیے صرف ایک ہی Title استعمال کرنا چاہیے اور وہ مسلمان کا ہے یا ہمارے لیے صرف مسلمان ہی رہنا کافی نہیں ہے؟ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ پہلے اللہ کا کہا مانو اور میرا کہا مانو اور اگر تمہارے امراء اور بادشاہ خدا پرست نہ ہوں اور وہ اس قابل نہ رہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ بدکار اور فاسق ہوں تو تم کم از کم تمام فرقوں سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اپنے گھروں میں بیٹھ جاؤ اور اس بازار فتنہ و فساد سے الگ ہو جاؤ اس میں تمہاری فلاح اور نجات ہے خواتین و حضرات قرآن و حدیث میں بھی ایک متفق علیہ بات ہے کہ تم فرقہ وارانہ اختلافات اور فتنوں سے علیحدہ رہو اور تمہاری صرف اور صرف مسلمان کی تشخیص ہو میری دعا ہے کہ اللہ ہمارا اسی پر اختتام فرمائے کیونکہ ہماری نجات اسی میں مضمر ہے۔

سورہ فاتحہ کا قرآنی پس منظر

سورۃ فاتحہ کے بہت سارے نام ہیں۔ اس کا سب سے معقول و مشہور نام سبع مثانی ہے۔ حضورؐ نے اس پر تفاخر کا اظہار کیا کہ مجھے اللہ نے سبع مثانی عطا فرمائی۔ ام الکتاب کا مطلب ہے کہ اگر خلاصہ کتاب پایا جائے اور پورے قرآن حکیم کے مقاصد کو سمجھا جائے، سوچا جائے، تو وہ سورہ فاتحہ سے بیرون نہیں ہے۔ یوں سمجھئے کہ جب ہم کسی مضمون کا خلاصہ تیار کرتے ہیں تو قرآن کا خلاصہ سورہ فاتحہ ہے۔ اس سے متعلق جو ایک واحد کسی ذہن میں اضطراب پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کتاب کا حصہ ہے کہ نہیں ہے؟ بظاہر یہ کام بے ضرر سا ہے مگر یہ ایک ذہنی اپروچ ہے۔ سورہ فاتحہ کتاب کی اپروچ کو واضح کرتی ہے۔

اب اس میں بڑا عجیب سا سوال یہ ہے کہ سورہ فاتحہ ختم ہوتی ہے تو پہلی آیت شک و شبہ سے شروع ہوتی ہے "الم ذلک الکتاب لا ریب فیہ" (البقرۃ ۱-۲) سوال یہ ہے کہ کیا سورۃ فاتحہ پڑھنے والا اس دوسری آیت پر آسکتا ہے جس سے کہ اصل قرآن شروع ہو رہا ہے؟ یا یہ ممکن ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنے والا پھر قرآن کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھے یا یہ فہم کرے کہ "الم ذلک الکتاب لا ریب فیہ" تو کہنا بظاہر ٹھیک نظر نہیں آتا کہ وہ بندہ لوگوں سے توثیق حاصل کرے۔ صاف بات ہے کہ اس پہلی آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ بلا شک و شبہ اس کتاب پر یقین کریں بلکہ یہ ہے کہ آپ کے دل اور دماغ میں اگر کوئی شک ہے تو وہ اس کو نکال دیں۔ اس بات میں اتنا یقین ہے۔

اب جو واحد متضاد خیال آتا ہے کہ فاتحہ پڑھنے والا یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ قرآن حکیم میں شک و شبہ ہے کہ نہیں؟ اب اگر زمانہ حاضر کے تمام فلاسفروں کو دیکھا جائے تو ایک عجیب بات نظر آتا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے خدا کے خلاف سو فیصد باتیں کی ہیں یا خدا کو تسلیم کرنے کی باتیں کی ہیں، انہوں نے خدا کے بارے میں سوچا ہی نہیں۔ اگر میرے پاس ایک ذریعہ ہو۔ میں اس پر غور کر رہا ہوں اور اس کوشش میں ہوں کہ خدا کو جاننے کے لیے مجھے کون سا اپنانا ضروری ہے؟ اصولاً بطور طالب العلم مجھے تمام مذاہب کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ مجھے سوچنا پڑے گا کہ مذہب جو دعویٰ کر رہا ہے کہ میں خدا کا رستہ ہوں اور میں انسان کے شعور میں خدائی بیدار کرتا ہوں تو کم سے کم مجھے تمام مذاہب عالم کا دل سے مطالعہ کرنا ہوگا Over All مذہب کے ساتھ مطابقت اس کی نہیں بنتی ہو۔ یونہی کوئی بھی عقلمند آدمی ایک چانس اسلام کو ضرور دے گا۔ یہ تکمیل مذاہب کا دعویٰ قرآن اور مذہب اسلام کر رہا ہے۔ ایک نیچرل سٹوڈنٹ کو یہ ہوگا۔ چاہے وہ عیسائی ہی کیوں نہ ہو کہ وہ مذہب کے مزید مطالعے سے نہیں رکے گا۔

اسی طرح یہ ہوتا ہے جب وہ اپنے آپ کو تربیت کا موقع اور اپنے علم پر اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے اور وہ

بنا نہیں بلکہ قرآن کو مانتا ہے۔ اپنے مذہبی اعتقاد پر قائم ہے۔ الیکٹرک کی جگہ پر انہیں ان چیزوں کا پتا نہیں جو اس کو شارٹ آف نارمیشن تک ترقی دے رہی ہیں۔ دوسری طرف آپ سائنسدان کو لیجیے۔ بڑے بڑے قابل سائنسدان، جو اعلیٰ ترین سائنسی تحقیقات کرتے ہیں۔ ان سے ایک سوال پوچھنا ہوتا ہے کہ تم لوگوں نے 40, 35, 30 برس ایک سائنٹفک مضمون کی ریسرچ پر لگا دیے ہیں۔ تم لوگوں نے جو یہ کوشش کی ہے اس کی محنت سے آگاہی پائی۔ ایف ایس سی، بی ایس سی، ایم ایس سی کی، جو آپ کو مزید تحقیق میں مددومعاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ لیکن جب آپ مذہب کے بارے میں ایک رائے دیتے ہیں تو کیا ہوتا ہے؟ آپ نے وہی 40,35 سال تک کوئی سائنسدان یہ تصدیق کرسکتا ہے کہ اس نے 20,15 سال بھی اسی دقیق نظری اور اتنی گہرائی سے مذہب کے مطالعہ میں گزارے؟ کیا اسی نظر، پیمانے اور اسی معروضی معیار اور تجزیاتی عقل سے اس نے مذہب کا مطالعہ کیا؟ پتا لگتا ہے کہ نہیں کیا؟

سائنسدانوں میں دو عمومی خوف پائے جاتے ہیں۔ یہ عام خیال سمجھا جاتا ہے کہ مذہب سائنٹفک معروضیت پر پورا اترے گا بھلا کیوں نہ اترے گا؟ اور آپ پہلے سے متردد اور خوفزدہ ہیں کہ مذہب گھڑا گھڑایا عقیدہ ہے، محض کہانی، روایت اور اساطیر الاولین ہے۔ چہ جائیکہ آپ مذہب کو معروضی طور پر سمجھنے کی کوشش کریں گے؟ اور آپ کیسے مذہب کے بارے میں مہربان ہوں گے؟

میں ایک آزاد منش انسان کی حیثیت سے سمجھتا ہوں کہ میری تمام تر آزادی میں مذہب حائل ہے اور مذہب سائنسی و معروضی معیار پر پورا نہیں اترتا تو مجھے اس پر کیونکر یقین کرنا چاہیے؟ میں نے دیکھا کہ سائنسدان جب مذہب کی طرف آتا ہے، تو وہ غیر منصفانہ احتیاط کرتا ہے اور غیر منصفانہ تعمیم کرتا ہے۔ اس لیے کہ اپنے آپ کو معروضی کہلاتے ہوئے اور مذہب کو اس معروضیت کے معیار سے ماورا سمجھتے ہوئے اس کے پاس کوئی چارہ نہیں کہ وہ مذہب سے ہاتھ دھو بیٹھے یا مذہب کو تسلیم کرے لیکن مذہب کو ماننے کے لیے اسے اندھا عقیدہ کھڑا کرنا پڑتا ہے جبکہ عرصہ دراز سے زمانے نے یہ دیکھا ہے کہ مذہب کے لیے اندھے عقیدے سے زیادہ خطرناک شے کوئی نہیں۔ وہ جو صاحب مذہب ہے وہ عقل وشعور کو دعوتیں دیتا ہوتا ہے اور صاحبان عقل وشعور اندھا دھند اعتقاد کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔ چنانچہ فلاسفر اور سائنسدان دونوں مذہب کے تصور کے ساتھ مناسب انصاف نہیں کر سکے۔

اب مذہب کی طرف سے دیکھتے ہیں۔ مذہب کی طرف سے رسوم و رواج یا جو عبادتی رسوم ہیں وہ اہم ہیں۔ بدقسمتی سے آج کے زمانے میں مذہب کو ان تمام Occults کے ساتھ ملا دیا گیا ہے جو زمانے نے اپنی جہالتوں کی وجہ سے مذہب سے فرار حاصل کرتے ہوئے پیدا کیے تھے۔ یہ تو مذہب کی توہین ہے کہ جس چیز کو مذہب پوری طرح مسترد کرتا ہے اور جس چیز کے خلاف مذہب زمانے میں آیا ہے آپ اسی چیز کو مذہب قرار دیتے ہیں۔ یہی تضاد آج کل کے زمانے میں روحانیت اور تصوف میں ہے۔

تصوف جو انسان کے خدا کے ساتھ تعلق کا خصوصی علم ہے اس کو انہوں نے عجیب و غریب تصورات اور اعتقادات کا مجموعہ بنا کر اور اس کو رومانیت کا نام دے کر ان دونوں کو ایک کر دیا اور یہ داستان چھوڑ دی کہ ہر مذہب میں روحانیت ہو سکتی ہے ہر مذہب میں تصوف ہو سکتا ہے۔ اگر ایسے ہے تو موجودہ زمانہ یا 100 سال سے سسکتی، لاچار اور بے آسرا انسانیت کو

سکتیں سے کوئی ایسے پائے کا صوفی نیوٹن نہیں ملا جس نے اس کی کائنات سنواری ہوتی۔ اس کے رستے استوار کیے ہوتے۔ اس کی تحقیقیں درست کی ہوتیں۔ اس کے برعکس ہم نے دیکھا کہ انسان جب تکمیل عقل پر پہنچا یا یوں کہیے، جب عقل اپنی بے پناہ پیچیدگی کے نشتر پر پہنچی، تو ہم نے یہ دیکھا ہے کہ عقل زیادہ Occultist ہوتی جا رہی ہے۔ ایک طرف تو اس نے تحقیق اور تجسس میں ہی بار ذرے ذرے کا جگر چیرا مگر یہ تم حیران ہے کہ جس کی حیرانی نہیں جاتی۔

دوسری طرف وہ مذہب کو اپنی زندگی میں محض اس لیے رسم و رواج کے طور پر قائم رکھے ہوئے ہیں کہ وہ اپنی ذات کے خوف کا سامنا نہیں کرتے۔ وہ اپنے سائنٹفک ذہن ہونے کے باوجود اپنی بنیاد کے مسائل کا سامنا نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ مذہب کو اپنے دل اور دماغ کی داخلی کمزوریوں کی خصوصی تلافی کے طور پر زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔

اس صورت میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خدا کو ماننے کے دو رستے ہیں۔ اس میں پہلا رستہ یہ ہے کہ خدا کو مان کر اسے چیک کیا جائے اور ایک رستہ یہ ہے کہ خدا کو نہ مان کر خدا کے اعتبار تک آیا جائے۔ لہٰذا میں کہوں گا کہ چونکہ قرآن عامی اور خصوصی سب کے لیے ہے، تو وہاں جو اصول قدیم ہیں وہ تسلیم کے بعد شک و شبہ کی گنجائش چھوڑتے ہیں کہ جو ایک خاص یا کوئی فرد ہو گا، جیسے ابراہیم تھے، وہ جب اعتبارات شروع کریں گے تو وہ انکار سے اقرار کو آئیں گے۔ تمام اعلیٰ پڑھا لکھا ذہن انکار سے اقرار کو آتا ہے اور یا پہلے سے تسلیم کر کے تجسس کی نفی کرتا ہے۔ عمومی ذہن اتنا پیچیدہ نہیں ہوتا یا عمومی زندگی میں اس کے پاس اتنا وقت اور اتنا مطالعہ نہیں ہوتا۔ اتنی تعقل اور سب سے بڑی علم کے لیے بے چینی نہیں ہوتی۔ اس لیے خدا نے اسے ایک اپروچ دی ہے کہ مجھے مانے اور مجھے آزمائے۔ میرا انکار کرے اور مجھے ڈھونڈے۔ یہ دونوں رستے علیحدہ علیحدہ ہیں۔

س: الحمد بنیادی اپروچ بھی ہے اور بنیادی اپروچ میں بھی پہلا قدم جیسے "الحمد للہ رب العٰلمین" الفاتحہ آیت ۱ ہے۔ اس لحاظ سے بڑی اہم ہے کہ یہ تمام انسانیت انسان کا تو رب ہے۔ اور آج کے زمانے میں بہترین انسان بھی اپنی زندگی کا خود وارث ہو، جیسے میں اپنا رزق خود کماتا ہوں تو خدا اسے اس پہلی آیت میں ہی بتاتا ہے کہ ربوبیت ایک جنس کو مہیا نہیں ہے۔ تو غلطی کرتا ہے جب اپنے رزق کا اپنے آپ کو وارث قرار دیتا ہے۔ اگر وہ کل کائنات دیکھ کر یہ نہیں سوچتا کہ باقی کا رزق کون دیتا ہے؟ ظاہر ہے کہ تم نہیں دیتے۔ اگر انسان باقی اشیا کو رزق مہیا نہیں کرتا تو ایک موٹی سوچ یہ بھی سوچنے پر قادر ہے کہ یہ بہت بڑی کائنات ہے۔ اس میں جمادات ہیں۔ متحرک اشیا اور جاندار ہیں اور بے جان بھی ہیں۔ ہر چیز کا متعلقہ رزق ہے۔ اگر انسان کا رزق اس کے معدے سے منسلک ہے، تو فرشتہ تو نہیں کھاتا۔ فرشتے کا کچھ اور رزق ہوگا۔ جن کا رزق اگر دھواں اور ہڈی ہے، تو وہ انسان کا رزق تو نہیں ہے۔ ان سے بھی بالا آپ آئیں تو سورج کا رزق اٹھارہ ہزار ایٹم ہیں جو ایک ثانیے میں وہاں جلتے ہیں۔ اس کو حرارت دیتے ہیں اور اس کی پرت سے حرارت ہوتی ہے۔ زمین پر زندگی اور نشوونما کا باعث بھی ہے۔ سورج کا رزق کون مہیا کر رہا ہے؟

پھر اس چاند کو دیکھیے جو ایک بجھے ہوئے چراغ کے علاوہ کچھ نہیں۔ جو اندھیرے اور تاریک غاروں پر مشتمل ایک اندھا سیارہ ہے جس کے ریزہ ذرات چمکتے ہیں کہ وہ سورج کی روشنی لے کے پوری کائنات کو منور کرتے ہیں۔ اس چاند کے نصیب کا رزق سورج کی پڑی ہوئی قرمزی شعاعوں میں ہے جسے منعکس کر کے وہ دنیا کو خوبصورت چاندنی اور

حسن دیتا ہے۔ فرض کیجیے موت کا رزق زندگی ہو، تو پھر بھی موت کا یہ حق ہے کہ پیٹ بھر کے کھائے۔ ساری دنیا ایک آدمی اندھا اور بہرا ہو، اور اسے انکار نہ کیا جائے، تب بھی اس کے لیے یہ گنجائش نکلنی چاہیے کہ جب موت آئے تو وہ بھی بیٹھ کے کھا لے۔ زندگی اور تمام کائنات کسی نہ کسی رزق پر قائم ہے۔

جہاں مسئلہ ہے وہاں رزق ہے اور وسائل اس کے رزق کو متعین کرتے ہیں۔ اس لیے رزق کی ایک متعین اور محدود تعریف اللہ کو پسند نہیں ہے۔ وہ کائنات میں رب العالمین ہے۔ عالمین کتنے ہیں؟ ان کی جہتیں کتنی ہیں؟ ان کی ابعاد کتنی ہیں؟ اس کا فروغ کتنا ہے؟ ان کی دنیائیں کیا ہیں؟ قربانیاں کیا ہیں؟ یہ سب اللہ کے علم میں ہیں۔ کسی چیز کا رزق حرارت ہوتی ہے اور کسی چیز کا ٹھنڈا ہونا ہے۔ کسی چیز کا رزق ہوا ہے، تو کسی کا آگ ہے۔ اللہ نے ہر چیز کو اس کا مناسب رزق عطا فرمایا ہوا ہے۔ ربوبیت واحد ایسی کوالٹی ہے، جس کو خداوند کریم بغیر کسی تعصب کے شو کرتا ہے۔ یہ وہ کوالٹی ہے جو کافر کا بھی حق سمجھا جاتا ہے اور مومن کا بھی حق سمجھا جاتا ہے۔ بری کا سمجھا جاتا ہے، تو نیکی کا اور جنتوں کا بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس معاملے میں پورا کاروبار عام کیا ہے۔ ربوبیت میں وہ مشروط نہیں ہے۔ ربوبیت میں وہ بالکل حقیقی ہے۔ اس تخلیقیت میں کسی قسم کی کوئی شرط نہیں ہے۔ کسی قسم کی عبادت یا تعلق کا مطالبہ نہیں۔ توجہ کی طلب نہیں ہے۔ خدا ربوبیت میں تنہا، اکیلا، لاتعلق اور بے نیاز ہے۔ اس لیے کہ یہ کام وہ بغیر کسی عرض کے کرتا ہے۔ بغیر کسی مطلب، انتقامی حسن، کسی بدلے اور بغیر کسی جنت اور جہنم کے کرتا ہے۔ وہ اس کوالٹی کو سب سے زیادہ ممتاز سمجھتا ہے اور قرآن شروع کرنے میں سب سے پہلے اس نے جس کوالٹی کا ذکر کیا ہے، وہ رب العالمین ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے دوست کو رزق دیتا ہے، تو اپنے دشمن کو بھی دیتا ہے۔ خیر خواہ اور بد خواہ دونوں کو دیتا ہے تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ وہ اللہ ہی ہو سکتا ہے الحمد الله رب العلمين۔

اب آپ دیکھتے ہیں کہ آگے "الرحمن الرحیم" ہے، "مالک یوم الدین" ہے۔ یہ اس کے رحمان اور رحیم میں کسی قسم کے تعصبات نہیں ہیں۔ "وکتب علی نفسه رحمة" دنیا اور جہان کی تخلیقات کو پیدا کرنے سے پہلے ہم نے اپنے اوپر لازم قرار دے دیا کہ ہم ان پر رحم فرمائیں گے۔ اس رحم میں ہر چیز شریک ہے۔ خدا وہ ہے کہ جو بے پناہ جبر کو سہنے والی جبری کے ساتھ قیامت کے دن انصاف لائے گا۔ رحمن اور رحیم میں انصاف ہے۔ خدا اپنے اوپر بھی انصاف لاگو کرتا ہے۔ اس کی مہربانی، مروت اور کریمی ابتدا رحیم کے رحم پر مشتمل ہے۔ اسی لیے ان دونوں لفظوں کو علیحدہ کر کے مفسرین یہ کہتے ہیں کہ خدا "رحمن الدنیا ورحیم الاخرة" ہے۔ دنیا میں وہ رحمن ہے۔ دنیا سے گزر جانے کے بعد اس کی مخلوق کو اس کے زیادہ رحم کی ضرورت پڑے گی، تو وہ بالخصوص رحیم ہے۔ آخرت میں بالخصوص اللہ اپنے کرم اور اپنی نوازش سے ایسے لوگوں کو بھی معاف کرے گا، جن کو اپنی بخشش کا کوئی یقین نہیں ہے۔ اگر رحمن الدنیا ایک عنصر ہے، تو اس کا دوسرا رحیم الاخرت ہے۔ جو شخص اللہ کے بارے میں یہ مان رکھے کہ وہ ظالم یا سخت ہے، اس کو چاہیے کہ سورہ فاتحہ پڑھے اور یہ دیکھے کہ اللہ نے قرآن شروع کیا اور اپنے بارے میں تعارف کا عندیہ دیا تو سب سے پہلے یہ کہا میں تمہاری ربوبیت میں کسی قسم کے تعصبات سے کام نہیں لیتا۔

دوسرا یہ کہا میں ہر حال میں تم پر رحم کرنے والا ہوں۔ اس کے بعد کسی بندے کے لیے کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ

وہ تھامس ہارڈی کی طرح یہ کہے کہ

We are like flies in the hands of God and he kills us for his support.

ہم خدا کے ہاتھوں میں مکھیوں کی مانند ہیں اور ہمیں اپنے شغل کے لیے مارتا رہتا ہے۔ وہ تو تخلیق ہی ہمیں رحم و کرم کے لیے کر رہا ہے۔ اسے ہمیں اپنے شغل میلے کے لیے مارنے کی کیا ضرورت ہے؟ انسان کی یہ سوچ بڑی ناقص ہے۔ اللہ جو اپنے آپ کو بیان کرتا ہے، وہ حق کرتا ہے۔ وہی سچا ہے اور سچائی اسی کے نام سے زندگی اور وجود پاتی ہے۔ ہم تک جتنے سچائی کے تصورات ہیں، یہ ہمارے ذہن میں جلال اور اقدار سے مرتب ہیں جو اللہ نے سچائی کے ساتھ وابستہ کی ہیں۔

یہ بات یاد رکھیے کہ تمام اقدار اقدار رحمت ہیں اور خدا ان کے ساتھ خصوصیات منسوب نہ کرتا۔ یہ جو میں سچ کو سچ مانتا ہوں، اخلاق کو اخلاق اور رحم کو رحم گردانتا ہوں اور رحم کو رحم تسلیم کرتا ہوں تو یہ اس کے طفیل اور بخشے ہوئے تصور کے تحت ہے؟ ورنہ اگر تو یہ ہے کہ اگر آپ چند لوگوں کو بھی بیماریوں سے نجات چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ان کو گولی مار دو، قتل کردو۔ ظاہر ہے قابل ملامت سمجھتے ہیں۔ اگر انسان پر رحم و کرم کے معاملے چھوڑ دیے جاتے تو انسان کی اپنی توجیہات بہت ہی مختلف ہوتیں جو ہمارے پاس کانسپٹ ہیں۔ جنہیں ہم روحانی اقدار کہتے ہیں۔ Cosmic اور اسپیشل ویلیوز کہتے ہیں، یہ ساری کی ساری مذہب سے جاری ہوتی ہیں

آگے ہے مالک یوم الدین، دین کہتے ہیں پورا پورا بدلہ۔ پورا پورا بدلے میں انصاف ہوتا ہے۔ ایک وہ ہوتا ہے کہ خدا اپنی طرف سے بدلہ دیتا ہے لیکن انصاف تو پورا پورا ہوگا۔ ایک ایک لمحے کا، ایک ایک وقت کا، ایک ایک گھڑی اور ایک ایک فعل کا۔ دین سے مراد یہ ہے کہ اگر تمہاری کوئی خوبی جو زمین کی تہوں میں چھپی ہوئی ہے، اس دن اللہ تعالیٰ تمہیں نکال کے دے گا اور دکھائے گا کہ تمہارے تصور کی کوئی نیکی بھی میں نے ضائع نہیں کی۔ اسی لیے فرمایا "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ" (الزلزال آیت ۷-۸) کہ ذرہ ذرہ تمہارے خیر کا حساب کرتا ہوں اور ذرہ ذرہ تمہارے شر کا حساب کرتا ہوں چنانچہ کوئی انسان کے پاس اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے۔

انسان اپنے افعال کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ تمام دنیا میں جو آدمی خدا سے انکار کرتا ہے لامحالہ اپنے افعال کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ اس کو یہ حق نہیں بنتا کہ وہ کہے کہ اللہ نے میری قسمت اور میرے نصیب میں لکھا تھا۔ اس سے پوچھیں، جب تو اللہ کو مانتا ہی نہیں۔ اگر اللہ کو مانتا ہوتا تو پھر ہو سکتا ہے اس بات کا رونا کہ میں تو تجھے مانتا ہوں، تو نے میرا نصیب ہی ایسا لکھا ہے۔ جو مانتا ہی نہیں ہے کہ اللہ نے اس کا نصیب لکھا ہے، اس کا کیا حق ہے یہ کہنا کہ اللہ نے میرے مقدر میں یہ لکھ دیا ہے؟ ایک ملحد کا کیا حق ہے، جو خدا کو ایک زوال پذیر قدر سمجھتا ہے یا پرانے دور میں بنے ہوئے سائنس کی گپ شپ سمجھتا ہے۔ اس کا کیا حق ہے یہ کہنا کہ اللہ نے میرے مقدر میں یہ لکھا ہے؟

یہ اس کا حق تو بنتا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میری زندگی کا مقصد خدا نے بنایا ہے۔ جو اپنی موت و حیات کا مالک اپنے پروردگار کو سمجھتا ہے۔ وہ اگر کہے کہ اللہ تو نے میرے مقدر میں خرابی کیوں یا اچھائی لکھ دی ہے تو اس کا حق بنتا ہے لیکن نہ ماننے والے کا حق، انکار کا حق نہیں بنتا کہ وہ کہے کہ اللہ نے میرے مقدر میں یہ لکھ دیا ہے۔ وہ ہمارے لوگوں کے ساتھ صرف بحث کے لیے یہ جملہ استعمال کرتے ہیں۔ جبر و قدر کی تمام بحثیں اسی لیے ناقص ہیں کہ بالعموم یہ

باتیں وہ زیر بحث لاتے ہیں جو خدا میں یقین اور اعتقاد نہیں رکھتے اور دوسروں کو کنفیوز کرنے کے لیے یہ بحث کرتے ہیں۔

اب اللہ نے فرمایا ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ اگر کوئی خدا کو مانتا ہے تو اس کو یہ پتا ہونا چاہیے کہ یہی اصلی توحید ہے۔ اگر اتنا بڑا مددگار، اتنا بڑا داتا آپ کے پاس موجود ہے۔ اتنا مہربان موجود ہے۔ یعنی رب رحمٰن و رحیم اور حساب والا موجود ہے اور آپ کسی دوسرے سے مدد مانگو تو اس سے بڑی نادانی کوئی ہو سکتی ہے؟ جو اپنے معاشرے کو دیکھیے تو آپ کو پتا ہے کہ الحمد سے انحراف کتنا عام ہے۔ اس پروردگار سے انحراف اس قدر ہے کہ آدمی ذرا ذرا سی بات پر کہتا ہے کہ تعویذ نے میرا پیشاب بند کر دیا۔ تعویذ نے میرا معدہ بند کر دیا۔ تعویذ نے میرا سانس بند کر دیا۔ یہ تعویذ میری موت کے لیے ہے۔ یہ میری زندگی کے لیے ہے۔ جادو ہو رہا ہے۔ سحر ہو رہا ہے۔ عامل پیچھے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ تمام ہوش ربا باتیں جو ایک معیار کے پہنچنے سے پہلے ساری کی ساری فکری فراست جادوگر کے ہاتھوں میں آئی ہوئی ہے۔ یہ کوئی مذاق ہے؟ آپ خدا میں یا اس حد تک یقین رکھتے ہیں؟ آپ کو پتا ہی نہیں الحمد میں یا حمد میں کہہ رہا ہے کہ ربوبیت میری ہے۔ رحمت میری ہے۔ انصاف میرا ہے۔

ان تین قدروں سے نکل کر جب ان کا مالک کسی اور کو سمجھ لیتے ہیں۔ جب اپنا رزق بند کرنے اور کشادہ کرنے والا انسان بنا لیتے ہیں حالات و واقعات کو اپنا قرار دیتے ہیں یا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ رحمت اگر آپ کو لوگوں سے نصیب ہو گی اور خوشامد اور لوگوں کی صفت پذیری میں آپ زندگیاں گزار دیتے ہیں۔ اسی طرح جب آپ انصاف کے لیے کسی غیر مخلوق اور غیر خدا سے رجوع کرتے ہیں تو پھر آپ کا اعتقاد شروع ہی سے ناقص ہو جاتا ہے اور آپ خدا میں ایمان نہیں رکھتے

اھدنا الصراط المستقیم پر آتے ہیں۔ تمام مسائل اور خطرات اور تمام عدم توازن کے تصورات کے مقابلے میں اب خدا آپ کو ایک روشنی دینے کی کوشش کر رہا ہے جس میں ہم نے رستہ ڈھونڈنا ہے اور رستہ بھی ایسا ہے سراب میں سے ڈھونڈنا ہے کہ جس کی انتہا کوئی نہیں ہے۔ ایسے صحرا میں جس میں آگے جانے والے پاؤں کا کوئی نشان نہیں ہے۔ اس صحرا میں کوئی نخلستان نہیں ہے اور کوئی چشمہ نہیں ہے۔ اس لق و دق صحرا میں ایک غریب الوطن اجڑا ہوا مسافر رستہ ڈھونڈ رہا ہے۔ پھر آپ اس رستے کے ڈھونڈنے میں کتنے خوف زدہ ہیں، کتنے پریشان ہیں۔ ایک ڈر آ گیا اور ایک ڈر ہے جو آپ کے سینے میں اٹھتا ہے۔ وہ ڈر اس چیز کا ہوتا ہے؟ کاش میرا کوئی قائد ہوتا۔ کوئی میری رہنمائی کرتا۔ کاش صحرا کے چنگل سے مجھے کوئی رستہ دکھا دیتا

اللہ کہتا ہے ضروری تو نہیں، سب کو یہ مل جائے۔ سب کو فتح مل جائے۔ ضروری تو نہیں ہے کہ ہر جگہ اللہ کا کوئی بندہ بیٹھا ہو، مشعل راہ دکھا رہا ہو۔ خدا کہتا ہے میں تو ہوں نا۔ میں ہوں نا۔ اھدنا الصراط المستقیم تم سب لوگوں کا حق ہے کہ مجھ سے صراط مستقیم مانگو۔ کیوں؟ اس لیے کہ تمہیں صراط مستقیم دکھانے والا کوئی نہیں بلکہ "ان ربی علیٰ صراط مستقیم" (ہود آیت ۵۶) تمہارا رب ہی سیدھے رستے پر ہے اور اس نے سیدھے سیدھے رستے کا تعین کیا۔ اسی نے سیدھے رستے کے نشان منزل بنائے ہیں۔ اسی نے اس میں نخلستان اگائے ہیں۔ یہی آپ کو ایک سے دوسرے چشمے تک پہنچا رہا ہے۔ یہی زمانوں کی اقدار کو الٹ پلٹ کر رہا ہے اور ہر زمانے کی بے چینی اور اضطراب اور ہر زمانے کے سلوک کے

مطابق آپ کو پیغمبری دے رہا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی زمانے میں وہ مسئلہ دیکھتا ہے تو پیغمبری اس مسئلے سے مربوط طور پر متعلق ہوتی ہے۔ جو شخص بھی اس وقت اس زمانے میں نازل فرمانے کا یا جس شخص نے بھی اس زمانے میں ہدایت اور علم کی تعلیم دینی ہے اس شخص کو اسی مسئلے کے مطابق پیغمبری کے اوصاف عطا ہوتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے کہا "واتبعوا ماتتلوا الشیطین علی ملک سلیمان وما کفر سلیمان ولکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر" کہ سلیمان نے کفر نہیں کیا مگر جو اس زمانے کے لوگ تھے، وہ شیاطین کی مدد سے جادو، تعویذ، سحر کے معاملات میں الجھ کر خدا کا انکار کرتے تھے۔

اللہ نے دوبارہ تاکید کر کے کہا کہ "وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت و ماروت" (البقرۃ ۲-۱۰۲) کہ ہم نے ہاروت ماروت کو کفر سکھانے کے لیے نہیں بھیجا تھا، بلکہ وہ دراصل لوگوں کے ایمان کے لیے ایک فتنہ اور آزمائش بن گئے تھے۔ وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ خدا کے لیے ہماری طرف مت آؤ۔ ہمارا علم مت سیکھو۔ کیونکہ یہ سحر، یہ جادو، یہ تعویذ کاری تمہیں خدا کے اختیارات سے ناامید کر دے گی اور تم غلط ارتکاب کرو گے۔ فرشتے کسی کو بھی سحر سکھانے سے پہلے یہ جملہ تواتر سے بولتے تھے "وما یعلمان من احد حتی یقولا انما نحن فتنۃ فلا تکفر" (البقرۃ ۲-۱۰۲) کہ لوگو ان تعلیمات کی طرف تعویذوں اور جادو کی طرف نہ جاؤ۔ بے اختیاری کو نہ جاؤ۔ خدا کی حکمت عالیہ میں تصرف کوئی شخص کوئی بندہ نہیں رکھتا۔ جو کوئی بھی شخص ایسی کوشش کرے گا، وہ جھوٹا اور کافر ہو گا۔ اس لیے تم ان چیزوں کی طرف نہ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم غلط ارتکاب کر بیٹھو۔

وہ سکھاتے کیا تھے؟ "فیتعلمون منھما مایفرقون بہ بین المرء و زوجہ" شوہر اور بیوی کے درمیان فرق ڈالنا، تعویذ محبت، تعویذ بغض، تعویذ ہاں، تعویذ ناں، یہ تمام کے تمام تعویذات اس وقت جادوگر جاری کیا کرتے تھے کہ میاں بیوی میں فرق پیدا ڈالتے ہیں۔ محبتوں میں لوگوں کو قید کیا کرتے ہیں۔ نفرتیں بھی ابھاری جاتی ہیں۔ یہ سب تعویذ کرنے والوں کے کام اور شوق ہوتے ہیں۔ یہ غرض ہے اور خداوند کریم ایک اور ہدایت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ تعویذ کا کیا اثر ہے اور تعویذ ماننے اور نہ ماننے کا کیا اثر ہے۔ تو پروردگار عالم فرماتے ہیں "ویتعلمون مایضرھم ولا ینفعھم" (البقرۃ ۲-۱۰۲) تم ایسی بات کیوں سیکھتے اور پڑھتے ہو، جس کا فائدہ ہے نہ نقصان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے، جو اعتبار کرے گا، اسے نقصان ہونا شروع ہو جائے گا۔ جو اعتبار نہ کرے گا اس کو کچھ بھی نہیں ہو گا۔

یہ تمام وہم اور وسوسے کے علوم اس زمانے میں اتنے ترقی پذیر تھے۔ خاص کر ہم جو قدیم کا زمانہ دیکھتے ہیں کہ وہاں اعلیٰ ترین تعلیمات شمسی اور جدول شمسی بننا شروع ہوا۔ سب سے پہلے اسی زمانے میں سورج، زمین، چاند، زمین کے تواتر کا آغاز ہوا۔ اور یہ جسے آسٹرالوجی کہتے ہیں، جو آسٹرونومی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی، اسی زمانے میں اسے اتنا بڑا علم کہا جاتا تھا۔ اس کے بارے میں بڑی کہاوتیں مشہور تھیں۔ طرح اسی زمانے میں حضور گرامی مرتبتؐ نے فرمایا کہ پیغمبر کو یہ علم شناخت منزل کے لیے عطا ہوا۔ پھر جس کی لائن اس سے مل گئی، وہ تو ٹھیک ہے اور باقی تمام دو نمبر چونا لگانے والے اور خراص ہیں۔ خراص کہتے ہیں، جو محض اندازے لگاتے ہیں۔ اسی لیے دوسری حدیث ملتی ہوئی کہ جس شخص نے یہ کہا کہ یہ جو

بارش بھی کسی سیارے ستارے کی وجہ سے ہوئی ہے، اس نے کفر کا ارتکاب کیا اور جس نے یہ کہا کہ بادل ہمارا اللہ برساتا ہے اور اللہ کی وجہ سے ہوتی ہے اس کا ایمان سلامت ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں ستاروں کی پرستش بڑی ہوتی تھی۔ بتوں کے لوگ نام رکھ کر ان کو دیویاں بنا دیتے تھے اور ان سب کی خدا کے نام پر پرستش ہوتی تھی۔ شرک اس کو کہتے ہیں، جب اللہ کی مطلق طاقت میں کسی کو شریک کر دیا جائے۔ یہ بات یاد رکھی جائے کہ غار والے کافر نہیں، مشرک تھے۔ انہوں نے خدا کے معاملات کو بانٹ کر بہت سارے دیوتا پیدا کیے ہوئے تھے۔ جیسے بعل ہے۔ بعل کوئی نیا دیوتا نہیں تھا۔ بعل اپالو کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو شام اور یونان سے چلتی ہوئی اندر آئی اور یہاں آ کے اپالو کے بجائے بعل ہوئی۔ اسی طرح یونان کی شہوات کی دیوی وینس ہے۔ یونان میں آ کے وہ Aphrodite تھی۔ روم میں وہ وینس ہوئی۔ عرب میں آ کے اشتعار کہلائی۔ اشتعار کی پرستش ملکہ سبا کے ملک میں ہوتی تھی۔ سورج اور اشتعار کا گہرا ساتھ ہے۔ اپالو اور ڈیانا، اپالو اور وینس کی پرستش ہوتی تھی۔ یہ تمام بت پرستی ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح منسلک ہے، جس طرح ہمارے ہاں سلسلہ ہائے نسب ہیں۔ جس طرح ہمارا نام اپنے نسب سے منسلک ہے اسی طرح پیچھے چلتے جائیں اور بت سے منسلک ہے۔ یہاں کے انڈیا کے بت نئے نہیں ہیں۔ اگر آپ ایک انجنی کو دیکھیں، جیسے یونان کا کیوپڈ اندھا دیوتا ہے، جو محبت کا دیوتا ہے اور اس کے پاس سونے کی کمان ہے۔ ہندوستان کا جو دیوتا مدن اور منوہر ہے وہ بھی اسی شکل کا ہے۔ اندھا ہے اور اس کے ہاتھ میں پھولوں کی کمان ہے۔ سو یہ جو دیوتا ہیں، جو ایک جگہ سے سفر کر کے شوقیہ اگلی طرف چلے گئے۔

اسی طرح جب سینا سے گزرتے ہوئے بنی اسرائیل نے دیکھا کہ لوگوں نے بڑے خوبصورت بت بنا کے چاندی اور سونے کے اپنے مندروں میں سجا رکھے ہیں۔ اس بے وقوف قوم نے، جو آج اپنے آپ کو سب سے سمجھدار سمجھتی ہے، حضرت موسیٰ سے کہا کہ کیوں نہ ہم بھی اپنے خدا کا ایک بت بنا کر اس کے قریب سے پوجا کریں۔ چنانچہ یہ رسم و رواج بت پرستی بھی ایک چھوت کے مرض کی طرح ایک سے دوسرے کو لگتی چلی جاتی ہے۔ اس کے تمام معاملات تاریخ سازی ایک ہوتی ہے۔ خداوند کریم نے اسی لیے اس میں بڑی تخصیص کی ہے اور سورہ فاتحہ اس ایک حق کو ظاہر کرتی ہے کہ نیکی اور بدی، مدد کا، عبادت کا، "**لامعبود الا الله لا مقصود الا الله**" اللہ کے سوا زندگی کا کوئی مقصود نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مقصود نہیں ہے۔ یہی خدا رب کریم اپنے آپ کو اس معنی میں بالکل اکیلا رکھتا ہے۔

اگرچہ ہمارے پاس اس بات کی شہادت موجود ہے کہ سجدۂ تعظیمی آدم کو فرشتوں نے کیا مگر تعظیمی سجدے اور عبادت کے سجدے میں بہت بڑا فرق ہے۔ تعظیم کے سجدے میں حرکت محبت ہوتی ہے جبکہ عبادت کے سجدے میں اخلاص اور اس میں کسی قسم کے دوسرے الہ کا شریک نہ ہونا ہوتا ہے۔ اسی لیے لا الٰہ الا اللہ کا بنیادی کلمہ بیانی کلمہ ہے۔ یہ سادہ کلمہ نہیں ہے۔ اس میں الا اللہ تک پہنچنے سے پہلے آپ کو لا الٰہ بنانا پڑتا ہے اور الا اللہ کہنے سے پہلے آپ کو کسی بھی غیر خدا کو مسترد کرنا پڑتا ہے۔ بظاہر یہ سادہ سا کلمہ لگتا ہے مگر اس میں غور و خوض کرتے ہوئے بس ہو جاتی ہے۔ تب آپ نہیں جا کر خدا تک پہنچتے ہیں اور محمد رسول اللہ تک پہنچتے ہیں۔ مجھے ایک لڑکے نے سوال کیا کہ اللہ کو میں کیسے پاؤں؟ تو میری مجلس سے ایک شخص نے کہا کہ ہم نے انہیں محمد رسول اللہ کی وجہ سے پہچانا۔ اس نے آگے سے غلط کہا، میں نے اللہ کو

نہ مانوس تھا تو اس کی دی ہوئی رسالت کو کہاں سے مانوس تھا۔

تو بنیادی بات یہ ہے کہ آپ اس اللہ پر کتنا اعتبار اور کتنا ایمان رکھتے ہیں؟ آج کل مذہب کی سب سے بڑی خامی یہ ہو رہی ہے کہ مذہب ایک سر کٹے بدن کی طرح ہے جس میں خدا کی محبت، خلوص، طلب اور اس کی ہم آہنگی کی خواہش قطعی موجود نہیں ہے۔ صرف لوگ رسم و رواج میں عبادات کو مذہب کا خاصہ سمجھتے ہیں۔ اسی میں ایک آسائش پیدا کر لیتے ہیں۔ اس سے میتھوڈسٹ Methodist مولوی پیدا ہوتا ہے جس کو اللہ کی مرضی کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ جب اس کے دل میں اللہ کا حسن نہیں ہوتا تو وہ بندوں کے لیے کہاں سے حسن پیدا کرے گا۔ اگر بیم و رجا اور خوف سے اور اس کی دوری کے خیال سے اس کا دل خدا کی محبت میں نہ دھڑکے گا تو وہ لوگوں کو کہاں سے احساس دلا سکے گا؟ اس وجہ سے مذہب زوال پذیر ہو رہا ہے اور سخت گیر اور انتہائی متعصب لوگ تخلیق ہو رہے ہیں۔ بجائے ان نرم خو اعلیٰ ترین اخلاق کے حامل لوگوں کے جن میں سے ایک شخص بھی جہاں جاتا تھا تو ایک ملک کو اپنے مسلک پر لے آتا تھا۔ آج تک انڈونیشیا اور ماریشس میں کوئی فوج نہیں اتری مگر وہاں مسلمان دیکھ کے ایک دفعہ تو حیرت ہوتی ہے کہ ان کے پاس کون آیا تھا۔ وہ صاحب کردار لوگ، وہ اللہ کو ماننے والے لوگ جدھر بھی گزر گئے، ان کا کلچر ہر کلچر سے اعلیٰ ہو گیا۔ ان کی عادات ہر عادت سے بہتر قرار پائیں، ان کے مشاغل ہر مشغلے سے بہتر ٹھہرے۔ اس لیے کہ خدا نے ان کو تعلیم کا سرٹیفکیٹ دیا ہوا تھا "رضی الله عنهم و رضوا عنه" (البینۃ آیت ۸) اللہ ان سے راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے انہیں تعلیم کا اختیار دے رکھا تھا۔ یہ تبلیغ کے بے مقصد اجتماع نہیں تھے۔ اس لیے حضورؐ نے فرمایا کہ **اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم** (الاحکام للآمدی) کہ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں جدھر جائیں گے، لوگ ان سے ہدایت پائیں گے۔

ایاک نعبد و ایاک نستعین میں انہی لوگوں کے معاملے کی نشاندہی ہے اور اسی کو اللہ نے آگے جاری کیا ہے۔ وہ لوگ اس طرح عبادت کرتے ہیں کہ عبادت میں کسی غیر کا خلل نہیں آنے دیتے۔ اللہ کہتا ہے کہ وہ لوگ جو مجھ سے اس طرح عاشق ہیں کہ کسی غیر کو صاحب مدد نہیں سمجھتے، یہ تھے رسول اور یہ تھے اصحاب۔ آخری آیات انہی لوگوں میں تفریق کرتی ہیں۔ ان لوگوں کا راستہ "اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم" جن پر تو نے انعام یا کرم فرمایا۔ جنہوں نے تیرے پیغام کو حق سمجھا اور تیرے پیغام کو آگے تک پہنچایا۔ جن لوگوں نے راہ راست سے کسی قسم کی ادھر ادھر کی گردش قبول نہیں کی، جن کو شیطان اغوا نہیں کر سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن میں صرف عباداتی تسلسل مراد نہیں ہے، ذہنی تسلسل مراد ہے۔ ایمان کا تسلسل مراد ہے اور نہ کہ ان لوگوں کا راستہ جو منافقت، بے ایمانی، شرک، غضب جیسی چیزوں کا شکار ہیں۔

مجھے ابھی جو تھوڑا سا واسطہ لوگوں سے پڑا، ان کے معاملات اور ان کی سیاست سے تو میں بڑی شدت سے یہ بات دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں کو خیر کے عمل کی پہچان ہی ختم ہو رہی ہے۔ یہ ان لوگوں میں نہیں آتے "اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم" رسول اللہؐ کی حدیث مبارک ہے کہ جنتی وہ نہیں ہے جو چھوٹے موٹے مغالطوں میں ملوث ہے بلکہ جنتی کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ خیر اور شر کے معاملوں میں تمیز نہیں کرتا۔

سوالات و جوابات

خدا ایک وہم ہے یا حقیقت؟

سوال میں محبتِ رسول کو تو تب مانوں کہ خدا کو مانوں۔ آپ کے پاس خدا کے ہونے کی کوئی پختہ دلیل یا ہے؟

جواب بڑا معقول سوال ہے کہ میری تمام زندگی اسی سوال کے حل میں گزری ہے اور میں یقین کرنے سے پہلے بے یقین تھا۔ میری خوش قسمتی کہ میں کسی معاملہ میں یقین کو اپنا اعتبار نہ دوں۔ میں فطرتاً باغی تھا۔ میں سوچتا تھا کہ یہ ہے ہو سکتا تھا کہ میں بڑا عاقل ہوں، ذہین و فطین ہوں، دانشور ہوں تو یا اللہ مجھ سے کم ہے اور میرے پاس انکار کے لیے دلائل موجود ہیں تو یا خدا کے پاس اپنے اثبات کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ یقیناً ہے۔ عرصے سے تمام لوگوں نے یہ سوال کیا کہ علم ایک Continuity ہے اور آپ یہ سوال کرتے ہوئے اس دائرہ علم پر فائز ہوں، جہاں ایک مقتدی ہوتا ہے تو آپ کو اس سوال کا جواب دیا جا سکتا ہے اور دلیل دی جا سکتی ہے۔ اگر آپ متقی ہوں، مخلص ہوں، جاننے کی آرزو ہے، غور فکر آپ کا شیوہ ہے تو پھر یقیناً آپ اس دلیل تک ضرور پہنچیں گے، جو اللہ نے اپنے لیے مقرر کر رکھی ہے۔ میں آپ کو جواب دے سکتا ہوں کہ میں نے اپنی تازہ ترین کتاب مقدمۃ القرآن میں صرف خدا کی دلیل واحد کو پیش کیا ہوا ہے اور اس کتاب کو پڑھنے کے بعد آپ کو خدا پرستی کی دلیل کی مزید کاوش ہو تو میں پھر حاضر خدمت ہوں گا۔ کیونکہ یہ ایک طویل Chapter ہے لمبی بحث ہے اور یہ ایک کتاب کی شکل میں ہے۔ اس کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا مذہب وہم ہے موسوس ہے یا حقیقت ہے۔ کیا مذہب ضرورتِ انسان ہے یا ہمارا Escape۔ کیا مذہب افیون ہے جو ہمیں کارزارِ زندگی سے غافل کرتا ہے۔ یا واقعی کوئی خدا ہے کہ نہیں ہے۔ علم کیا ہے اور عالم کون، عقل کیا ہے اور عاقل کون۔ میں آپ سے ایک جوابی سوال پوچھتا ہوں کہ ہماری زندگی کا دارومدار اگر ہماری اسی زندگی کے ستر اسی سال پر ہو اور خدا نہ ہو اور ہمیں یہی ستر سال کی زندگی بسر کرنی ہو تو پھر ہم خدا کو کیوں مانیں؟ اپنی زندگیوں پر پابندی کیوں لگائیں؟ ہم اپنے آپ کو محدود کیوں کریں؟ نیکی کا کوئی تصور، کوئی فلسفی، کوئی دانشور، مجھے یہ بتائے کہ اگر اللہ نہیں ہے تو میں کسی بھی Cultural Aspect سے کسی ہوئی Advice کیوں مانوں۔ میں Traffic کا کیوں احترام کروں۔ مجھے موقع ملے گا، میں جہاں سے چاہوں نکل جاؤں گا۔ مجھے ضرورت پڑے گی میں شراب پیوں گا۔ مجھے ضرورت پڑے گی میں کوئی دوسرا خطا کروں گا اور فضول خرچیں کرتا پھروں گا جب تک میں پکڑا نہیں جاتا۔ یہی میری منطق ہے۔ عام سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میرے لیے احتسابی قوت کوئی موجود ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ کوئی بالائی قوت موجود ہے جو میری نگران ہے۔ کوئی Alien Master ایسا موجود ہے جو ہمیں ہر وقت نگرانی میں رکھے ہوئے ہے۔ جس کے بارے میں میں نے سنا ہے کہ وہ زندگی اور موت دیتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ قیامت کا مالک ہے اور جنت اور جہنم بھی تقسیم کرتا ہے تو پھر مجھے سوچنا پڑتا ہے کہ کیا مفروضہ یا حقیقت ہے۔ اب آپ خدا

کا نام دیتے ہیں۔ جو آپ اور میری آزادی کا دشمن بھی ہے مگر میرا پالن ہار بھی ہے جو اس نظام ہستی کو چلا رہا ہے وہی خدا ہے۔ میں عقل کی تمام توانائیاں بھی صرف کر دوں، تب بھی اس کے وجود اس کی گرفت اور اس کی رحمت سے انکار نہیں کر سکتا۔ مجھے ان مدعیان عقل و دانش سے شکوہ گلا ہے جنہوں نے جانتے بوجھتے انسانی تجسس کے بنیادی سوال کو بھول بھلیوں میں الجھا دیا۔ اسی تناظر سے مجھے Jason فلاسفی میں [illegible] وائٹ ہیڈ، ہیگل، برگساں اور کانٹ کوئی بڑے کہ انہوں نے جانتے بوجھتے بنیادی سوال کو Diversion میں ڈال دیا ہے یہ ان پگڈنڈیوں پر چل پڑتے ہیں جہاں جا کے انسان کبھی واپس نہیں آسکتا۔ خواتین و حضرات رحمٰن اور رحیم اور رحمۃ اللعالمین میں زیادہ جدائی نہیں ہو سکتی۔ رحمت کے جو مظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے، یہ زمانہ آخر کی حدیثیں ہیں قیامت کا دن ہے۔ حشر کا سامان ہے۔ نفسا نفسی کا عالم ہے۔ ماں بچے میں جدائی ہے۔ زندگی میزان سامنے کھڑی ہوئی ہیں جیسے کوئی سکرات میں ہو، ہر آدمی عجلت میں ہے مگر وہ اس وقت حضور سجدے میں عرض کر رہے ہیں بار بار رو رہے ہیں۔ منت سماجت فرما رہے ہیں۔ "امتی یارب امتی یارب امتی" (ابن ماجہ ج ۳ ص ۵۹) یا اللہ میرے لوگوں کو، میری امت کو عذاب نہ دینا۔ اللہ نے کہا اے محمدؐ جا میں تیری امت کو ضرور بخش دونگا۔ فرمایا پروردگار نے حدیث قدسی ہے کہ میں نے دیکھا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اپنی امت کے لیے بڑے آزردہ خاطر ہیں۔ آپ کو بڑا افسوس ہوتا ہے۔ اب بیتے پندرہ سو برس آپ یہ افسوس کرتے ہیں۔ زمانہ آخر کے ایک دیانتدار کا آپ افسوس کر رہے ہیں ایک امتی کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افسوس فرما رہے ہیں تو فرمایا اللہ نے اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے یہ طے کر دیا ہے کہ تو اپنی امت کی خاطر بڑا آزردہ خاطر ہے تو میں نے بھی عہد کر دیا ہے کہ تیری طبیعت میں آزردگی چھوڑوں گا نہیں۔ میں تجھے پریشان نہیں کروں گا۔ میں یقیناً تیری امت پر مکمل مغفرت اور رحم کی نظر کروں گا تو قیامت کے دن حضور اکرم رحمت اللہ کے حضور حاضر ہوتے ہیں، عرش پر قائم ہیں، مقام محمود پر قائم ہیں۔ اذن طلب ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں پروردگار عالم وہ وعدہ یاد کر کہ تو نے کہا تھا کہ اے پیغمبر میں تیری امت کی وجہ سے تجھے آزردہ نہیں چھوڑوں گا تو میری امت تو بہت ساری نظر آتی ہے۔ فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جا اور جو تجھے اپنا لگتا ہے نکال لا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملائکہ کے ساتھ جاتے ہیں اور امت کے بہت سارے لوگ رہائی پاتے ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر ہوتے ہیں پھر رحمت جوش میں آتی ہے۔ فرمایا اے پروردگار میں دیکھتا ہوں کہ ابھی بھی کچھ میرے لوگ جہنم میں باقی ہیں۔ فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارا بھی وعدہ ہے کہ جو نظر آتے ہیں تو نکال لو۔ پھر جاتے ہیں پھر کچھ لوگ لے کر آ جاتے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہی غم، وہی حسرت، وہی امت، وہی غم وہی غم۔

گناہ صغیرہ و کبیرہ میں فرق!

سوال: آپ نے بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔ مجھے ساری زندگی لوگ عذاب خدا سے ڈراتے رہے آپ نے آج بڑی عجیب سی باتیں کی ہیں۔ آپ مجھے بتاتے کہ آپ نے دو گناہوں کا ذکر کیا ہے کہ بڑے گناہوں سے بچو چھوٹے تو کرو گے ہی۔ یہ بڑے اور چھوٹے گناہ کیا ہیں؟

جواب یہ قرآن حکیم میں لفظ لَمَم سے ظاہر ہے۔ چھوٹے گناہ وہ ہیں جو Temporary, Casual اور Cursory اور جانے والے ہیں یعنی خطا ہوئی، تو توبہ ہو گئی، آپ آگے نکل گئے۔ گناہ پیچھے رہ گئے مگر جب آپ Repeat کرتے ہیں اور احساس زیاں بھی جاتا رہتا ہے وہ گناہ بڑے ہیں۔ قرآن میں ایک اور جگہ اللہ نے فرمایا "والذين اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذكروا الله فاستغفروا لذنوبهم ومن يغفر الذنوب الا الله ولم يصروا على ما فعلوا وهم يعلمون O" (آل عمران آیت ۱۳۵) تو جس چیز پر اصرار [illegible] گناہ چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی۔

خدا کے عرفان کے لیے مدت کا تعین!

سوال آپ نے اپنی تقریر میں کہا ہے کہ خدا کو جاننے کے لیے وقت نکالیں۔ اگر ایک بنیادی ڈگری لینی ہو تو اس میں بھی کم از کم دو سال لگ جاتے ہیں۔ خدا کو جاننے کے لیے کتنا وقت نکالیں؟

جواب میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کیا وجہ ہے کہ Ph.D کے لیے تو آپ 30 سال وقت دے دیتے ہیں اور اتنی بڑی کائناتی حقیقت کے لیے تین سال بھی نہیں دیتے۔ یہ مجھ پر سوال کرنے کے بجائے اپنے آپ سے سوال کریں کہ ایک دنیاوی روزگار اور ترقی کے لیے آپ تیس سال لگاتے ہیں اور کائنات کی سب سے بڑی حقیقت، محبت اور عظمت کے مالک رب کے لیے آپ کبھی ایک سال بھی پورا نہیں نکالتے کہ توجہ سے قرآن ہی پڑھ لیں، حدیث پڑھ لیں اس کے بارے میں تھوڑا بہت جانیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ ظاہر ہے کہ یہی وجہ اتلاف زمانہ کی ہے۔ یہی وجہ زوال علم و عرفان کی ہے۔ چلو پچیس سال نہیں کم از کم دو تین سال ہی اگر تم اپنے خدا، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کی تفہیم کے لیے وقف کر دو تو انشاء اللہ تعالیٰ امید ہے تم [illegible] کی طرح پختہ اور پختہ ہو سکتے ہو۔

وسیلے کی کیا حقیقت ہے؟

سوال وسیلہ کیا چیز ہے؟

جواب خواتین و حضرات! ایک تو میں نے اس وسیلہ کے موضوع پر لیکچر دیا ہوا ہے اور دوسرا وسیلے کے متعلق لوگوں کے تصورات بہت ہی مختلف ہیں۔ جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کے حضور سے غیاب میں رکھا گیا تو تمام کائنات وسیلہ تھی کیونکہ اللہ کی علیحدگی سے پہلے چونکہ سب جنت میں اکٹھے تھے، براہ راست ایک مکالمہ تھا، ایک دوسرے کو دیکھا جاتا تھا، پہچانا جاتا تھا تو جب اللہ غیاب میں گیا تو اس نے اپنے اور مخلوق کے تعارف کے لیے وسیلہ تخلیق کیا۔ جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نے قرآن حکیم میں کہا کہ میں نے انسانوں کو تخلیق کرنے سے پہلے اس میں قوتیں اور وسائل رکھے کیونکہ انسان ان کے بغیر مادی زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔ دوسرے یہ اللہ نے انسان کے لیے جب سے اپنی تعلیم اور رشد و ہدایت کے سلسلے کو قائم کرنا شروع کیا تو اس نے پیغمبر کے وجود مسعود کی حیثیت وسیلہ بنایا تھا تاکہ یہ اللہ کی تعلیم کے وسائل بن جائیں اور لوگ ان کے ذریعے محبت تک پہنچیں۔ اسی طرح جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باری آئی تو

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیغمبر اگر لوگ تیرے پاس آئیں اور میری بخشش طلب کریں تو تو بھی ان کی بخشش کی دعا مانگے تو ہم معاف کرنے والے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب تمام Institutions تخلیق کیے گئے تو ان میں سے ہر Institution کی سربراہی کسی نہ کسی کے حوالے کی گئی تو اس کا ادارہ مقرر ہوا۔ جنت تخلیق کی گئی تو رضوان کو اس کا ناظم مقرر کیا گیا۔ عرش Create ہوا تو اس کے لیے آٹھ فرشتے مقرر کیے گئے۔ جہاں بھی کوئی آسمانی Institution قائم ہوا تو کسی نہ کسی کو اس کی نگرانی عطا کی گئی جیسے سربراہی اور حکومت بخشی۔ موت پر ملک الموت عزرائیل کو مقرر کیا گیا Message پر جبرائیل امین کو مقرر کیا گیا۔ رزق پر میکائیل کو مقرر کیا گیا۔ اور قیامت کے دن صور پھونکنے کے لیے اسرافیل کو مقرر کیا گیا۔ اسی طرح خواتین و حضرات جب زمین و آسمان میں رحمت کا Institution قائم ہوا تو رحمت کی سربراہی رحمۃ اللعالمین کے سپرد کی گئی۔ رحمۃ اللعالمین کا Institution جب Further تقسیم کیا گیا تو اس میں تین Institution پیدا ہوئے مقام شفاعت، مقام وسیلہ اور مقام محمود اور یہ تینوں کے تینوں ادارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیے۔ بخاری کی حدیث ہے اور یہ حدیث بالکل واضح ہے اس میں کسی قسم کے بخل سے کام نہیں لیا گیا۔ فرمایا اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں۔ اب ایک معمولی سی عقل کی بات ہے اللہ عطا کرنے والا تو آپ کے سامنے ہی نہیں ہے۔ کہاں سے لینا ہے۔ یہ تو اس نے کہہ دیا کہ دوں گا۔ مگر کہاں سے لو گے جب تک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں جانتے، جب تک ان سے عرض نہیں کرتے ہو، جب تک ان کو وسیلہ نہیں بناتے۔ آپ کو تو اس Institution کا پتا ہی نہیں لگے گا۔ میں امریکہ میں گھوم رہا تھا اور بڑی کوشش کر رہا تھا کہ پتا کروں کہ دفتر کہاں ہے۔ ایک سیکٹر سے دوسرے سیکٹر تک جانے میں بہت مشکل تھی لیکن متعلقہ سے ہوتا ہوا میں آخر کار مطلوبہ سیکٹر یا اپنی منزل مقصود تک پہنچ گیا تھا۔ اسی طرح ہمیں Institution کے Sub Institution کے بارے میں جاننا بہت ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا جب تک مرکز کو جانے والے تمام متعلقہ راستوں کا علم نہیں ہوگا اس وقت تک منزل مقصود تک پہنچنا محال ہوتا ہے۔ اسی حوالے سے حضور اکرم رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز میری امت کا ایک فرد بنو کلب کے جیسی بکریوں کے بالوں کے برابر میری امت کی شفاعت کرے گا اور اصحاب رسول نے فرمایا کہ ان سے مراد حضرت اویس قرنی کی شخصیت تھی۔ اب میں اپنی بات اس بات پر ختم کروں گا کہ ہم اللہ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کائنات کیوں بنائی گئی یا کائنات جہاں کو کے لیے تخلیق کی گئی ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ میں نے جن اور انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔ اور یہ مت کہو کہ دنیا میں نے عبث نہیں بنائی ہے۔ اب پتا یہ چلا کہ مقصد کائنات صرف تخلیق کائنات نہیں تھا۔ مقصد تخلیق کائنات کچھ اور تھا۔ اصول یہ بنا کہ اللہ کے خیال میں آیا کہ میں مخلوق تخلیق کروں کیونکہ اللہ تنہا تھا لہٰذا اللہ نے اپنی پہچان اور تعارف کے لیے اپنی مخلوق کو پیدا کیا۔ جب مخلوق کو تعارف کے لیے پیدا کرنے کا خیال آیا تو پھر ان کے رہنے کی جگہ کا خیال آیا تو زمین بنی۔ جب زمین بننے کا خیال آیا تو اس کے ماحول کا خیال آیا، پھر اس Constellation کو ترتیب دینے کا خیال آیا جو زمین کو Support بھی دے سکے اور زندگی اس کی معاونت کرے گی۔ یہ معلوم ہو گیا کہ خیال تھا کہ تخلیق کائنات ختم ہو جائے گی۔ بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوا کیونکہ آپ سورج کو بھی دیکھو سورج بھی تو خلا میں اسی طرح لٹک رہا ہے جیسے زمین تھی تو زمین کو کشش ثقل کے ذریعے سے Constellation میں قید کر دیا اور بڑی مضبوطی سے تمام سیاروں

Constellation کو تھامنے کے لیے Upper Galaxies کا نظام قائم کیا حتیٰ کہ سورج بائیس کروڑ سال پہلے Upper Glaxies کو قطع کرتا ہے Solar Apex کہلاتا ہے۔ جب اس Galaxy کو بنایا ہوگا تو یقیناً اس کے پیچھے کچھ نہ کچھ Balance کرتے ہوئے پوری کائنات تخلیق ہوئی۔ اگر بنیادی طور پر دیکھا جائے تو زمین کی مخلوق کو اپنے تعارف کے لیے پیدا کیا۔ ہم سوال کرتے ہیں کہ ساری مخلوق کو اپنے تعارف کے لیے پیدا کیا۔ اس لیے اللہ اپنی مخلوق کو خود ہی غیر معمولی اوصاف عطا کرتا ہے۔ جس کو خدا سے زیادہ آگاہی اور زیادہ محبت ہوئی اللہ اس کو اپنی فیاضیوں اور عنایتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔ پھر اللہ نے اس بات کا اقرار کیا کہ دیکھو میرے بندوں میں سے سب سے زیادہ میری تعریف کا حق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ کو ہے تو پھر آپ دیکھیے کہ دنیا میں اللہ نے کہا کہ چونکہ احمد نے میری آسمانوں پہ جتنی تعریف ہو سکتی تھی کیا تو صلے میں، میں نے مخلوق کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف پہ مامور کیا۔ جب تعریف پہ مامور کیا تو آئینے کے اس رخ کو اجاگر کرنے کے لیے میں نے زنگ بھی پیدا کیا اور اس کی مخالفت میں کفر بھی پیدا کیا۔ اندھیرے بھی پیدا کیے، ابوجہل بھی پیدا کیے اور میں نے رسالت کے مقام کو اور Maximum جیسے Contrast، Coatradiction اور مخالفتوں سے اس کو سنوارا اور پوری کائنات کا مقصد اگر Literally، Mentally اور Factually، دیکھا جائے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ کی کیا ممکنہ تعریف ہو سکتی ہے۔ نہ میں Romantic ہوں، مگر لگتا ہے کہ اس پوری کائنات کی تخلیق میں اللہ کا وجود ہے اور رب کعبہ کی قسم ہے کہ جب سے کائنات اور اس کی تمام متعلقات تخلیق ہوئی ہیں کوئی چیز بھی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔ کسی نبی کی کتاب آپ اٹھا کر دیکھ لیں صحائف عیسیٰ، موسیٰ اٹھا کے دیکھ لیں نغمہ ہائے سلیمان اٹھا کے دیکھ لیں، نغمات داؤد اٹھا کے دیکھ لیں صحائف شیث دیکھ لیں اور ساری مخلوق کا ذکر دیکھ لیں۔ کسی نبی نے خدائے واحد کا اس طرح ذکر نہیں کیا۔ اس کی اہمیت اس طرح اجاگر نہیں کی اور اس سے اپنا بھرپور خلوص اور پیار نہیں بخشا جیسا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ نے پیش کیا اور یہ تاریخی حقیقت ہے، مذہبی حقیقت ہے اور یہ سائنسی حقیقت ہے بلکہ ابھی آپ کے پاس وہ سارے شواہد موجود ہیں۔ اگر اللہ ہے تو اللہ یقیناً ہے۔ تو وہ اپنے بندے سے زیادہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ سے زیادہ کسی پہ مہربان نہیں ہو سکتا اور یقیناً اس کی مہربانی کے توسط سے ہمارے نصیب بھی جاگ سکتے ہیں کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کے ناتے ہمیں ایک بات کا فخر ضرور حاصل ہے کہ ہمارا رسول وہ رسول ہے جو اپنے سے زیادہ اپنی امت کی فکر کرتا ہے۔ جتنا اپنے سے زیادہ اپنے لوگوں کا غم تھا کیا پیغمبر کسی زمانے میں نہیں گزرا پیغمبر حالانکہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا، موسیٰ نے کہا۔ اس نے بہت انہیں سمجھایا یہ ماننے والے نہیں ہیں۔ "اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین O" (البقرۃ آیت ۶۷) ان جاہلین کی ان افعال سے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔

حضرت عیسیٰ نے کہا یا اللہ میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ جب تک میں زندہ تھا جو تُو نے پیغام دیا میں نے ان تک پہنچا دیا۔ اب میں ان میں نہیں ہوں اب میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ نے اپنی امت سے کبھی واسطہ نہیں توڑا بلکہ جب ایک مرتبہ بخشش کے لیے گئے اور امت رہا ہوئی۔ دوسری مرتبہ گئے اور امت رہا ہوئی۔ تیسری مرتبہ گئے تو امت کو رہائی نصیب ہوئی تو چوتھی مرتبہ پھر گئے اور کہا کہ اے میرے پروردگار تُو نے تو میری ساری امت

کی رہائی کا وعدہ فرمایا تھا۔ میں تو اب بھی اپنے گناہ کی جہنم میں دیکھتا ہوں اور اللہ نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے جو تجھ سے وعدہ کیا پورا کیا اب یہ تیرے ساتھی نہیں ہیں۔ اب جہنم میں صرف وہی لوگ باقی ہیں جنہیں کتاب نے روک رکھا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے مجھے سرے سے رب تسلیم ہی نہیں کیا اگرچہ ان کے نام مسلمانوں والے تھے مگر انہوں نے کبھی خدا کو خدا نہیں مانا اور تجھے رسول نہیں مانا۔ اب صرف وہ لوگ جہنم میں باقی ہیں جنہیں کتاب نے علیحدہ رکھا ہے۔

اسلام اور سائنس

اگر آپ مجھ سے یہ سوال کریں کہ دنیا اس درجہ سائنسی انکشافات تک پہنچی ہے اور پوری نسل انسان یہاں تک ترقی پذیر ہوئی؟ کون سی ایسی ایجادات یا کون سی ایسی نئی تخلیقات ہیں، جہاں تک حضرت انسان پہنچے ہیں تو میں قرآن و حدیث سے اس کا آسان اور مکمل جواب دے سکتا ہوں۔ اس لیے کہ بنیادی طور پر سائنس اور مذہب میں ایک بہت بڑا فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ سائنس حصول علم کے لیے کسی شخص اور کسی کردار کا تعین نہیں کرتی۔ یہ بھی نہیں دیکھا گیا کہ فزکس یا کیمسٹری کرنے کے لیے کوئی مخصوص کردار چاہیے یا یہ دیکھا گیا ہو کہ میڈیکل سائنس میں پہلے ایک بندے کا کردار دیکھا جاتا، پھر ہوتا اور اس کا متقی اور پرہیزگار ہونا ضروری ہے۔ تمام سائنس Amoral اور Secular ہیں۔ Amoralist اس کو کہتے ہیں، جو نہ Immoral ہو اور نہ Moral ہو۔ اس کے برعکس نسل انسان میں شعور اخلاق، زندگی کا قرینہ، معیشت، معاشرت اور معاشرے کو آگے بڑھانے کا سب سے پہلے عمل مذہب نے شروع کیا۔ اسی کے توسط سے غار کا انسان اس مقام تک آپہنچا

جوں جوں انسان کو اپنے آپ سے شعور آگہی نصیب ہوئی اس کا دائرہ بڑھتا گیا۔ اس کے تجربات و خیالات میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ انسان کی ایک بہت بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنے آپ کو تنہا سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ مجھے پروردگار عالم نے پوری کائنات میں یکتا، تنہا اور مالک و مختار پیدا کیا۔ میری حکومت ذرے ذرے پر پھیلی ہے۔ وہ اپنے سوا کسی دوسری ذات کا تصور نہیں کرتا۔ عمومی طور پر تمام انسان خود پسند ہیں، نرگسیت کا شکار ہیں۔ لیکن مذہب مانتا ہے کہ دنیا بالکل نہیں ہے۔ انسان تنہا نہیں ہے۔ حدیث کہتی ہے کہ یہ دنیا پہلی ہے اور نہ آخری ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ تم تنہا نہیں ہو، میرے کارخانہ قدرت میں تم جیسی اور دنیائیں بھی ہیں۔ تم جیسے اور لوگ بھی ہیں۔ اللہ یہ کہہ رہا ہے "هو الله الذی خلق سبع سموات و من الارض مثلهن" (الطلاق آیت ۱۲) اللہ تو وہ ہے، جس نے سات آسمان پیدا کیے اور اسی طرح کی سات زمینیں بھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے سات زمینیں پیدا ہونے کے بعد بھی ان میں انسان نہ ہو۔ کیا یہ ضروری ہے؟ اس خطرے کو بالکل ختم کرنے کے لیے ساتھ ہی اللہ نے فرمایا "یتنزل الامر بینهن" ان تمام زمینوں پر ہمارا امر اترتا ہے۔ یعنی قرآن اترتا ہے "لتعلموا" کہ تم جان سکو "ان الله علی کل شیء قدیر" کہ ہم کتنی بڑی قدرت والے ہیں۔ تم جتنے بھی احاطہ عقل میں ہو اور اس مختصر سے احاطہ عقلی سے تم اپنے آپ کو کتنا بڑا حاکم خیال کرتے ہو؟

دنیا کو ہمیشہ مبالغہ آمیزی سے تباہی ملتی ہے۔ اس وقت جب حضرت انسان نے اپنے آپ کو بڑا حاکم سمجھ کر پیش

کیا یہ ابدی کا احساس تھا یا اور وہ دنیا تھی یا یہ وہ شخص طرح کی روحانی، مادی یا فلسفیانی دنیا سے نہیں ملتا تھا اور وہ دنیا جو پانچ حواس سے آگے جا کر تاریک ان ہو جاتا ہے۔ جیسے آپ سائنس دان ہی سمجھتے ہیں کہ بہت ساری ایسی چیزیں ہیں جنہیں نظر نہیں آتیں، لیکن ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کے اثرات دیکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر خدا نظر نہیں آتا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ لوگ خدا پر غور و فکر نہ کرتے؟

ایک بنیادی سوال، جو ہر انسان کو اپنی زندگی میں پیش آتا ہے، یہ ہے کہ میں آزاد ہوں یا میں غلام ہوں؟ مجھے یہ سوال اپنے آپ سے کرنا ہے کہ مجھے اپنی زندگی غلامی سے یا آزادی سے گزارنی ہے؟ اگر انسان کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور اگر وہ آزاد ہے تو یہ تمام احساسات جو آپ اس وقت رکھتے ہیں، وطنیت اور دین سے وابستگی اور اخلاقیات کے جذبے، یہ تمام مذاق ہو کے رہ جاتے ہیں۔ تشکیک ہمیں بتاتی ہے کہ پھر آپ کی آزادی میں حائل کوئی اخلاقی، غیر اخلاقی، مادی، غیر مادی کوئی تصور نہ ہوگا، تو وہ آپ کا جبر اور بیماری بن سکتی ہے۔ آپ کی صحت نہیں بن سکتی۔ مگر کیا انسان یہ چاہے گا نہیں کہ ایک حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے اسے یہ پتا ہو کہ میں آزاد ہوں تو کیوں ہوں؟ میں غلام ہوں تو کیوں ہوں؟

ایک اصولی بات ہے کہ اگر ایسا ہے، تو ہم آزاد نہیں ہیں تو کیا انسانی آزادی کا سب سے بڑا دشمن اللہ ہے؟ میں جو اپنی زندگی گزارنا چاہتا ہوں، اپنے ملک، اپنے طریقے کا اور اپنی فکر سے دنیا کو استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ میں جو اپنے منافع کو ترجیح دیتا ہوں، کیا میرے نزدیک میری آزادی میں سب سے بڑی مخالفت اللہ نہ کرے گا؟ میں کیا اس اللہ کو دوست کیسے سمجھ سکتا ہوں؟ یہ آخری سوال ہے کہ کیا میں یہ سوچوں کہ اگر مجھے اپنی آزادی کو ترک کرنا ہے تو کسی ایسی حقیقت کے لیے ترک کروں جو ہو۔ ایسی حقیقت کے لیے ترک نہ کروں جو میرے خیال اور میری دنیا میں کچھ اثر نہیں رکھتی۔

کون سا خدا ہے جو میرے جھوٹ بولتے وقت مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتا؟ وہ کون سا خدا ہے جو مجھے فریب میں مبتلا نہیں کرتا ہے، جو آپ کی زندگی میں ہمہ تن جاری و ساری ہے اور منافقانہ طرز خیال کی طرح ہے، جو کبھی آپ کے تشخص میں حائل نہیں ہوتا؟ وہ کون خدا ہے؟ جسے آپ مانتے ہو، اور یہ کون سا خدا ہے جو وقتی موجود رہتا ہے؟ اگر آپ وقتی سی حد پر یقین رکھتے ہیں تو خدا آپ سے عبادت کی توقع کیسے رکھتا ہے؟ اندھے تقلید سے زیادہ بدتر کوئی چیز نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ جس اللہ کو آپ ماننے والے ہیں، جس سے آپ سوال کرنے سے گھبراتے ہیں، جس کے بارے میں سوچنے سے آپ کو خوف آتا ہے، جس کا تصور آپ کے لیے خوف و دہشت کی علامت بن جاتا ہے، کیا وہ اللہ بھی آپ سے یہی چاہتا ہے؟ یہ سوال تو بڑی معمولی بات ہے۔ اس کے لیے جو تجزیہ کرے گا، وہ ڈھونڈے گا، تلاش کرے گا۔ آپ دیکھتے تو کسی، وہ تمام یورپ کے فلاسفہ، جو خدا کے خلاف باتیں کرتے دیکھے گئے ہیں، آپ کے پاس ان میں سے کوئی ایک ایسے فلسفی کی شہادت ہے کہ اس نے بیس سال خدا کو تلاش کیا ہو؟ جیسے اس نے کسی روحانی فارمولے کو لیا ہے؟ جیسے اس نے اپنے کسی فزیکل وجود کو لیا ہے اور اس کے بعد وہ آپ کے پاس آیا ہو اور شہادت دی ہو کہ میں نے بہت تلاش کی، بہت ڈھونڈا

مگر افسوس جتنی ریسرچ انگریز بدھسٹ نے ایک ٹیچر پر لگائی اور جتنی ایپل کی جتنی کی ہل جیفرسن نے لگادی ہے۔ اتنی محنت کسی انسان نے خدا ڈھونڈنے پر نہیں لگائی۔ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ یہ تلخ بڑی حقیقت ہے کہ ایک چھوٹی سی ریسرچ اور پوسٹ ریسرچ کے لیے پچیس تیس سال گزر جاتے ہیں اور اللہ کی تلاش میں ہم ایک اتفاقیہ تصور اور ایک معمولی سے ان پڑھ آدمی کی ریسرچ پر یقین کرتے ہوئے ابتدائی فیصلے کرکے یا اس کے خلاف احتجاج کرتے ہیں یا اس کے حق میں بیانات دیتے ہیں

یہ ایک لازمی بات جو اللہ میاں انسان کو سکھاتا ہے کہ دیکھو میں نے تم سے پہلے قوموں کو اس لیے تباہ کیا اور میں نے اہلِ فکر کو اس لیے برا نہیں سمجھا کہ وہ میرا انکار کررہے تھے۔ اللہ کہتا ہے کہ میں نے انسان کو امانت عقل و شعور دے کر اس کے ساتھ سے ایک معاہدہ کیا اور کہا کہ میں زمین یا آسمانوں پر تیرے اس وقت تک رزق خیال کی بندش نہیں کروں گا جب تک تم اپنی عقل و شعور کو مکمل طور پر استعمال کرنے کے بعد انا ھدینٰہ السبیل پورے شعوری فکر کے ساتھ یہ فیصلہ نہیں کرتے اما شاکرا و اما کفورا چاہو تو مجھے مانو، چاہو تو میرا انکار کرو

یہ اللہ یا زندگی آپ سے ایمان چاہتا ہے؟ اس کی تو بنیاد ہی اس مفاہمت اور اس عقل و شعور پر ہے جس کی وجہ سے آپ کے تجربات، مشاہدات اور تجربات انسان میں اضافہ ہے اور آپ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم بڑی تمام مخلوق ہیں۔ ہم Homo sapiens باقی لوگوں سے کتنے مختلف ہیں۔ ہم باقی جانوروں سے اس لیے مسائل، تعلق، رشتے وغیرہ تے پلند نہیں کرتے کہ ہم ان سے مختلف ہیں اور مختلف صرف عقل و شعور کے حوالے سے ہیں۔ یہ عقل و شعور اللہ کے نزدیک اس کی مفاہمت کے صرف ایک بنیادی مقصد کے لیے ہے کہ انا ھدینہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا چاہو تو مجھے مانو، چاہو تو میرا انکار کرو۔ اللہ اہلِ فکر کو بار بار ایک طعنہ دیتا ہے کہ اگر تم سوچنے سمجھنے والے ہوتے اور اگر تم غور و فکر والے ہوتے تو تم کبھی میرا انکار نہ کرتے

آج کا سائنسدان سب سے زیادہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ جو حقائق کی Sense اس میں ہے، جس سائنسی نہج اور جس نقطۂ نظر سے وہ دنیا کو دیکھتا ہے، اگر خدانخواستہ کتاب حکیم پر یہ جائزہ لگا دیا جائے یا یہی معیار لگا دیے جائیں تو شاید ان معیارات پر قرآن پورا اترے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ قرآن کو اس دنیا اور معیار پر پرکھے اور اس پر سائنسی رویہ استعمال کیے بغیر آپ قرآن پر حروفِ خاتم ایمان رکھ لیتے ہو مگر یہ جرأت خیال نہیں کرتے کہ اللہ کتنا دعویٰ سے جو عقل و شعور کو بار بار استعمال کرنے کی دعوت دے رہا ہے تو میں تھوڑی سی کوشش کرکے اسی عقل و شعور سے کام لے کر جس سے میں فزکس میں پی ایچ ڈی کرتا ہوں یا ایک اعلیٰ ترین ریسرچ سائنس کو لاگو کرتا ہوں، اسی ذہن و محنت کے ساتھ میں ذرا قرآن پڑھ کے دیکھوں، مگر ایسا نہیں ہوتا۔

اب ذرا قرآن کی بات کیجیے۔ مذہب وہ چیز ہے جو ایک ایسے جذبے کے ساتھ آتا ہے جس جذبے سے وہ انسان کا روحانی نظام لرزا دیتا ہے۔ سائنس اور مذہب میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔ سائنس میں آپ کو ریلیشن شپ نہیں کرنا پڑتا۔ آپ کے جذبات سائنسی نتائج میں شامل نہیں ہوتے۔ وہ نتائج وہ جاری رہیں گے چاہے آپ جذباتی ہوں، غصیلے یا متکبر ہوں۔ چاہے بیوی سے لڑ کر آئے ہوں یا طلاق یافتہ ہوں۔ چاہے آپ کسی قسم کی اداسی کے شکار ہوں، وہ نتائج وہی

نہیں ہو سکتے۔ شاید آج کل ہو سکتے ہوں۔ نئے فارمولوں کے تحت علم میں عمومیت کی بات کرتا ہوں کہ دوستی وہ آپ کے جذباتی احساس سے نہیں بدلیں گے لیکن جب بھی آپ خدا کی سائنس کو جانیں گے، یہ نفیس سائنس اور ٹیکنالوجی ہے کہ سائنس انسانی جذبات کو، سائنس کو سائنس نہیں بدلتی۔

دوسری طرف جو اصحاب فقر خدا ہیں ان کو پتا ہے کہ تمام مساوات انتہائی نفیس سائنسی قوانین کے تحت ہیں۔ اس لیے اسلامی مذہب کے تحت جب ایک صوفی کو پتا ہے کہ میرے اندر کا احساس حق کی میری ریاضت بدل دے گا میرا اور خصوصاً اللہ کے بارے میں میرے احساس اور ریاضت کو تبدیل کر دے گا۔ یہ بڑی اہم بات ہے کہ سائنس اور مذہب کے تعلق میں ان کے مابعد الطبیعات میں بنیادی فرق یہ ہے کہ جونہی آپ کی شخصیت کی کوئی بہت تبدیلی ہوتی ہے، آپ کے اندر تصوف کے بارے میں نظریات اور توجہات تبدیل ہو جاتی ہیں۔ فرضاً آپ کا شخصی انہماک، انوالومنٹ، ذاتی [illegible] آپ کے نتائج خراب کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس سائنس میں ایسا نہیں ہوتا۔ چاہے آپ اخلاق میں بدترین کردار کے مالک ہوں اس کے باوجود آپ سائنس میں پی ایچ ڈی ہو سکتے ہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں آ کر ایک ایسی نفاست مذہب میں آتی ہے کہ سائنس دان زیادہ سے زیادہ وجدانی درجے پر پہنچتا ہے۔ اس میں پہلا مرحلہ جبلت کا ہے، دوسرا عقل اور تیسرا وجدان کا ہے۔ جبلت کے معاملے میں انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ جب ہم اس حیوانیت سے آگے بڑھتے ہیں تو سوچنے لگتے ہیں۔ دانشورانہ واقعات سوچتے اور غور و فکر کرتے ہیں اور اپنی اس ذہانت کو ہم ڈیٹا مہیا کرتے ہیں تو ہم ایک داخلی Intellect تخلیق کرتے ہیں جسے آپ عقل کہتے ہیں۔ غور و فکر اس سے ہے۔

غور و فکر ہمیشہ کسی نہ کسی ڈیٹا پر استوار ہوتی ہے، عقل اور آپ کا جدید ترین کمپیوٹر اس سوال کا جواب دینے سے بالکل انکار کر دیتا ہے جس کا ڈیٹا اس کے پاس نہیں ہوتا۔ میں ایک شخص سے پوچھتا ہوں کہ جنگ پلاسی کس سن میں لڑی گئی، وہ مجھے آسانی سے جواب دے گا کہ میں نے جنگ پلاسی پڑھی ہے، مجھے سن کا پتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ذہن اس بات کا جواب نہیں دیتا جس کا ڈیٹا آپ اسے مہیا نہیں کرتے۔ اگر اس کا ڈیٹا بیس بہت وسیع ہو تو یہ اپنی مربوط وار لائف کے توسط سے اسی ڈیٹا کے ذریعے آپ کو جوابات مہیا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر جس چیز کا ڈیٹا نہیں اس کا جواب کہاں سے آئے گا۔ Logical Pisitivists نے سب سے بڑا اعتراض خدا کی ذات پر یہی کیا تھا کہ جس کا ڈیٹا کوئی موجود نہیں تو وہ Nonsense ہے۔ جس کا سائنس ڈیٹا ہی کوئی نہیں ہے وہ نان سنس ہے۔

عصر جدید میں کم از کم پانچ بڑے علوم کی شاخوں نے جو اللہ پر اعتراض کیے، وہ سارے اس کے انکار پر مبنی ہیں ان میں سب سے بڑا جو اعتراض آیا وہ Positivists کا تھا کہ مذہب کا کوئی ڈیٹا موجود نہیں لیکن ان کی طرح 365 صفحے کی کتاب پڑھی نہیں۔ اکتاب قرآن حکیم جس کے ایک ایک صفحے پر یہ اعلان ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ میرا ہے۔ "انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون" (الحجر آیت ۹) کہ ہم نے اس کو نازل کیا اور اس کا ایک ایک لفظ ہم نے گن گن کر دیا۔ اس لیے کہ قرآن اور دوسری کتابوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اس کی زبان اور اس کا معیار انسان کے خاتمے تک ہے۔ اب یہ دوسری بات تھی کہ ایسی کوئی کتاب زمانوں کے اثرات سے آزاد ہوتی۔ اس کتاب کی زبان زمانوں کے اثرات سے آزاد ہوتی۔ پندرہویں صدی کی Chaucer کی انگلش ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ زبان کیسے بدلتی ہے اور کتنی بدلتی ہے۔ یہ

انگریزی کی ماں ہے۔ چودھویں پندرھویں صدی میں اتنی انگریزی بدل جاتی ہے کہ آج سے پانچ سو برس پہلے کی انگریزی بھی آپ کو قطعی سمجھ نہیں آئے گی۔ جبکہ ترجمے کی بات تو ہے

عربیہ بات ہے کہ قرآن حکیم 15 سو برس پہلے کی زبان میں ہے۔ کمال کی بات ہے کہ جسے اس وقت کا عربی بولنے والا شخص سمجھتا تھا، اسے آج کا ان پڑھ بھی سمجھتا ہے۔ یہ اس کتاب کی زبان کا ایک عظیم ترین معجزہ ہے کہ آج عربی بھی اسی طرح پڑھی ہوئی ہے۔ عرب قرآن کی زبان سمجھتے ہوئے بھی کسی کو کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ یہ اللہ کی بات تھی کہ ہم نے اس کو ہر انسان کے لیے سہل کر دیا۔ آپ کا بچہ ہو یا بوڑھا ہر آدمی قرآن کو پڑھتے ہوئے ایسے لگے گا کہ یہ میرے دل کی بات ہے، میرا لاشعور مجھے بتاتا ہے کہ میں پندرہ سو برس سے یہ آیات سنتا چلا آ رہا ہوں اور یہ میرے لیے بڑی سہل ہیں

اس کے علاوہ بھی اللہ میاں نے بہت بڑے بڑے دعوے کیے ہیں۔ اگر آپ کو دشواری ہے، خدا پر غصہ ہے، آپ کی آزادی کا دعویٰ ہے تو کوئی بڑائی ہوئی تو آپ کو ترک کرنی پڑے گی۔ اللہ میاں کو دیکھیں کہ کتاب شروع کرنے سے پہلے کیسی عجیب بات کہہ دی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ کوئی نیچرل سائنسز، سپر سائنسز اور سائیکالوجی کے ماہرین ہوں گے۔ دنیا بڑی آگے چلی گئی۔ وقت کے ساتھ چلی گئی۔ دنیا نے ایسے علوم میں معرفت حاصل کر لی، جو سو برس پہلے ناپید تھے۔ اس کے باوجود خدا اللہ کریم فرماتے ہیں الم ذالک الکتب لا ریب فیہ آپ نے کبھی غور کیا کہ اتنی بڑی کتاب کو اتنا منفی بیان سے شروع کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟

کتاب شروع کرنے سے پہلے دو طرح کے ہیں مثبت Response دیا منفی بیان دے۔ مثبت دیا یہ ہے کہ "ذالک بان اللہ نزل الکتاب بالحق" (البقرۃ: آیت ۱۷۶) یہ وہ کتاب ہے جسے میں نے سچائی کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اللہ نے ایسے نہیں کیا۔ حضرت انسان کے شکوک و شبہات، اس کی تحقیق، اس کی تجسس، اس کے ذہن میں آتی ہوئی وہ تمام تمنائیں، خیال و مذہب، ذہن سے حل کر لیے یا منقلب آرا پیدا ہوتا ہے کہ انسان کہتا ہے میں نہیں مانتا تیری قدرت کو۔

اگر کج رو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا
مجھے فکر جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا

میں تیری اس بات کو نہیں مانتا۔ میں تجھے خدا ہی نہیں مانتا۔ خدا نے یہ نہیں کہا کہ مان۔ اسے کہتا ہے کہ اے جاہل مطلق! اے کم عقل! غریب ذات! میں تجھ سے Intellectual ہوں الم ذلک الکتب لا ریب فیہ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ ہے تو نکال لو۔ اور اگر آپ بغیر تحقیق و تجسس قرآن پڑھیں گے تو آپ اللہ پر کوئی احسان نہیں فرما رہے۔ اس لیے کہ اللہ میاں نے پہلے انسانوں کی قسمیں بنائیں۔ اس کے بعد انسانوں میں سے جانوروں کی قسمیں بنائیں پھر جانوروں میں سے بدترین جانوروں کی قسمیں بنائیں اور فرمایا "ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون O" (الانفال ۸-۲۲) کہ بدترین جانور انسانوں میں وہ ہیں، جو غور و فکر نہیں کرتے۔ اندھے اور بہرے بن کر میری آیات پڑھتے ہیں

یہ آج کے آدمی کا خوف ہے۔ آج کا آدمی اعتقاد اور یقین چاہتا ہے۔ اس کو اللہ پر اندھا اعتقاد ہے کہ یقین تو

بھاگ کے جاؤں گا۔ کوئی جگہ ہو جس میں گھس سکوں۔ وہ اللہ کو نہیں جانتا۔ اللہ کے خیال سے دور رہتا ہے۔ پھر اس کی ضرورت ہے۔ پھر اللہ اس کا عملی اللہ نہیں ہے۔ بڑی بڑی نمازیں پڑھیں، کام کیے، کام نہیں بنا تو اس نے کہا، باقی ذرائع تو دیکھے۔ سنا ہے کوئی اللہ بھی ہے۔ چلو ادھر چلے چلتے ہیں پھر دو چار دن تہجدیں پڑھیں۔ الٹے سیدھے ہوئے۔ تو پھر، جب کام نہیں ہوا تو کہا کہ اللہ بھی دیکھ لیا۔ یعنی یا زغیر منتخبہ اسباب میں سے اللہ بھی ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے جو ہر انسان نے اپنے لیے بنا رکھا ہے۔ اس کی عملی، قلبی، ذہنی انوالومنٹ اللہ کے ساتھ نہیں ہے۔

ادھر اللہ میاں یہ فرما رہے ہیں کہ "لیہلک من ھلک عن بینة" جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا "ویحیی من حی عن بینة" (الانفال: آیت ۴۲) جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا۔ "ان اللہ سمیع علیم" اللہ تو سوچنے سمجھنے والا ہے۔ اللہ ڈرانے والا نہیں ہے۔ اللہ میاں نے کائنات صرف اس لیے بنائی تھی کہ وہ چاہتا تھا، اس کائنات کی تخلیق کی کوئی داد دے۔ اس کی خلاقیت کوئی سراہے۔ اب آپ غور کیجیے کہ وہ آدمی یا دوست کا، جو ان پر ایمان لیے بیٹھا ہوا ہے

ایک دفعہ میں پہلی ایک مشاعرے میں چلا گیا۔ آنے والے احباب میں سے ایک دہریاں بھی ساتھ لے کر آ گئے۔ اب وہ اچھل اچھل کر داد بھی دے رہے تھے۔ فارسی میں ایک مصرع ہے کہ

تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس

کہ جاننے والے کی چپ اور نہ جاننے والے کا شور و غل یہ دونوں چیزیں ہی تکلیف دل کے لیے موزوں ہوتی ہیں

خداوند کریم اگر ان پر جو اندھے اعتقاد والے ہیں سے وہ چاہ رہا ہوتا تو اس کے کارخانہ قدرت میں صرف معجزات ہی ہوتے علم یا تو نہیں ہوتا۔ وہ تو یہ چاہ رہا تھا کہ "کنت کنزا مخفیا" میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں اکیلا بیٹھا تھا۔ تنہا وارث کائنات تھا۔ نت نئی چیزیں تخلیق کر رہا تھا۔ نئے نئے افسانے تراش رہا تھا۔ نئی نئی کائناتیں بنا رہا تھا اور میرا یہ خیال تھا کہ کوئی تو ہو، جو میرے اس افسانے کی داد دے۔ ان کائناتوں کی داد دے۔ یہ جو میں سات کائناتیں بنا کے بیٹھا ہوں۔ کوانٹم اور اضافیت کے پیٹرن اور سپر ملٹی ڈائی مینشنل کائناتیں بنا کے بیٹھا ہوں۔ ان کی کچھ تو کوئی داد دے۔ تو اس نے کہا "کنت کنزا مخفیا" میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ "فاحببت" مجھے اس بات کی چاہت ہوئی کہ کوئی مجھے داد دے۔ کوئی مجھے اپنے مالک کائنات اور اپنے کائنات کے رب کی طرح پہچانے۔ "ان اعرف" میرا تعارف حاصل کرے "فخلقت الخلق لیعرفونی" تو میں نے مخلوق کو اپنے تعارف کے لیے پیدا کیا۔

آج کل لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا ملتا نہیں۔ میں بتاتا ہوں کہ وہ شاید آسان ترین حقیقت ہے، جسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ میں نے آج تک اللہ سے زیادہ قریب تر کوئی ایسی حقیقت نہیں دیکھی، جسے آپ ذرا سے رویے سے پا سکتے ہیں۔ اس کے لیے آپ کو کوئی تہجدیں شدت سے نہیں پڑھنا پڑتیں۔ آپ کو کوئی مشقتیں نہیں کرنا پڑتیں۔ چلہ معلوم نہیں، مراقبہ تو نہیں۔ یعنی اتنا بالکل نہیں کرنا پڑتا۔ اس کے دو چار تقاضے ہیں اور وہ بڑے سادہ سے ہیں۔ "زین للناس حب الشہوت" میں نے آپ سارے لوگوں کو کچھ چیزوں کی رغبت بخشی ہے۔ "من النساء" عورتوں سے "والبنین" اولاد سے

والقناطیر المقنطرۃ یعنی سامان کے من الذہب والفضۃ سونے چاندی کے والخیل المسومۃ والانعام والحرث گھوڑے کاریں ہیں ذالک متاع الحیوۃ الدنیا ایک اچھی کار کو ہنکا کر لایا، جو ہماری زندگی کے خواب ہیں۔۔۔ چار اچھے صوفے سیٹ قناطیر المقنطرۃ بچوں کی اچھی تعلیم اور پھر اچھا گھر، اچھی بیوی بچے۔ کہتا ہے کہ ذالک متاع الحیوۃ الدنیا یہ ساری متاع دنیا ہیں۔ اگر آپ ان کو ترجیح دو گے تو یہ تمہاری غلطی ہوگی، کیوں؟ کیونکہ تمہارا نظریہ، اعتقاد، عمل، اعتقاد نہیں ہے

تم یہ کہتے ہو کہ خدا ملے مگر ان چیزوں کے بعد پہلے اچھے ماں باپ مل جائیں، پھر اچھی بیوی یا خاوند مل جائے۔ پھر اچھے بچے مل جائیں پھر زندگی کے لیے ایک خوبصورت اچھا سا گھر مل جائے اس گھر میں بڑے خوبصورت صوفے سیٹ ہوں۔ پھر ایک شاندار کار بھی ہو۔ یہ خلط خواہشات انسان "وما الحیوۃ الدنیا الا لعب و لہو" (الانعام آیت ۳۲) "قل متاع الدنیا قلیل" (النساء آیت ۷۷) وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور" (الحدید آیت ۲۰) یہ Vanity Fair میں جاتا ہے اس میں یہ خیال رکھتے کہ تمام امانی خیال بڑھتے بڑھتے ایک صحرا کے سراب تخیل بن جاتے ہیں، جس میں سے انسان کبھی باہر نہیں نکلتا۔ خدا آپ کو کبھی بھی نہیں مل سکتا۔

اللہ نے بڑی سادہ سی شرط رکھی ہے وہ کہتا ہے یار! تو سوچ کر بتا وہ کیا پانچ قسم چیزیں ایسی کی طرح آ کر بیٹھے۔ میں تخلیق کار ہوں۔ میں کائنات کا خالق ہوں۔ اگر تم مجھے چاہتے ہو، تو ذہن کو ایک ہلکا سا فوربرین دے دو۔ یہیں سے سارے فیصلے ہوتے ہیں۔ یہ فوربرین ہی آپ کے تمام خیالات پر حکومت کرتا ہے۔ اعمال کو کنٹرول کرتا ہے۔ صرف ایک ڈیسیژن ہے، وہ صرف ایک سادہ سی ڈیسیژن کہ میری ایک ہی ترجیح اول ہے ذہن کے تجسس کی سب اور وہ صرف خدا ہے۔ اللہ میاں باقی ساری غلطیاں کروں گا، مگر میں ایک ذہنی غلطی کبھی نہیں کروں گا کہ میری زندگی کی ترجیح اول صرف اور صرف تو ہے اور اس کے بعد باقی ترجیحات کو مرتب کرتا چلا جاؤں گا

آج اگر اللہ ہماری مدد نہیں کر رہا ہے۔ اگر اس نے ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے۔ اگر اللہ مسلمان پر توجہ نہیں دے رہا۔ خدا کی قسم مجھ سے تو ڈر رہا ہیں۔ یہ تو آپ کے پاؤں سے چھوٹے ہوئے آپ کے ذہن سے نکلے ہیں۔ آپ کی انگلیوں سے تو سنت رسولؐ کا چشمہ پھوٹتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کی ترجیحات درست نہیں ہیں اللہ والے لوگوں کی ترجیحات درست نہیں ہیں۔ ہم زیادہ تو ہم ترجیحات کو دیتے ہیں اور کم ترجیح ترجیح اول کو دیتے ہیں۔ یہ ایک بہت المیہ امت مسلمہ کو درپیش ہے کہ ہم مذہب کی پرستش کرتے ہیں رسم و رواج اور کتاب فقہ کی پرستش کرتے ہیں مگر وہ اللہ جو خدا ہے اس پر توجہ ہی نہیں دے رہے۔ آپ کو پتا ہے مذہب کس کے لیے ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ مذہب میں شریعتیں بدلتی رہیں۔ شریعت موسوی اور شریعت عیسوی اور تھی۔ شریعت شعیب اور نوح اور تھی۔ شریعت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہے مگر ایک بنیادی مقصد آدم سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جو مشترک رہا۔ کبھی مذہب سے نہیں گیا۔ وہ شناخت پروردگار ہے۔ خداوند کی آگہی پانا ہے۔ ہر مذہب پیدا ہی اس لیے ہوا کہ جب کسی انسان کے دل میں شعوری کشش اپنے مالک کی اٹھے جب ایک صحرا کے محیط میں تنہا مسافر اپنے اردگرد کسی رستے کا نشان نہ پائے اور مجبوراً اپنے قلب سے آرزو کے ساتھ ستاروں کے تحت آسمان کو دیکھے تو توقع کرے اور دعا کرے کہ کوئی تو یہاں میرا مالک، میرا کریم، میرا

مہربان ہو جو مجھے رستہ دکھا دے تو جب اتنی خواہش سینے میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ پروردگار عالم آپ کو ملنے پر آپ کا منتظر کھڑا ہوتا ہے۔ آپ کا انتظار کر رہا ہوتا ہے

آغاز و انجام میں جو آدمی خدا کی آرزو اور خدا کی محبت پا سکتا ہے اگر یہ اس نے آرزو کی ہوئی ہو تو پھر آپ سے کہتا کہ اگر تم مجھے پانا چاہتے ہو تو تم سے صرف دو چیزیں طلب کرتا ہوں "لن تنالو البر حتی تنفقو مما تحبون" (البقرۃ آیت ۱۰۲) چھوٹی چھوٹی محبتیں میرے لیے ترک کر دو۔ مجھے بڑی محبت دو۔ مجھے اپنی زندگی کی بنیادی طلب بناؤ میں ہی تمہارا رب ہوں۔ میں ہی تمہارا خالق ہوں۔ میں ہی تمہیں شرف و عزت سے آشنا کرنے والا ہوں۔ مجھے ترجیح دو سب کے بجائے دوسری چیزوں کو ترجیح نہ دو۔ باقی ساری چیزیں میں نے تمہیں دی ہیں۔ اگر تم کو تم ترجیح سمجھو رب کا پتہ سمجھو اگر تم نے مجھے پانا اور مجھے پانا ہے تو پہلے وہ تمام محبتیں میرے لیے ترک کر دو جو تمہیں میرے سوا ہیں۔

اور دوسری اہم حق کی بات ہے۔ خوف اور وحشت سے نہیں، ڈر سے نہیں بلکہ خدا نے فرمایا "فاذا قضیتم مناسککم" جب تم کام کاج تمام کر چکو تو پھر فاذکروا الله کذکرکم اباءکم او اشد ذکرا" (البقرۃ آیت ۲۰۰) تو مجھے ایسے یاد کرو، جیسے آباؤ اجداد کو کرتے ہو، او اشد ذکرا، اور زیادہ ذکر کرو تا کہ مجھے پتا چلے کہ تم ہر تعلق سے زیادہ میرا تعلق چاہتے ہو

پھر اللہ کہتا ہے کہ جب سے میں نے "هو اعلم بکم اذ انشاکم من الارض واذ انتم اجنة فی بطون امهتکم" (النجم آیت ۳۲) تمہاری ماؤں کے بطن میں تمہیں رکھا، اس وقت سے تمہیں جانتا ہوں۔ میرے سامنے مقدس بھی بنی بنو "فلا تزکوا انفسکم هو اعلم بمن اتقی" (النجم آیت ۳۲) میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کتنے متقی ہو؟ ہاں! میں نے لمحہ میں یہ رعایت دیا ہوا ہے کہ اگر تم میں شعور رکھا تو خطا بھی رکھی لیکن خطا کو سیکھنے کا پیٹرن بنایا۔ خطا، خطا کی غلطی جہاں ایک طرف انسان میں پچھتاوے کا احساس دیتی ہے، اس کی سزا لکھی جاتی ہے، دوسری طرف ہر خطا کے پیٹرن میں سیکھنا مدد دیتا ہے۔ اگر آگ سے ہاتھ جلتا بھی ہے تو اس کے بعد آپ کا تجربہ یہ کہتا ہے کہ آئندہ کبھی اپنا ہاتھ آگ میں نہیں ڈالیں گے لیکن وہ ایک طرف سیکھنا بھی ہے تو خطا کو اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی انسان کے انجام کی خبر نہیں دی بلکہ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے گنہگار نہیں ہوتا۔ جس نے توبہ کی، وہ گنہگار نہیں ہے وہ مغفرت کا طلب کرنے والا ہے۔

اسی طرح خداوند کریم نے فرمایا کہ "الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم" (النجم ۳۲) جس نے بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کیا لیکن پھر بھی چھوٹے چھوٹوں پر تو وہ چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ کیا کمال کی بات ہے۔ لمم کہتے ہیں، چھوٹے چھوٹے وہ قصے یا حرکتے کو۔ لاطینی فلسفے میں Sphinx کی ایک میز ہوتی تھی۔ اس میز میں اس نے بڑی جادوگری اور ہنر کی بھول بھلیاں بنا رکھی تھی۔ اس میں جو جاتا وہ اندر جا کے گم ہو جاتا، باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ جب وہ باہر نکلتا تو فطری طور پر جو چاہتا ہوا ذہن تھا اسے کھا پی جاتا۔ بے شمار لوگ آئے اور وہ اس میز میں گم ہو گئے۔ آخر تھیسیس جو اس میں گھسا تو وہ بے چارہ بڑا پریشان تھا۔ رستے میں اسے ایک چھوٹی سی لڑکی ملی۔ اس نے کہا کہ دھاگے کی ریل لے جاؤ اور شروع میں اسے باندھ دینا۔ جب میز کے سنٹر میں تم پہنچ جاؤ، تو دھاگا لپیٹنا شروع کر دینا۔ پھر تو آرام سے

واپس آ جائے گا۔ ایک بہت بڑا مسئلہ جو صدیوں سے لوگوں کی تباہی و بربادی کا باعث بنا رہا ایک ننھی سی لڑکی نے اسے سلجھا دیا۔

واپسی کا راستہ ہمیشہ عزیز ہونا چاہیے اور مسلمان کی واپسی کا راستہ صرف اور صرف اللہ ہے۔ توبہ رجوع ہے واپس پلٹنے کا راستہ ہے۔ یہ جہل کی گلیوں سے انسان کو نکال کر لے جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے کہا کہ مسلمان کا یہ حال ہے جب جوان ہوتے ہیں تو بڑے سرکش، تند و تیز، انکار کرنے والے اور بڑے جارحانہ عزائم والے ہوتے ہیں۔ کہاں سے کہاں نکل جاتے ہیں۔ مشرق و مغرب کو پامال کر دیتے ہیں۔ مگر جب ذرا دھوپ ڈھلتی ہے، عمر ذرا ڈھلنے لگتی ہے تو ان کو اللہ کا خیال آتا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال آتا ہے۔ پھر یہ اپنی گلیاں ڈھونڈنے کے چکر میں ہوتے ہیں۔ بچوں کو مذہبی سبق دے رہے ہوتے ہیں۔ اقبال نے بڑے خوبصورت شعر میں کہا کہ یہ مسلمان اس پرندے کی طرح ہے جو صبح سویرے دانا دنکا چگنے بہت دور نکل جاتا ہے۔ جب شام پڑتی ہے تو پھر اسے اپنا گھونسلا یاد آتا ہے۔

چو آں مرغے کہ در صحرا سر شام
کشاید پر بہ فکر آشیانہ

سوالات وجوابات

قیامت کیسے آئے گی؟

سوال: قرآن میں اللہ کہتا ہے کہ میں نے سات زمینیں اور سات آسمان بنائے ہیں۔ کیا ان سات زمینوں اور آسمانوں میں قیامت ایک ہی وقت میں آئے گی؟

جواب: ہاں صاحب خیال یہ کہتا ہے کہ جیسے سات زمینوں میں ہو سکتا ہے قیامت ہو جب Relative time میں ایک ہی ہو۔ ایک اس طرح ہو کہ At a time جیسے ہی اور یونیورس اور ہماری یونیورس کے اوقات میں بڑا فرق ہے لیکن یہ ممکن ہے یہ اسی طرح وقت پذیر ہو۔ میں آپ کو اس تجربے کی مثال دیتا ہوں۔ "اقتربت الساعۃ وانشق القمر" (القمر آیت ۱) وہ ساعت قریب آئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ تو پتا یہ لگتا ہے کہ ساعت پچھلی کہ انگشت مبارک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑی ہوئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا مگر ایسے زمین پہ ہوا۔ مگر اس سے پہلے It might have taken about five to ten lac years. کہ جب دو تاروں کے درمیان کشش چاند پہ پڑ رہی ہوئی اور آثار بن رہے ہوں گے کہ دونوں اس Level of position میں آ گئے کہ دونوں نے اسے اپنی طرف کھینچا ہر پوری کشش کے ساتھ اور ادھر اس کا دیکھیے آیت کہہ رہی ہے کہ وہ ساعت قریب آئی ادھر وہ ساعت قریب آئی۔ ادھر یہ انگشت مبارک کھڑی ہوئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ تو بالائے کائنات کے اصول اور ہمارے اپنے ذاتی اصول بڑے Different ہیں بلکہ اگر آپ اپنی زمین کو دیکھیں

This is most unnatural existence in the universe.

یہ زمین ہے اگر کائنات کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو Most Unnatural ہے اور ہمارے نقطہ نظر سے دیکھو تو کائنات ہمیں ایک Immence حد تک ایک ظالمانہ اور کشمکش زدہ کائنات کی حامل نظر آتی ہے جو ہمیں زندگی کا کوئی چانس نہیں دیتی مثلاً جس نے بھی یہ دنیا بنائی ہے اگر ایک لاکھ میل سورج دور لے جاتا تو ہم فریز ہو جاتے یا ایک لاکھ میل ہمارے قریب آ جاتا تو ہم جل جاتے۔ قدرتی بات ہے ہمیں یہ سوچنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ یہ زمین ہمارا ایک مستقر ہے۔

"ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین" (البقرۃ: آیت ۳۶) اس پر ہم نے کچھ عرصہ ٹھہر کے کچھ مقاصد کی تکمیل کرنی ہے۔ اور یہ اس دور کا حصہ ہو جاتا ہے جو بلین آف ایئرز سے جاری ہے۔ اور بلین آف ایئرز تک آگے بڑھے گا قیامت اور ٹائمنگ Relative ہیں اگر آپ قرآن حکیم کا اور فلاسفی مغرب کو دیکھیں تو بڑا اختلاف ہے خدا کے نزدیک تمام کام ہیں اور ہمارے دنیا کے جتنے بھی فلسفہ خیال ہیں کام کو Infinite مانتے ہیں لیکن قرآن حکیم میں آپ کہیں بھی وقت کا ذکر Infinite کے معنوں میں دیکھتے ہیں "الی اجل مسمی" ([illegible] آیت ۳) اور اس کا ایک بنیادی نام ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تمام ہو سکتا ہے یہ ضروری بھی نہیں ہے میرا اپنا یہ خیال ہے کہ اس سے پہلے بھی یونیورس گزر چکی ہیں اس لیے کہ ابھی تک جو اس یونیورس کی زندگی متعین ہوئی ہے پندرہ بلین ایئرز ہے۔ پندرہ بلین ایئرز اور ابھی Latest تحقیق کے مطابق اس یونیورس سے نئی یونیورسز پیدا ہو رہی ہیں۔ نئی یونیورسز اب جو سائنسدانوں کا آخری تحقیق ہے وہ یہ بات کہتے ہیں کہ اس یونیورس کے علاوہ اور یونیورسز ہیں اور ان کا نام انہوں نے نئی یونیورسز رکھا ہے۔ اب پندرہ ارب سال ہماری اس دنیا کی 14 پوائنٹ Some-thing کی عمر ہماری زمین کی عمر چار ارب سال ہے۔ یا 5 4 Maximum بلین ایئرز ہے اس حساب سے ہم پیچھے مڑ کے دیکھتے ہیں تو کم از کم تین دنیاؤں کی جگہ تھی ہے میرے نزدیک یہ فلی پوائنٹ ہے۔ اس میں تین قیامتیں آ چکی ہیں۔ قیامت آتی جاتی رہتی ہیں سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا "کل من علیھا فان" (الرحمٰن آیت ۲۶) اور قرآن ایک کتاب ہے لوح محفوظ سے اترا ہے جو لوح محفوظ میں قرآن کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے کیونکہ ہمیں جو حدیث ملتی ہے اس میں یہ کہا گیا ہے کہ قرآن لوح محفوظ پہ درج تھا پھر لوح محفوظ سے قرآن کو اتارا گیا تو Conduct of law تو قرآن ہے۔ ساری کائناتوں اور ساری زندگیوں پہ Code of conduct قرآن ہے۔ ٹائمنگ اپنی اپنی ہو سکتی ہے۔

I cant be very sure, I am not God

خدا کی پہچان فراق میں ہے

سوال ہم اللہ سے محبت کیسے کریں؟ اس کا مناسب ترین طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟

جواب میں نے عرض کیا تھا بیچ میں رک گیا باتیں اتنی لمبی طویل و عریض ہوتی ہیں کہ ادھر سے ادھر چلا جاتا ہوں تو میں آپ سے کہہ رہا تھا سب سے پہلے Argument ہوتا ہے۔ دوسرا Step اس Argument کو Maintain کرتا ہے اور قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے کتاب پڑھو قرآن پڑھو قرآن پڑھنے سے اوامر اور نواہی سے واقفیت حاصل ہو جائے گی آپ جان جائیں گے کہ اللہ کو کیا پسند اور کیا ناپسند ہے۔

And since you are loving God نتیجتاً آپ کو خدا کی مرضی پسند ہے تو آپ ہر اس کام Avoid کریں گے جو مجھ سے انگلینڈ میں ایک لڑکے نے پوچھا کہ یہاں مجبوراً کبھی کبھی سور کھانا پڑتا ہے تو آپ کیا کہتے ہیں میں نے کہا کھا لو۔ کہنے لگا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میں نے کہا کھا لو بھئی کوئی حرج نہیں، کہنے لگا اللہ نے منع نہیں کیا ہوا۔ میں نے کہا اللہ سے محبت ہے تو نہ کھاؤ۔ اصولوں کو دیکھا جائے تو ہمیں پہلے اس اور خیال کو Determine کرنا پڑتا ہے کہ What do we seek اور آپ یہ کہیں کہ مجھے مذہب چاہیے تو میں تو مذہب کا متلاشی ہوں میں تو کسی کی کوئی پابندی پسند نہیں کرتا۔ اگر خدا نہ ہوتا میں نے آپ کو شروع سے ہی کہا تھا کہ میرا یہ Basic Question ہے کہ میں آزاد ہوں کہ میں غلام ہوں اور میری آزادی میں تو حائل ہی اللہ ہے۔ Why should I believe some-body جو میری آزادیاں Curtail کرتا ہے۔ مجبوراً سوچ سمجھ کے میرے پاس کوئی چارہ نہیں رہا میں نے اللہ کو مان لیا چلو اللہ کو مان لیا اب ماننے کے بعد بھی ایک چوائس رہ جاتی ہے۔ میں اس کی طرف جاؤں کہ اس سے پرہیز کروں تو اس کی طرف جانے کے عمل کی میں وضاحت کروں اور جانے کا عمل صرف ایک ہے اور خداوند کریم کہتا ہے سارے خوف سے، نجات سے نہیں، میں صرف محبت والا ہوں اور مجھ سے محبت کرنی ہے تو کرو اور اگر ڈرنا ہے تو کسی اور اللہ کو مان لو "فاذکروا اللہ کذکرکم آبائکم" (البقرۃ آیت ۲۰۰) مجھے اس طرح یاد کرو جیسے Belongings کو کرتے ہو، آبا کو کرتے ہو، اولاد کو کرتے ہو محبوبوں کو کرتے ہو۔ اب پتا ہے یہ یاد کیسی ہوتی ہے۔ یا نفرت اور خوف کی یاد ہوتی ہے۔ پھر تو میں کہوں گا کہ اللہ کہتا ہے کہ مجھے ذکر سے یاد کرو یعنی کہ خدا یہ چاہتا ہے کہ جیسے تم اپنے عزیز ترین لوگوں سے محبت کرتے ہو اس سے بھی بڑھ کر مجھے فراز یاد کیا کرو۔ دیکھو یہاں فراز یاد ہوتی ہے کہ جب تک تم محبت کو میری محبت پر فوقیت نہیں دو گے میں نہیں ملوں گا رونا ہوا اللہ ہے میں تمہیں ملوں گا "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" آل عمران آیت ۹۲ تم برات حاصل نہیں کر سکتے یعنی تمہیں نہیں مل سکتا جب تک کہ تم میرے لیے اپنی تمام محبتوں کو قربان نہ کر دو۔ اب پتا ہے یہاں تو جیلسی کے معاملات ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اللہ سے ہم کیسے محبت کریں How۔ کہتا ہے وہ ویسے ہی جیسے آپ لوگوں کا زندگی میں خیال ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کے سامنے نہ ہو۔ اگر محبوب سامنے نہیں ہوتا تو اسے یاد کرتے ہو۔ وہ تو چھت پہ کھڑکی میں، بازار میں، گلی کوچوں میں ہر جگہ یاد آتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خداوند کریم کہتا ہے کہ مجھے بالکل اسی طرح یاد کرو "فاذکروا اللہ قیاما وقعودا و علی جنوبکم" (النساء آیت ۱۰۳) کھڑے ہو، بیٹھے ہو، کروٹوں کے بل ہو، چلتے پھرتے کرو۔ میں تو تمہاری یاد چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ یاد کے بغیر محبت کا کوئی امتحان نہیں ہے۔ کوئی یقین نہیں ہے اگر آپ کو دیکھنا ہو کہ ان آدمیوں میں سے آپ کو کس سے زیادہ محبت ہے تو آپ ان کو جدا کر کے جو زیادہ یاد آئے اسی سے محبت ہوگی۔ اب چونکہ خدا سامنے نہیں ہے اور خدا کی پہچان ہی فراق میں ہوتی ہے۔ اس لیے خدا کہتا ہے کہ سامنے ہو یا نہ ہو مجھے یاد کرو تو بڑی بات ہے "اتل ما اوحی الیک من الکتاب" کتاب پڑھو قرآن شریف پڑھو "واقم الصلوۃ" نماز قائم کرو "ان الصلوۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر" یہ تمہیں فحش اور منکر سے روک دے گی "ولذکر اللہ اکبر" (العنکبوت آیت ۴۵) اور میری یاد تو بہت بڑی بات ہے، بہت بڑی بات۔ یہ بڑا خوبصورت جملہ "ان اللہ جمیل یحب الجمال" اللہ خوبصورت ہے، وہ کہتا ہے یار تم چھوٹی موٹی خوبصورتی کے پیچھے بھاگ رہے ہو۔

جو ہم دیکھتے ہیں یہ Sanctioned Beauty ہیں۔ جو اس شعر میں قید ہوا آپ آنکھ سے آگے نہیں جا رہے، بات سے آگے نہیں جا رہے۔ جو اس شعر سے آگے بڑھو گے تو آپ کو Refined Beauty کا احساس ہوگا۔ اگر کسی شعر کا وزن خراب ہے یا Rhyme اور ردیف خراب ہو تو کسی سینئر رائٹر و ادیب سے پتا لگتا ہے یا ذہن میں کوئی قدر ہوتی ہے جس سے پتا لگتا ہے کہ خیال لیا ہے جس کو ذوق یا شعر کہتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی ذوق اور شوق کا اظہار لفظوں کی ادائیگی اور طرز ادا کے بغیر نہیں ہوتا

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے
سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

تو خداوند کریم آپ کو اس معمولی ذوق کی استطاعت سے آگے Ultimate refined beauty تک بڑھاتا ہے۔

You have to be continued where lies the real touch of beauty and where lies the ultimate refined beauty

خوبصورت آدمی ہے اپنے آپ سے دوسروں کو ڈرائے گا، اس کو تو Appreciation چاہیے۔ اللہ کو اپنی تعریف چاہیے، اپنے لیے محبت چاہیے تو وہ ڈرائے گا تو نہیں وہ تو Attract کرے گا۔ یہ تو بدقسمتی کی بات ہے کہ خدا کے اجارہ دار بڑے بدصورت ہیں۔

I have never seen, you see

یہ Advertising کا زمانہ ہے اور ایک اچھی Advertising کمپنی کا کمال یہ ہے کہ بدترین چیز کو Salable کر دیتی ہے اور کائنات کی سب سے بڑی Value کو اتنے واہیات ایڈورٹائزر ملے ہوئے ہیں کہ ان کو دیکھتے ہوئے کوئی اپنے سینے میں خدا کا انس نہیں پال سکتا۔ اب دیکھیے میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں، یہ بال ہیں، جب بھی آپ یہ بال دیکھو گے یہ حسن کے لیے ہیں۔ مجھے مرد اور کئی عورتیں ایسی ملیں کہ بال نوچے جا رہی ہیں، ان کے Look at those people اب ان بالوں کو سنوارنا بھی رسم محبت ہے، رسم رسول ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ کہتا ہے: "یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد" (الاعراف ۳۱) نمازوں کو جاؤ تو زینت کر کے جاؤ۔ اب مردوں کی زینت اور کیا ہے کہ بال خوبصورت بنے ہوئے ہوں، اچھے ہوں، داڑھی ہو تو سنوری ہوئی ہو۔ میں مذہبی لوگ دیکھتا ہوں کہ ایک بے ڈھنگی داڑھی رکھی ہوتی ہے۔ پوچھتا ہوں جی یہ کیسی داڑھی ہے؟ آپ پڑھتے ہو چلے ہیں تین داڑھی پہلی ہی چل رہی ہے۔ اب بجائے اس کے کہ وہ مرد کا حسن بنے اور اس سے اس کی خوبصورتی کی نشاندہی ہو، لیکن انھوں نے اس کو حسن اور دلکشی کے بجائے ایک General symbol of ugliness. بنایا ہوا ہے۔ دنیا میں تہذیب و اخلاق کے حوالے سے سب سے پہلی کتاب جو معاشرے کے آداب پر لکھی گئی ہے وہ ابوالفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی ہے، جس میں

Mannerism کا بنیادی تصور ہی مسلمانوں نے دیا ہے۔ اب بھی آپ یورپ کی فلموں میں جو لوگ دیکھتے ہیں میاں بیوی کے درمیان آتے جاتے جو خلوص کا اظہار ہو رہا ہے kiss ہو رہا ہے آپ کو پتا ہے حدیث کیا ہے۔ علامہ قاری نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق کی چار بیویاں تھیں اور ایک بیوی کا حضرت سے یہ تقاضا تھا کہ وہ دروازے سے جب آئیں رخصت کرتیں اور ان کو بوسہ دیتیں۔ یہ جو آپ کو آج کا کلچر نظر آ رہا ہے یہ اصل میں ہمارا اپنا کلچر ہے۔ ان مسلمانوں کا کلچر ہے جنہوں نے معاشرے میں محبت اور انس کی بنیاد رکھی۔ جنہوں نے انتہائی خوبصورت اخلاقی معاشرہ پیدا کیے اور اتفاق سے دیکھیے ابھی اس کی تعلیمات عرب میں ہوئی تھیں، وہ قرطبہ اور بغداد سے ہوتی ہوئی یورپ چلی گئیں اور ادھر سے ہو کے پھر ہم تک پہنچیں

And we are decadent not only in our culture in the proper understanding of Islam, religion attitudes

ہم اتنے بدصورت مسلمان ہیں کہ ہم میں اللہ کے حسن کی کوئی جھلک نہیں پائی جاتی۔ ہم ایک ہزار برس مغرب میں رہیں تو کوئی ہمارے کردار سے متاثر نہیں ہوتا۔ یہ ایک رنجیدگی کی بات ہے۔ اب آپ دیکھیے کہا جاتا ہے کہ میں نے پانچ ہزار مسلمان کر دیے۔ میں اس دن بڑا پریشان ہوا کہ مسلمانوں کے یا تبلیغ کے مذہب اعتقادات کے حوالے میں ایک جماعت نے دعویٰ کیا ہوا تھا کہ ہم نے پانچ ہزار امریکن مسلمان کر دیے، ایک دوسری جماعت کا میں نے دعویٰ پڑھا کہ ہم نے بارہ ہزار جاپانی مسلمان کر دیے۔ اب میرا اندازہ یہ ہے کہ پہلے مسلمان ہونے کی تعداد تو پانچ ہزار ہے مگر وہ چندہ راتنش ہو گیا تھا دیتے ہی دیتے اس کے پانچ لاکھ حمایتی ہو گئے وہ ایک فراڈ یا دست یا اس کے دس لاکھ حمایتی ہو گئے۔ ایک تیسرا دیا۔ اس نے اتنے مخلص لوگ پیدا کیے کہ لاکھوں آدمیوں نے اس کے ہاتھ پر خوشی خوشی Look at those people. اپنی بیزاری اور مجبوریوں کے باعث وہ کوئی بھی strange cult قبول کر لیتے ہیں

This is not the sign of spreading of Islam at all.

میں نے وہاں امریکہ میں دیکھا ہے۔

Mostly they are not Muslims at all.

آپ بیس لاکھ کالے حبشیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں اور وہ اپنا پیغمبر ایلیا محمد کو کہتے ہیں۔ ان میں بالکل ایک Small Fraction ہے چھوٹا سا جو مائیکل جیکسن کی وجہ سے مسلمان ہیں میں ایک میں مجلس یا وہاں ایک بیہودہ ناچ کو کر رہا تھا، مائیک ہاتھ میں، اچھل کود کے ادھر جاتا ادھر جاتا اور میں نے ایک مسلمان سے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ کہنے لگے یہ وہ شخص ہے جسے مستشرق کہتے ہیں اور اس نے اب بڑی زبردست ترقی کی ہے اور آج یہ تمہیں اسلام پر ایک لیکچر دینے کے لیے آیا ہے۔ تو میں نے کہا حضرت آپ پندرہ سو برس سے مسلمان ہیں لیکن آپ کو اسلام سمجھ نہیں آیا تو اس کو پندرہ سال میں کیسے سمجھ آ گیا لیکن وہاں کا مسلمان اپنی اسلامی تربیت کے لیے اپنی سمجھ اور ذہن کو نہیں استعمال کر رہا۔

Academics they are trying to use these foreign talents

ہم ان سے بھی گئے گزرے ہیں، نتیجے کی ایک خاص طلب کی سی کیفیت پیدا ہو رہی ہے اور اصلی اسلام کے

جائے۔ بہت جلد عجیب مذہب کا ایک ملغوبہ بن رہا ہے جس کا نہ پتا لگتا ہے کہ یہ کرسچین Religion کی کیا شکل ہے یا اسلام کا حلیہ بگڑ گیا ہے۔ البتہ اس قسم کا اسلام وہاں موجود ہے کہ ایک دفعہ ایک ہوٹل میں ڈاکو پڑے، ان حبشیوں نے ڈاکا ڈالا تو وہاں ایک عورت حجاب میں تھی وہ اس کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ تم ایک طرف ہو جاؤ تم مسلمان ہو ہم ان کو نہیں چھوڑیں گے۔ بس یوں سمجھیں کہ حجاب نے اسے فائدہ دیا۔ وہ حبشی چونکہ کالے مسلمان تھے تو وہ اسے چھوڑ گئے اور باقیوں کو لوٹ کے چلے گئے You See تم لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اپنی اپنی مرضی کا قرآن حاصل کریں میں نے وہاں ایک عجیب بات دیکھی کہ

All the women ask me one question عورتیں عجیب اور بڑے تیکھے سے میرے سے سوال کرتی تھیں۔

Why God has allowed four marriages to the man, why can't we marry four men.

میں نے کہا جو چاہو کرو لیکن مسئلہ میرے ماننے کا تو نہیں ہے۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ آپ ایک امریکن Constitution کو مانتے ہو۔ میں نے جتنے امریکنوں سے بات کی They hated the taxes ایک امریکن نے مجھ سے کہا کہ

We hated the British becaue of taxes, we revolted against them because of taxes. Why should we pay taxes to this stupid government.

تو میں نے کہا In spite of all that you still pay یہ ضروری نہیں کہ کسی انسان کی ساری باتیں آپ کے Individual مقاصد کو پورا کریں۔ یہ ضروری نہیں کہ سارا قرآن میری مرضی کے مطابق ہو۔ بہت ساری چیزیں ایسی بھی ہوں گی جو شاید میرے مزاج کے مطابق نہ ہوں۔ شاید اس میں کچھ ایسے قوانین ہوں جو مجھے اچھے نہ لگیں تو کیا آپ یہ کریں گے کہ اپنی مرضی کے قوانین ایڈووکیٹ کریں گے اور باقی قرآن اور اللہ کو نہیں مانیں گے۔ یہ جس نے اللہ کو مانا، جس نے قرآن کو مانا، وہ اگر ایک آیت کا بھی انکار کرے گا تو وہ اللہ کو نہیں مان رہا ہوگا۔ This is what we have to learn this اسی لیے خدا کہتا ہے کہ "یایہا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ" (البقرۃ ۲۰۸) "اے لوگو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ یہ دس ہزار سسٹم اس میں شریک نہ کرو۔" تمہیں اسلام کے اصل مقاصد کا پتا ہے تو میں آپ کو ماڈرن مثال دیتا ہوں میں نے طلاق کا قانون دیکھا ہے انگلینڈ میں جو نافذ کیا ہے۔ اس سے بدترین قانون عورت کے خلاف کوئی نہیں بنا، اس ملک میں By Nature ساری عورتیں Possessive ہیں

They will never allow their husbands to marry second time.

بہت فساد کھڑے ہوتے ہیں۔ خالی عورت کی بات نہیں ہوتی۔ پوری فیملی، دوسری فیملی سے ناراض ہو جاتی ہے۔ ایک ملک دوسرے ملک کے ساتھ جنگ آزما ہو جاتا ہے۔ اچھے بھلے انسان کی مٹی پلید ہو جاتی ہے یا ایک اچھی بھلی عورت Suffer کر جاتی ہے۔ اس کا حل انہوں نے یہ کیا کہ عورت سے اجازت لو، ورنہ تین مہینے جیل جاؤ۔ ایک آدمی اسی جرم کی

پاداش میں نکال دیا جاتا اور عورت نے دے

She has not allow to her husband to merry

تو نتیجہ کیا رزلٹ کیا ہو جاتا ہے Divorce ہو جاتا ہے۔ Divorce سے تو مرد کو کسی نے نہیں روکا۔ لہٰذا اگر وہ اجازت نہیں دیتی تو مرد کے پاس ایک راستہ ہر وقت کھلا ہے کہ وہ اسے Divorce کرے۔ اچھی بھلی چار بچوں کی ماں جس کا کوئی آسرا نہیں ہے۔ جس کا کوئی مناسب روزگار نہیں ہے اس کو وہ Divorce کر دیتا ہے

And of this law particularly is creating biggest harm in this country.

کہ بے شمار عورتیں اس لیے بیوہ ہو گئیں کہ

Mentally they would not allow their husbands to marry with another woman

اور اس کے نتیجے میں اتنی طلاقیں ہوئی ہیں کہ یہ اجازت لینے والا قانون محض ایک مضحکہ خیز قانون لگتا ہے

Still we see, we say. If you are!

اور آپ نے کچھ سوچا تھا عورتوں کے لیے ان کے تحفظ کے لیے اگر ایک آدمی دو شادیاں کر سکتا ہے تو پھر آپ سے کہا جاتا ہے کہ ان کو 50% دو۔ کیوں دو؟ 50% ایک عورت کے چار بچے ہیں۔ ایک تم نئی سے شادی کر رہے ہو

Why one should not understand its not the 50%

اگر صحیح دیکھا جائے تو اس عورت کو 80% بچے بھی تو باپ کی ذمہ داری ہے۔

But we commit justices in the name of God. we commit justices in the name of law

اور یہ ہماری حرکات اس معاشرے کے عدم اعتماد کا باعث ہیں۔ اللہ خود ہی تو کہتا ہے کہ تمہیں جیسے اللہ پر یقین رکھنے کا حق ہے تم اس پر ایسا یقین نہیں رکھتے۔ اور تمہیں اس کی عبادت کرنے کا حق ہے تم یقیناً ایسی عبادت نہیں کرتے لیکن وہ اس کے باوجود بھی تم کو معاف فرماتا رہتا ہے۔ وہ تم پر نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے

گناہ کی بنیاد نفس یا شیطان؟

سوال　گناہ کی بنیاد کیا ہے نفس یا شیطان؟

جواب　خواتین و حضرات! یہ شیطان ایک کاشتکار کی طرح ہے جو ایک زمین پر کاشت کرتا ہے اور جیسے ایک حضرت جنید نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے کہ تم اس زمین کی طرح ہو جاؤ جس پر نیک و بد سب ایک طرح سے چلتے ہیں۔ تو ہمارا نفس جو ہے بنیادی طور پر ایک پیکٹ ہے ایک مجموعہ ہے اس میں حیوانی جبلتیں پڑی ہوئی ہیں Acquired جبلتیں ہیں Facilities ہیں Intellect ہے وجدانی کیفیت ہے مگر بنیاد جو ہے حیوانی جبلتوں پر ہے۔ تو حیوانی جبلتیں ہماری ہماری Aggresive ہیں اور یہ بار بار Influence کرتی ہیں ہمارے خالق و مالک کو نہیں مانتیں اور جیسے

شیطان یہ دیکھتا ہے کہ غصہ تو اس میں ہے۔ Aggressive ہے مگر آدمی بڑا شریف ہے تو وہ انتظار میں رہے گا۔ اس کی Weakness کی جس پر اس کو غصہ آئے اور ہو سکتا ہے کوئی ایسا Chance ملے کہ وہ فوراً اس میں تیغ باشت کر سکتا ہے تبھی قتل کی نذر کر سکے گا۔

خواتین و حضرات! یہ Possible ہے کہ شیطان ایک جگہ ناکام نہیں رہتا۔ اگر آپ اسے یہ کہیں کہ وہ بار بار ایک ہی چیز سے متاثر کرے تو وہ نہیں کرتا۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ ایک طرف سے آپ کو مار نہ پڑی تو دوسری طرف سے آ جائے گا۔ وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی Trial کرتا رہتا ہے کہ کہاں سے یہ مرتا ہے اور کہاں سے یہ جیتا ہے اور دوسری بات اس کے پاس Filing بڑی لمبی ہے۔ آدم سے لے کر آج تک وہ بڑے Efficient Department کا مالک ہے۔ آپ سمجھتے ہو کہ وہ ایسے ہی آئے گا اور آپ کو بہکائے گا۔ ایسا نہیں ہے۔

He has a Complele invincible system.

ملک اور ڈیپارٹمنٹ اس کے Servants ہیں، خدمت گزار ہیں، الماریاں لگی ہوئی ہیں فائلیں لگی ہوئی ہیں۔ فرض کرو کہ اس نے مجھے بہکانا ہے تو اسے پتا ہے کہ اسے کیسے بہکائے گا۔ وہ کہے گا کہ اس احمق نے میرا بڑا نقصان کر دیا ہے لوگوں کو اللہ سے اغوا کر رہا تھا۔ یہ نہیں مانے گا۔ اپنی طرف سے بڑی کوشش کر رہا ہے تو وہ اس کی فائل نکال کر لاؤ تو میری طبع اور Temper کی پچھلی ساری فائلیں نکال لے گا، پھر دیکھے گا کہ کہاں کہاں سے احمد رفیق نے مار کھائی ہے۔ پھر وہ تمام حربے مجھ پر آزمائے گا۔ ادھر میں بھی کچھ چالاک ہوں، میں بھی Strategy کے بجائے اس کو ہی سمجھتا ہوں تو کامیاب ہے۔ ہر میری بغل میں بھی شیطان کے لیے چھری رہتی ہے۔ تو یہ Stratagy بدلتا ہے اور نفس تکرار کرتا ہے۔ نفس Strategy نہیں بدلتا، وہ دلیل بے ضدی ہے۔ ایک ہی چیز بار بار لاتا ہے اور اس کو Possession کہتا ہے Obsession کہتا ہے Psycosis کہتا ہے اور Repeat کرتا ہے اور اس کا علاج بھی اس Repetition کو توڑنا ہے اور شیطان اسے Argument دیتا ہے کہ تیری زندگی بے مقصد ہے۔ جتنے قبرستان ہیں وہاں آرام سے بیٹھے ہیں صوفی یا شفیق یا صوفی اس لیے کہ وہ بہت سارے لوگ ختم کر آیا ہوتا ہے۔ اس نے زندگی میں Lesser Importances کو Importance نہیں دی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں نے اس لیے پتا وہ پایا ہے میرے لیے کوئی چیز Important نہیں اس لیے اس کو کوئی چیز چھیڑ نہیں سکتی۔ بڑے آرام سے چلتا چلتا جب قبر تک چلا جاتا ہے تو بقول اقبال

نشانِ مردِ حق دیگر چہ گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

کیونکہ اس کے پیچھے کچھ نہیں ہے جس کو چاہے جس کی رغبت کرے۔ وہ اپنے دل میں اللہ کی محبت کی وجہ سے باقی رغبتوں کو کم کر چکا ہوتا ہے بلکہ بالکل کر چکا ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذہنی رفعت میں، اداسی میں، وہ اپنے آپ کو دنیا سے علیحدہ کرتا ہوا اس کو کسی چیز میں مزا نہیں آ رہا ہوتا ہے۔ کسی چیز میں وہ Involve نہیں ہو رہا ہوتا۔ Schizophrenia کی Mania ہو، depression ہو، ایک جدائی، ایک علیحدگی اپنی ذات میں حتیٰ کہ شیطان اسے یہ argument دیتا ہے کہ

Life is not worth-living

اس فضول سی زندگی سے بہتر ہے کہ چلو اگلی دنیا جا کے ترقی کریں اور وہ بھی بڑی خوشی سے خودکشی کرتا ہے۔ تمام خودکشی کے پیچھے اسی طرح کی احمقانہ مثال اور بیوقوفی کا نتیجہ ہوتے ہیں

عذاب اور آزمائش کا فرق؟

سوال: انسانوں پر جو مسائل آتے ہیں، کیسے پتا چلتا ہے کہ خدا کی طرف سے امتحان لیا جا رہا ہے؟

جواب: خواتین و حضرات یہ بڑا مناسب سوال ہے۔ قرآن بڑی وضاحت سے کہتا ہے کہ کوئی ایسی تکلیف جو عذاب ہو، ایسا مطلوب نہ ہو کہ جس سے بچنے کی امید نہ رہے۔ یہ پانچ Heads ہیں ان سے ہم لوگوں کو تھوڑا تھوڑا آزمائیں گے مکمل نہیں۔ لہٰذا مکمل تکلیف تو شاید عذاب ہو مگر تھوڑی تھوڑی ہلکی ہلکی تکلیف آزمائش ہے۔ مگر ہلکی آزمائش میں کچھ ایسی صورت بھی ہو سکتی ہے کہ خدا یہ مناسب سمجھے کہ کسی کے دس بچے ہیں تو ان کے ماں باپ سے ایک بچہ لے لے۔ دیکھیں، کسی کے تین گھر ہیں تو چلو ان میں سے ایک گھر تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔ تو عذاب اور آزمائش میں بنیادی فرق ہے کہ جیسے پہلے میں نے کہا کہ میں تمام لوگوں کو تھوڑا تھوڑا نقصان دوں گا، میں نے یہ نہیں کہا کہ یہ عذاب ہے۔ لیکن کہ جس پر تھوڑی سی مصیبت آ جائے تو اس کا حق یہ ہے اور اس کی Approach یہ ہونی چاہیے کہ اللہ کی طرف سے مصیبت آئی ہے اللہ ہی کی طرف چلی جائے گی۔ لہٰذا جس کی آزمائش ہو اس کو بڑی احتیاط کرنی چاہیے کہ وہ گلی گلی کوچے کوچے حساب لگانے کے لیے نہ چل پڑے اور یہ نہ پوچھتے کہ کس نے جادو کیا ہے۔ کس نے ٹونا کیا ہے۔ کس نے میری زندگی خراب کی ہے۔ بھاوج نے ساس نے بھابی نے بیٹا نے۔ جب آپ اس پہ چل پڑیں گے تو یقیناً خسارے میں رہو گے، شیطان کو موقع دو گے۔ لیکن اگر "قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون" (البقرۃ آیت ۱۵۶) کہہ دیا تو شیطان بھی منہ کی کھائے گا اور وہ خفت بھی اٹھائے گا۔ اور پھر تو اللہ کہتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ مصیبت سے نکل جائیں گے بلکہ آگے آواز دیتا ہے۔ رحمٰن و رحیم آواز دیتا ہے کہ ان لوگوں پر جو یہ Approach رکھتے ہیں کہ مصائب میں صرف اللہ کو رجوع کرو اور یہ کہتے ہیں کہ مصیبت اللہ کی طرف سے آئی ہے اور اس کی طرف پلٹ جائے گی تو ان لوگوں پر ہماری طرف سے درود و سلام ہے اور رحمت ہے۔ آپ یقین جانئے کہ وہ کتنی قیمتی رحمت ہوگی کہ جس کے نتیجے میں اللہ آپ کو درود سلام بھیجے اور رحمت بھیجے ایسی مصیبت کی تو آرزو کرنے کو جی چاہتا ہے